مسلم خاتون اور سیاست
قرآن وسنت کی روشنی میں

تالیف

ڈاکٹر اقبال عبدالعزیز عبداللہ المطوع

استاذہ، فقہ اسلامی، الہیئۃ العامۃ للتعلیم التطبیقی والتدریب، کویت

مقدمہ

ڈاکٹر میمونہ خلیفہ العذبی الصباح

استاذہ، تاریخ، کویت یونیورسٹی

ترجمہ

شعبہ حسنین ندوی

ایفا پبلی کیشنز - نئی دہلی

نام کتاب: مسلم خاتون اور سیاست-قرآن وسنت کی روشنی میں
مولف: ڈاکٹر اقبال عبدالعزیز عبداللہ المطوع
مقدمہ: ڈاکٹر میمونہ خلیفہ العذبی الصباح
مترجم: شعبہ حسنین ندوی
صفحات:
قیمت:
سن اشاعت: ۲۰۱۴ء

ناشر

”رب اجعل هذا البلد آمنا واجنبني
وبني أن نعبد الأصنام“

(ابراہیم:۳۵)

انتساب

☆ وطن عزیز کے نام.....

☆ عزت مآب امیر مملکت محترم صباح الجابر الصباح حفظہ اللہ کے نام، جنہوں نے ۲۰۰۵ء میں کویت میں خواتین کے سیاسی حقوق کو تسلیم کیا

☆ میرے محبوب والدین کے نام.....اس دعا کے ساتھ کہ میں ان کے حقوق کو ادا کرسکوں اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا فریضہ انجام دے سکوں .....

☆ جلیل القدر استاذ محترم ڈاکٹر محمد بلتاجی حسن (ڈین، کلیۃ دار العلوم، قاہرہ یونیورسٹی) کے نام، جنہوں نے مجھے خواتین کا احترام کرنا اور ان کا دفاع کرنا سکھایا، اللہ ان کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کرے اور جنت میں اعلی مقام سے نوازے.....

ڈاکٹر اقبال عبدالعزیز عبداللہ المطوع

فہرست

مقدمہ	۱۱
تمہید	۱۵
فصل اول: اسلام میں عورت کا مقام	۲۵
مبحث اول: ظہور اسلام سے قبل عورت کی حالت	۲۷
- ابتدائی اقوام کے یہاں عورت	۲۷
- قدیم مصریوں کے یہاں عورت	۲۸
- بدھ مت کے دور میں عورت	۲۸
- چینیوں کے یہاں عورت	۲۹
- ہندوستان میں عورت	۳۰
- یونانیوں کے یہاں عورت	۳۱
- رومیوں کے یہاں عورت	۳۲
- اسلام سے قبل عربوں کے یہاں عورت	۳۳
- لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا واقعہ	۳۳
مبحث دوم: عورت اور قرآن وحدیث میں اس کا مقام	۳۷
عورت کے تعلق سے اسلام کی تعلیمات	۳۸
- پہلی تعلیم: انسانی نسب کی اخوت	۳۸
- دوسری تعلیم: انسانیت میں مرد وعورت کے درمیان مساوات	۳۹

- تیسری تعلیم: تکالیف شرعیہ میں مرد وعورت کے درمیان مساوات ۴۲
اسلام اور عورت کا احترام ۴۳
مبحث سوم: اسلام میں عورت کے حقوق ۵۰
اول: ''حق'' کے لغوی معنی ۵۰
دوم: ''حق'' کے اصطلاحی معنی ۵۰
-شریعت اسلامی میں حقوق سرچشمہ ۵۱
- حقوق کے استعمال میں اختیار کئے جانے والے شرعی اصول ۵۲
اسلام میں عورتوں کے حقوق ۵۶
اول: عورت کے انسانی حقوق ۵۶
الف-شخصی آزادی کا حق ۵۶
ب-عزت وتکریم کا حق ۵۸
ج-خطاب الٰہی اور ثواب وسزا میں مرد وعورت کے درمیان مساوات ۵۹
دوم: ہجرت کے تعلق سے عورت کا حق ۶۰
الف-ہجرت حبشہ ۶۱
ب-بیعت عقبہ ثانیہ ۶۲
ج-یثرب (مدینہ) کی جانب ہجرت کبری ۶۳
سوم: جہاد کے تعلق سے عورت کا حق ۶۳
چہارم: عورتوں کے معاشرتی حقوق ۶۴
۱-تعلیم کے سلسلہ میں عورت کا حق ۶۵
۲-ازدواجی حقوق ۶۶
الف-شوہر کے انتخاب میں عورت کا حق ۶۷

ب-مہر کے سلسلہ میں عورت کا حق ۶۸
ج-استمتاع ولطف اندوزی کے سلسلہ میں عورت کا حق ۷۰
د-نفقہ کے سلسلہ میں عورت کا حق ۷۲
ہ-دو بیویاں ہونے کی صورت میں تقسیم میں عدل ۷۴
و-عورت کو نقصان نہ پہنچانا ۷۵
ز-ماں کا حضانت و پرورش کے تعلق سے حق ۷۶
ح-خلع کے سلسلہ میں عورت کا حق ۷۹
پنجم: عورت کے مالیاتی حقوق ۸۱
الف-ملکیت کے تعلق سے عورت کا حق ۸۱
ب-میراث اور وصیت میں عورت کا حق ۸۲
فصل دوم: مسلم خاتون کی سیاسی فقہ ۸۳
تمہید: ۸۵
اول: فقہ سیاسی کی تعریف ۸۵
مبحث اول: عمومی ملازمتوں سے متعلق عورت کا حق ۸۸
اول: ولایت کی تعریف ۸۸
ولایت کی قسمیں ۹۰
۱-ولایت قاصرہ ۹۰
۲-ولایت متعدیہ ۹۱
عموم وخصوص کے پیش نظر ولایت متعدیہ کی قسمیں ۹۱
۱-عمومی ولایت ۹۱
۲-خصوصی ولایت ۹۲

موضوع کے اعتبار سے ولایت کی قسمیں ۹۲
۱-ولایت علی النفس ۹۲
الف-پرورش و پرداخت کرنے کی ولایت ۹۲
ب-کفالت کی ولایت ۹۲
ج-شادی کرنے کی ولایت ۹۳
۲-ولایت علی المال ۹۴
مصدر کے اعتبار سے ولایت کی قسمیں ۹۴
۱-ذاتی ولایت ۹۴
۲-کسبی ولایت ۹۴
دوم: عورت اور عمومی ملازمتوں سے متعلق حکم ۹۵
مبحث سوم: عورت اور امامت عظمی کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق اس کا حکم ۱۰۱
ولایت امامت ۱۰۱
۱-امامت عظمی ۱۰۱
۲-امامت صغری ۱۰۲
الف-عورت کا مردوں کی امامت کرنا ۱۰۳
ب-عورت کا عورتوں کی امامت کرنا ۱۰۳
عورت اور امامت عظمی کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق اس کا حکم ۱۰۴
مبحث سوم: انتخابات میں ووٹ ڈالنے اور بطور امیدوار کھڑے ہونے سے متعلق عورت کا حق ۱۲۴
اول: انتخاب اور ترشح (بطور امیدوار کھڑا ہونا) کے معنی ۱۲۴
الف-انتخاب کے معنی ۱۲۴

ب-ترشح کے معنی	۱۲۵
اول: پارلیمنٹ اور مجلس شوری میں عورت کے ووٹ ڈالنے کا حکم	۱۲۶
دوم: پارلیمنٹ اور مجلس شوری میں عورت کا خود کو بطور امیدوار پیش کرنے کا حکم	۱۳۹
مبحث چہارم: افتاء کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق عورت کا حق	۲۱۲
افتاء کی تعریف	۲۱۲
افتاء کی مشروعیت اور اس کی اہمیت	۲۱۲
عورت کے لئے فتوی دینے کی مشروعیت	۲۱۳
مبحث پنجم: منصب وزارت سنبھالنے سے متعلق عورت کا حق	۲۱۶
وزارت کی تعریف	۲۱۶
وزارت کی قسمیں	۲۱۷
عورت، منصب وزارت، اور اسلامی سیاسی نظام کے بارے میں بحث وتحقیق کرنے والوں کے اس ضمن میں اقوال	۲۱۹
مبحث ششم: قضاء کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق عورت کا حق	۲۲۱
قضاء کی تعریف	۲۲۱
عورت اور قضاء کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق فقہاء کے اقوال	۲۲۲
ضمیمہ	۲۳۷
خاتمہ	۲۴۲
مصادر اور مراجع کی فہرست	۲۴۵

اظہار تشکر

اس کتاب کی تیاری کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل افراد واداروں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مجھے خوشی محسوس ہورہی ہے:

۱- پروفیسر ڈاکٹر میمونہ خلیفہ العذبی الصباح، جنہوں نے کویت میں خواتین کے سیاسی حقوق کو تسلیم کرانے کے لئے بڑی کاوشیں کی ہیں اور جنہوں نے اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن کی طباعت کے لئے میری ہمت افزائی کی۔

اسی طرح میں تمام ان خواتین کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں جو کویت میں خواتین کے سیاسی حقوق کو یقینی بنانے کے سلسلہ میں سرگرم عمل ہیں۔

۲-محترم جناب محمد جاسم بن ناجی، سکریٹری محکمۃ الاستئناف اور ڈائریکٹر معہد الکویت للدراسات القضائیۃ والقانونیۃ۔

میں ان تمام افراد کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جو معہد کے قسم الدراسات والبحوث والترجمۃ میں کام کررہے ہیں۔

۳-اللجنۃ الاستشاریۃ العلیا جس نے ملک میں شرعی احکام کو مکمل طور پر نافذ کیا، خصوصاً اس کمیٹی کے صدر پروفیسر وڈاکٹر خالد مذکور المذکور اور اس کمیٹی سے وابستہ ادارۃ مرکز المعلومات والتوثیق کا میں شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔

۴-کویتی ممبران پارلیمنٹ اور سعودی مجلس شوری کے اراکین کا بھی میں شکریہ ادا کرتی ہوں جن سے میں نے اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں بہت استفادہ کیا ہے۔

۵-ان تمام افراد کا بھی میں شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے اس کتاب کی تیاری کے سلسلہ میں مجھے کسی بھی طرح کی معلومات بہم پہنچائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اللہ کے توفیق سے ڈاکٹر اقبال عبد العزیز المطوع (**الهيئة العامة للتعليم التطبيقي** میں استاذ فقہ اسلامی) کی تصنیف ''مسلم خاتون اور سیاست'' کی تیسری اشاعت منظر عام پر آرہی ہے۔ یہ میرے لئے خوشی اور اعزاز کی بات ہے کہ اس تیسرے ایڈیشن کا بھی مقدمہ لکھنے کی سعادت مجھے نصیب ہورہی ہے، اس سے قبل ۱۴۲۷ھ (۲۰۰۶ء) میں شائع شدہ دوسرے ایڈیشن کے لئے بھی میں نے مقدمہ تحریر کیا تھا۔ اس تیسرے ایڈیشن کی اشاعت سے اس کتاب کی اہمیت اور لوگوں کا اس کی جانب رجحان واضح ہے۔ عالم عرب اور عالم اسلام میں اس جیسی کتاب کی بہت شدید ضرورت ہے، کیونکہ ابھی بھی بہت سے ایسے لوگ ہیں جو عورت کو ایک ناقص اہلیت والا انسان سمجھتے ہیں۔ جس طرح میں نے دوسرے ایڈیشن کے مقدمہ میں مصنفہ کی کوششوں اور کاوشوں کی ستائش کی تھی میں اس کا اعادہ کرتے ہوئے کہتی ہوں کہ مصنفہ نے اپنی اس کتاب میں بڑی محنت کی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے براہ راست استفادہ کیا ہے، تاکہ ان کی یہ کتاب معروضی شکل میں سامنے آئے۔ یہ کتاب ایک ایسے اہم موضوع اور حق کے گرد گردش کرتی ہے جس کا ہم کویتی خواتین نے بہت طویل انتظار کیا ہے۔ بالآخر دوسرے اسلامی ممالک کی خواتین کے مثل کویتی خواتین کو بھی سیاسی حقوق مل گئے ہیں۔ سعودی عربیہ میں بھی خادم الحرمین الشریفین ملک عبداللہ بن عبدالعزیز کی کوششوں سے سعودی خواتین کو مجلس شوری میں شرکت کی اجازت مل گئی ہے۔

اب ہماری کوشش یہ ہے کہ عورت کی سیاسی شرکت کو مضبوط بنایا جائے اور اس کے دیگر حقوق کو یقینی بنایا جائے تاکہ وطن کے تئیں حکمت عملی اور تدابیر کے اختیار کرنے، انہیں نافذ کرنے

اور وطن کی حفاظت کرنے میں وہ اہم اور مؤثر کردار ادا کر سکے۔

مصنفہ نے اپنی یہ کتاب نیک مقاصد کے ساتھ لکھی ہے۔ان کی اس کتاب کی بنیاد اللہ تعالی کا یہ قول ہے: ''**یا أیها الناس إنا خلقناکم من ذکر وأنثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا**''۔اس آیت میں اللہ تعالی نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک جنس کو دوسرے جنس پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے اور نہ ہی دونوں کے درمیان کسی طرح کی کوئی تفریق ہے، حقوق اور واجبات کے سلسلہ میں سب برابر اور یکساں ہیں، انسانوں کے درمیان افضلیت کا معیار تو بالکل واضح ہے، اور وہ تقوی ہے، ''**إن أکرمکم عند الله أتقاکم**''۔

مصنفہ نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے وہ اسی ربانی ہدایت کو سامنے رکھ کر لکھا ہے، اور اس طرح انہوں نے مقاصد شریعت کی پوری طرح سے رعایت کی ہے۔

اسلام کا آفتاب طلوع ہونے سے لے کر اب تک مسلم خاتون اپنے شرعی کردار کو ادا کرنے اور عوامی یا شخصی کام کو پورا کرنے کے لئے گھر سے باہر نکلتی رہی ہے، اور اس پر کسی نے نکیر نہیں کی ہے۔آج بھی عورت نماز کے لئے باہر نکلتی ہے، اسے یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ بعض دینی مسائل میں لوگوں کو فتوی دے، اور ضرورت کے وقت فوج میں شامل ہو کر تیمارداری کے فرائض انجام دے۔ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک معرکہ کے تعلق سے حضرت نسیبہ بنت کعبؓ کی بڑی تعریف کی تھی اور یہ کہا تھا کہ انہوں نے فلاں فلاں سے بھی زیادہ اہم کردار ادا کیا ہے... نبی کریم ﷺ دائیں بائیں جس جانب بھی دیکھتے وہ انہیں جنگ کرتے ہوئے پاتے۔

ہمیں حضرت خولہ بنت ثعلبہؓ کے تعلق سے حضرت عمرؓ کا قول بھی یاد رکھنا چاہئے، جب ان سے کہا گیا کہ اے امیر المؤمنین، کیا آپ اس بوڑھی خاتون کے لئے یہیں کھڑے رہیں گے؟ انہوں نے جواب دیا: خدا کی قسم، اگر یہ مجھے صبح سے لے کر شام تک یہیں کھڑا رکھیں تب بھی میں یہیں رہوں گا، صرف نماز کے لئے یہاں سے جاؤں گا، تمہیں معلوم ہے کہ یہ خاتون کون ہیں؟ یہ

خولہ بنت ثعلبہؓ ہیں جن کی پکار اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر بھی سن لی تھی، کیا رب العالمین ان کی آواز کو سن لے اور عمرؓ نہ سن سکے؟۔ کیا آپ کو لگتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں ہم عورتوں کی آواز کا جواب دینے والا کوئی ہے۔

پہلے اور دوسرے ایڈیشن کی طرح تیسرے ایڈیشن میں بھی مصنفہ نے اپنی کتاب میں علمی طریقۂ غور وفکر اختیار کیا ہے، انہوں نے صرف جذبات اور امیدوں کے سہارے یہ کتاب تصنیف نہیں کی ہے۔ یہی قرآن کریم کی ہدایت بھی ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**قل هذى سبيلى أدعو إلى الله على بصيرة أنا ومن اتبعنى**'' ۔

مصنفہ نے عصری اسلوب اختیار کرتے ہوئے اپنی اس کتاب کے ذریعہ اسلامی تہذیب وثقافت کی ترویج اور دین کے احیاء کی کوشش کی ہے۔

مصنفہ نے یہ بیان کیا ہے کہ عرب واسلامی ممالک دین اسلامی کے اصولوں پر گامزن ہیں، لہذا ہر ملک میں اسلامی شریعت ہی کو قانون سازی کا منبع وسرچشمہ سمجھا جاتا ہے۔ اسلام نے عورت کو بہت عزت واحترام سے نوازہے، اس کے مقام کو بلند کیا ہے اور اس کے تمام حقوق کی مکمل طرح سے حفاظت کی ہے۔ اسلام نے عورت کے فرائض بھی متعین کئے ہیں، اور یہ بتایا ہے کہ گھر اور معاشرہ میں اس کا کردار کیا ہونا چاہئے۔ لہذا اس ضمن میں اسلام نے تمام ان باتوں کو یقینی بنایا ہے جن کے ذریعہ سے ایک خاندان کے بنیادی ڈھانچہ کی حفاظت ہوسکے، اس میں ترقی ہوسکے اور وہ معاشرہ کی ترقی میں مثبت ومؤثر کردار ادا کرسکے۔ اسلام نے مرد وعورت (میاں بیوی اور باپ وماں) میں سے ہر ایک کے فرائض اور واجبات کو علیحدہ علیحدہ عدل وانصاف کے ساتھ بیان کردیا ہے۔ اگر خاندان کے افراد کے درمیان تعلقات بہتر ہیں تو خاندان معاشرہ کی ترقی میں بہترین رول ادا کرسکتا ہے۔

سیاسی، معاشی اور معاشرتی میدانوں میں ترقی کے ساتھ اسلامی معاشروں میں عورت کی حالت میں بھی ترقی آئی ہے، کیونکہ معاشرہ کی تعمیر وترقی میں عورت کا کردار نہایت اہم ہے۔

یہ تیسرا ایڈیشن بھی نہایت مناسب وقت پر سامنے آ رہا ہے۔ حال ہی میں خادم الحرمین الشریفین ملک عبداللہ (سعودی فرمانروا) کی کوششوں سے سعودی خاتون کو مجلس شوریٰ میں شرکت کی اجازت مل گئی ہے، اس طرح سعودی خاتون کو سیاست سے متعلق قوانین سازی میں مؤثر کردار ادا کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔ توقع ہے کہ یہ تیسرا ایڈیشن عورت کی سیاسی شرکت کے تعلق سے سعودی اور دیگر خلیجی معاشروں کی ذہن سازی میں اہم رول ادا کرے گا۔

میں اللہ سے یہ دعا کرتے ہوئے اس مقدمہ کا خاتمہ کرتی ہوں کہ وہ ڈاکٹر اقبال المطوع کی شریعت اسلامی کے تئیں سنجیدہ خدمت اور کوششوں میں برکت عطا فرمائے۔ درحقیقت اس موضوع پر ایک کتاب کی بہت شدید ضرورت تھی۔

نیک خواہشات کے ساتھ

ڈاکٹر میمونہ خلیفہ الصباح

تمہید

بسم الله، والحمد لله، والصلاة والسلام على أشرف خلق الله سيد الأولين والآخرين، محمد بن عبد الله، وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد.....

الحمدللہ کویت میں خواتین ایک باعزت زندگی گزار رہی ہیں۔ اس ملک میں خواتین بہت سے قائدانہ مناصب پر فائز رہی ہیں، جن کے ذریعہ انہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ تمام تر ذمہ داریوں کو بخوبی انجام دینے پر قدرت رکھتی ہیں۔ ذمہ داریوں کو بہتر انداز سے انجام دینے کی اعلی ترین مثالیں اور نمونے اس وقت سامنے آئے جب صدام حسین نے کویت پر ۱۹۹۰ء میں حملہ بول دیا تھا، اس وقت مختلف میدان کار میں خواتین نے مردوں کا ساتھ دیا، اور ہر طرح سے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک شاندار تاریخ رقم کی۔

ان سب کے باوجود چند حضرات خواتین کو ان کے سیاسی حقوق سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کی جانب سے جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں وہ سارے ہی نہایت کمزور ہیں، شرعی نصوص اور عادات وتقالید کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ حضرات خواتین کو ان کے سیاسی حقوق سے شاید اس لئے بھی محروم رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ انہیں اندیشہ ہے کہ کہیں خواتین اعلی قائدانہ مناصب کے سلسلہ میں ان کے بالمقابل نہ آجائیں۔

معاشرہ میں خواتین کے کردار کو محدود کرنا درحقیقت ان کی حق تلفی اور ان کے مقام ومرتبہ کو کم کرنے کے مترادف ہے۔ شارع کے خطاب اور طرز تخاطب پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس خطاب میں مرد وعورت دونوں ہی شامل ہیں، اللہ تعالی مختلف جگہوں پر فرماتا ہے: "**یا أیها الناس**" اور "**یا أیها الذین آمنوا**"۔ جب اس خطاب میں مرد وعورت دونوں ہی شامل

ہیں تو اس خطاب پر لبیک کہنا بھی دونوں ہی کی ذمہ داری ہے۔

اس پس منظر میں ہمارا یہ کہنا ہے کہ ''تکلیف شرعی'' کے سلسلہ میں مرد وعورت یکساں ہیں، سوائے ان کاموں کے جن سے مرد کو مستثنی قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ کام ان کی فطرت سے مناسبت نہیں رکھتے، اور سوائے ان کاموں کے جنہیں اللہ تعالی نے عورت کی فطرت کے پیش نظر صرف اسی کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔ جہاں تک معاشرہ کی اصلاح سے متعلق ذمہ داریوں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں مرد وعورت دونوں ہی یکساں ہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلاة ويؤتون الزكاة ويطيعون الله ورسوله أولئك سيرحمهم الله إن الله عزيز حكيم**'' (التوبہ:۷۱) (مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی، یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم ودانا ہے''۔

ایک مومن عورت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرہ کی اصلاح کے عمل میں مومن مرد کے شانہ بشانہ اپنی ذمہ داریاں ادا کرے، جیسا کہ عہد نبوی کی مومن خواتین نے کیا تھا۔ ان خواتین نے نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ایک نہایت ہی اہم کردار ادا کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے والی سب سے پہلی شخصیت ایک خاتون (حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ) ہی کی تھی، اسی طرح اسلام کی راہ میں سب سے پہلے شہید ہونے والی شخصیت بھی ایک خاتون (حضرت سمیہؓ) ہی کی تھی۔ درحقیقت عورت معاشرہ کی بنیاد ہے، اگر عورت صحیح ہوتی ہے تو پورا معاشرہ صحیح ہو جاتا ہے۔ عورت ہی معاشرہ کے ترقی کی بنیاد ہے، ایک نیک مرد کی تربیت میں ایک عورت ہی کا ہاتھ ہوتا ہے۔

ایک عورت اپنی ذہانت وذکاوت اور حسن تدبیر کے ذریعہ معاشرہ کے بہت سے

حالات کو تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ معاشرہ کی اصلاح وحفاظت اور معاشرہ کی مشکلات کا حل تلاش کرنے میں عورت کے کردار کے واضح نقوش اور مثالوں سے ہماری تاریخ بھری پڑی ہے۔

انتخابات میں عورت کی شرکت اور بطور امیدوار کھڑے ہونے کے موضوع پر حالیہ دنوں میں بہت شدت کے ساتھ بحث ومباحثہ جاری ہے، یہ موضوع معاشرہ کے ہر فرد اور ہر مصنف ومضمون نگار کا مرکزی نقطہ بحث ہوگیا ہے۔ بہت سے لوگ اس کی تائید کرتے ہیں تو بہت سے لوگ اس کے مخالف ہیں۔ یہ موضوع صرف کویت کی مسلم خاتون ہی کے لئے اہم نہیں ہے بلکہ بہت سے دیگر عرب واسلامی ممالک کے لئے بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

مجھے محسوس ہوا کہ فقہی کتب خانوں میں ایک ایسی کتاب کی بہت شدید ضرورت ہے جو اس موضوع پر مطالعہ کرنے والوں (خواہ وہ مؤید ہوں یا مخالف ہوں یا غیر جانبدار) کے لئے ایک مرجع کی حیثیت رکھتی ہو۔ لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو اس مسئلہ میں شریعت کی رائے اور فقہاء کے اقوال سے واقف ہونا چاہتی ہے۔ لہذا میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نا ایک ایسی کتاب تحریر کروں جس میں اس موضوع سے متعلق تفصیلات یکجا کردی جائیں۔

یہ کتاب مندرجہ ذیل ۲ فصلوں اور ۹ مباحث پر مشتمل ہے:

فصل اول: اسلام میں عورت کا مقام:

اس فصل میں مندرجہ ذیل تین مباحث ہیں:

۱-ظہور اسلام سے قبل عورت کی حالت: اس مبحث میں بیان کیا گیا ہے کہ ظہور اسلام سے قبل دیگر اقوام میں عورت کا کیا مقام تھا، اور مختلف تاریخی ادوار میں کس طرح عورتوں کے حقوق غصب کئے گئے۔

۲-عورت اور قرآن وحدیث میں اس کا مقام:

میں نے اس مبحث میں بیان کیا ہے کہ اسلام نے کس طرح عورتوں کے حقوق کی کفالت وحفاظت کی، کس طرح اس نے عورتوں کے مقام کو بلند کر کے مردوں کے برابر قرار دیا، اس کے مکمل انسان ہونے کا اعتراف کیا، اسے ظلم وزیادتی سے محفوظ کیا، اس سے ذلت ورسوائی کو دور کیا جس سے وہ برسہا برس سے دوچار تھی، اور اسے معاشرہ کی تعمیر اور اصلاح کا ایک اہم عنصر قرار دیا۔ مرد وعورت کے درمیان برابری ومساوات پر نصوص شرعیہ دلالت کرتے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا مقام دینی ومعاشرتی طور پر بہت بلند ہے۔

۳-اسلام میں عورت کے حقوق:

اسلام عورتوں کے حقوق کا ضامن ہے۔ اسلام نے معاشرہ میں عورتوں کی عزت وکرامت کی حفاظت کی ہے اور ان کے مقام کو بلند کیا ہے۔ جو معاشرہ عورت کے مقام کو بلند کرے گا وہ اتنا ہی بہتر، تمام برائیوں سے پاک اور ترقی یافتہ ہوگا، کیونکہ عورت معاشرہ کا ''نصف آخر'' ہے، جس کے بغیر معاشرہ کی تکمیل ہو ہی نہیں سکتی۔

اس کے بعد میں نے عورتوں کے ان حقوق کا جائزہ لیا ہے جن کی اسلام نے ضمانت دی ہے:

۱-عورت کے انسانی حقوق، یعنی وہ حقوق جو عورتوں کی شخصی آزادی اور جزاء وسزا میں مردوں کے مساوی ہونے سے متعلق ہیں۔

۲- ہجرت میں عورت کا حق: ہجرت کے سلسلہ میں اسلام نے مرد وعورت کو یکساں قرار دیا ہے، لہذا مردوں کے ساتھ خواتین نے بھی حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی، اسی طرح یثرب (مدینہ) کی جانب ہجرت کی تھی۔ علاوہ ازیں بیعت عقبہ ثانیہ میں خواتین نے بھی نبی کریم ﷺ سے بیعت کی تھی۔

۳- جہاد میں عورت کا حق۔

۴-عورت کے معاشرتی حقوق، مثلاً

الف-تعلیمی حقوق۔

ب-ازدواجی حقوق۔

۵-عورت کے مالیاتی حقوق،مثلاً:

الف-ملکیت کا حق۔

ب-میراث اور وصیت میں عورت کا حق

فصل دوم: مسلم خاتون کی سیاسی فقہ:

اس فصل میں مندرجہ ذیل ۶ مباحث ہیں:

۱-عمومی ملازمتوں سے متعلق عورت کا حق۔

۲-عورت اور امامت عظمی کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق اس کا حکم۔

۳-انتخابات میں ووٹ ڈالنے اور بطور امیدوار کھڑے ہونے سے متعلق عورت کا حق۔

۴-افتاء کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق عورت کا حق۔

۵-کسی وزارت کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق عورت کا حق۔

۶-قضاء کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق عورت کا حق۔

میں نے اس فصل کے آغاز میں ''سیاسی فقہ'' کے حدود متعین کرتے ہوئے اس کی دو تعریفیں بیان کی ہیں:

اول: امت کے داخلی وخارجی امور کو صحیح طرح سے اور مکمل طور پر سمجھنے، ان کے لئے تدبیر کرنے اور شریعت کے احکام وہدایات کی روشنی میں ان کی نگرانی کرنے کا نام سیاسی فقہ ہے۔

دوم: سیاسی فقہ شرعی احکام کے ایسے مجموعہ کا نام ہے جو مختلف سیاسی مسائل سے متعلق ہوتے ہیں مثلاً حکومت، ملک کا انتظام وانصرام، اور بیرونی روابط وغیرہ۔ یہ احکام فقہ اسلامی کے

مختلف مصادر سے مستنبط ہوتے ہیں، ساتھ ہی اس میں ان عرف وتقالید کی بھی رعایت کی جاتی ہے جو اسلامی ریاست میں رائج رہی ہیں اور جو اسلامی اصولوں سے متصادم نہیں ہیں۔

مبحث اول: عمومی ملازمتوں سے متعلق عورت کا حق:

فقہاء کے یہاں ''ولایت'' کے لغوی واصطلاحی معنی بیان کرنے کے بعد میں نے ''ولایت'' کے عمومی معنی بیان کئے ہیں۔ صالح الجبوری نے عمومی ولایت کی تعریف اس طرح کی ہے: ''عمومی ولایت قاضی، سلطان یا امام کو حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو اس شخص کی ولایت حاصل ہوتی ہے جس کے امور کا وہ ذمہ دار ہوتا ہے، یا تو اس سبب سے کہ امت نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی ہوتی ہے، یا پھر اس سبب سے کہ امت کی جانب سے ارباب حل وعقد نے اس کے ہاتھ بیعت کی ہوتی ہے.....''۔ میرا خیال ہے کہ مندرجہ بالا تعریف میں عمومی ولایت کے ساتھ ایسے اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے جو حکومت کی صدارت کی ذمہ داری سنبھال رہے ہیں یا قضاء کا عہدہ سنبھال رہے ہیں، یعنی اس تعریف میں صرف انتظامی وعدالتی اختیار کا ذکر ہے، تشریع وقانون سازی کے اختیار سے پہلو تہی کی گئی ہے، لہذا اس تعریف میں ولایت کی ہمہ گیر سیاسی تعریف نہیں کی گئی ہے۔

معلوم ہوا کہ مندرجہ بالا تعریف میں تشریع سے پہلو تہی کی گئی ہے۔ الأشباہ والنظائر کے مصنف نے ولایت کی تعریف اس طرح کی ہے: ''ولایت ایک شرعی وقانونی اختیار ہے۔ جسے ولایت حاصل ہوتی ہے اسے عقود ومعاہدات کے کرنے اور انہیں نافذ کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے''۔

اس مبحث میں، میں اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ قرآن وحدیث میں کوئی ایک بھی ایسی نص موجود نہیں ہے جو عورتوں کے لئے کسی بھی طرح کی عمومی ملازمتوں کو ممنوع قرار دیتی ہو (سوائے کسی ریاست کی صدارت کے)۔ ہاں مختلف پیشوں اور ملازمتوں کو اختیار کرنے کے لئے کچھ

اصول وضوابط ہیں جن کی پابندی ایک خاتون کے لئے لازمی ہے، مثلاً ملازمت ایسی نہ ہو جس کے نتیجہ میں اسے ستر کے کسی حصہ کو کھولنا پڑے، یا جنسی ہیجان انگیزی کا سبب بنے یا مردوں سے خلوت میں ملنا پڑے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ملازمت عورت کی فطرت وطبیعت سے مناسبت رکھتی ہو۔

مبحث دوم: عورت اور امامت عظمی کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق اس کا حکم:

امامت عظمی کا اطلاق کسی ریاست کی صدارت پر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالحمید متولی اپنی کتاب **مبادئ نظام الحکم فی الاسلام** میں تحریر فرماتے ہیں: ''عورتوں کے سیاسی حقوق کا مسئلہ نہ ہی دینی ہے، نہ ہی فقہی اور نہ ہی قانونی، یہ تو ایک سیاسی معاشرتی مسئلہ ہے۔ کوئی بھی شرعی حکم ایسا نہیں پایا جاتا جو عورت کو ان حقوق سے محروم کرتا ہو''۔ جہاں تک ایک عورت کی جانب سے امامت عظمی کا عہدہ (مثلاً کسی ریاست کی صدرات) سنبھالنے کا تعلق ہے تو فقہاء نے اسے ناجائز قرار دیا ہے، کیونکہ اس سے سنت کی مخالفت لازم آتی ہے۔ فقہاء کا خیال ہے کہ امامت عظمی کا عہدہ صرف مردوں کے لئے مخصوص ہے نہ کہ عورتوں کے لئے۔

لیکن عورت کے لئے امامت عظمی کا عہدہ ناجائز ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حاکم اس کی رائے سے استفادہ بھی نہیں کرسکتا اور نہ ہی اسے حکومت کے سیاسی وانتظامی امور میں اپنا مشیر بنا سکتا ہے۔

مبحث سوم: انتخابات میں ووٹ ڈالنے اور بطور امیدوار کھڑے ہونے سے متعلق عورت کا حق:

یہ اس کتاب کی سب سے طویل مبحث ہے، درحقیقت یہی مبحث پوری کتاب کا لب لباب اور خلاصہ ہے۔ اس کتاب کو لکھنے کا اصل مقصد یہی موضوع ہے، کیونکہ اس موضوع سے متعلق مختلف نقطہائے نظر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ اس کی حمایت وتائید کرتے

ہیں تو بہت سے اس کی مخالفت کرتے ہیں۔اس موضوع پر بحث ومباحثہ میں حدت وشدت روز بروز بڑھتی ہی جارہی ہے،خصوصاً حالیہ دنوں میں، جب سے کویت کی موجودہ حکومت (جس کے صدر محترم جناب صباح الاحمد الصباح ہیں، اور جو امیر مملکت بھی ہیں) نے خواتین کے سیاسی حقوق کے دفاع کا فیصلہ کیا ہے اور یہ طے کیا ہے کہ خواتین کو انتخابات میں ووٹ ڈالنے اور بطور امیدوار کھڑا ہونے کا حق دلائیں گے۔ دوسری طرف کچھ ایسے لوگ ہیں جو خواتین کو یہ حقوق دینے کی نہایت شدت کے ساتھ مخالفت کررہے ہیں،ان کا خیال ہے کہ یہ مسئلہ عمومی ولایت کے ضمن میں آتا ہے،اور عورت کے لئے ولایت شرعاً درست نہیں ہے۔

میں نے اس مبحث میں اس موضوع پر بہت تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ میں نے ان آراء کو بھی بیان کیا ہے جو پارلیمنٹ اور مجلس شوری میں عورت کو ووٹ دینے کی اجازت دیتی ہیں، ساتھ ہی ان آراء کو بھی نقل کیا ہے جو عورت کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی ہیں کہ وہ پارلیمنٹ کے کسی امیدوار کے حق میں ووٹ دے، میں نے دونوں ہی فریقوں کے دلائل قرآن وسنت سے پیش کئے ہیں، اس کے بعد میں نے اس موضوع سے متعلق معاصر علماء وفقہاء کے اقوال نقل کئے ہیں۔

اس طویل مبحث کے اختتام پر میں اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ شرعی قوانین وضوابط کی پابندی کرتے ہوئے ایک عورت پارلیمنٹ کے انتخابات میں ووٹ ڈال بھی سکتی ہے اور خود بطور امیدوار کھڑی بھی ہوسکتی ہے۔اس مسئلہ کے جواز کے قائلین نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ نہایت قوی اور مؤثر ہیں، جو لوگ اس مسئلہ کے جواز کے قائل نہیں ہیں ان کے دلائل اس مسئلہ کے جواز کے قائلین کے دلائل کے سامنے زیادہ مضبوط اور پختہ نہیں ہیں۔

مبحث چہارم: افتاء کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق عورت کا حق:

اسلام نے عورت کو فتوی جاری کرنے اور لوگوں کے استفتاء کا جواب دینے کا حق

عنایت کیا ہے۔ وہ فقہی مسائل میں اپنی رائے کا اظہار کرسکتی ہے۔ اس کے ذریعہ سے عورت کا مقام بلند ہوتا ہے۔

مبحث پنجم: کسی وزارت میں عہدہ سنبھالنے سے متعلق عورت کا حق:

کوئی بھی چیز عورت کے وزیر بننے سے مانع نہیں ہے، بشرطیکہ وہ کسی ایسی وزارت کی وزیر ہو جو اس کی فطرت اور طبیعت سے مناسبت رکھتی ہو اور اس کی وجہ سے شرعی احکام وضوابط سے تعارض نہ ہو رہا ہو، مثلاً وزارت برائے تعلیم اور وزارت برائے معاشرتی امور وغیرہ۔ کچھ وزارتیں اور ان سے متعلق کام تو ایسے ہیں جن سے ایک عورت ایک مرد سے زیادہ بہتر طریقہ سے واقف ہوتی ہے۔ کسی خاتون کو وزیر بنانے کا فیصلہ ملک کا حاکم وسربراہ ہی لے سکتا ہے، کیونکہ وہ بخوبی واقف ہوتا ہے کہ ملک کی مصلحت ومنفعت کس چیز میں ہے۔ جن وزارتوں کا تعلق داخلی وخارجی سیاست، پولیس کے امور اور عدالتی مسائل سے ہوتا ہے، ان کے لئے خواتین مناسب نہیں ہیں۔ کیونکہ ان وزارتوں میں مردوں کی دانشمندی ودوراندیشی اور انتھک محنت ومشقت کی ضرورت ہوتی ہے اور تمام امور ومعاملات کا معاینہ شخصی طور پر کرنا پڑتا ہے۔

مبحث ششم: قضاء کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق عورت کا حق:

اس مبحث میں، میں نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر ایک عورت قضاء کا عہدہ سنبھالتی ہے تو اس سلسلہ میں فقہی آراء کیا ہیں۔ میں نے اس سلسلہ میں مسلک حنفی، مالکی اور ظاہری کے فقہاء کی رائے اختیار کی ہے، جن کا کہنا ہے کہ عورت ان مسائل میں قضاء کی ذمہ داری ادا کرسکتی ہے جو صرف خواتین کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً احوال شخصیہ، نسب اور ولادت کے مسائل وغیرہ۔ البتہ وہ مسائل جو ضبط سے متعلق ہیں اور جن میں مردوں کی دوراندیشی اور قوت حافظہ کی ضرورت ہوتی ہے میرے خیال میں ایسے مسائل کو خواتین قضاۃ کے سامنے نہیں رکھنا چاہئے۔ کیونکہ یہ مسائل خواتین کی طبیعت وفطرت سے میل نہیں رکھتے۔

منہج:

اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے میں نے ایک نہایت ہی واضح منہج اختیار کیا ہے۔ سب سے پہلے میں کسی بھی مبحث میں آنے والی اصطلاح (مثلاً ولایت، امامت، افتاء، وزارت، قضاء، مہر، نفقہ، خلع وغیرہ) کی تعریف بیان کرتی ہوں، پھر نفس موضوع پر شرعی نقطہ نظر سے گفتگو کرتی ہوں اور متعلقہ موضوع پر قرآن وحدیث سے دلائل پیش کرتی ہوں۔

درحقیقت متعلقہ موضوع ایک مشکل اور پیچیدہ موضوع ہے، جس کے کچھ مؤید ہیں تو کچھ مخالف، اور ہر ایک کے پاس مستند شرعی دلائل ہیں۔ لہذا اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ضروری ہے کہ پوری وضاحت کے ساتھ اور واضح اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے گفتگو کی جائے تاکہ قاری مسلم خاتون سے متعلق سیاسی فقہ کے مقصود ومطلوب کو صحیح طور پر اور بآسانی سمجھ سکے، اور پھر اس موضوع سے متعلق آزادانہ طور پر اپنی ایک رائے قائم کر سکے۔

میں خداوند کریم سے دعا گو ہوں کہ وہ میرے اس کام کو شرف قبولیت بخشے اور اس سے مومنین کو فائدہ پہنچائے۔ میں نے اس کتاب کی تصنیف میں اپنی ساری کوششیں صرف کردی ہیں۔ جہاں کہیں میں نے صحیح باتیں کہی ہیں وہ محض توفیق الٰہی کا نتیجہ ہیں، ساری تعریفیں اسی کے لئے ہیں۔ اور جہاں کہیں کوتاہی ہوگئی ہے وہ خود میری ذاتی کمی کا نتیجہ ہیں۔

تمام حمد وشکر اللہ ہی کے لئے ہے، وہی بہترین کارساز ومددگار ہے، اور تمام امور کا مالک ہے.....۔

مؤلفہ

فصل اول

اسلام میں عورت کا مقام

مبحث اول: ظہور اسلام سے قبل عورت کی حالت

مبحث دوم: عورت اور قرآن وحدیث میں اس کا مقام

مبحث سوم: اسلام میں عورت کے حقوق

مبحث اول:

ظہور اسلام سے قبل عورت کی حالت

جو شخص بھی اسلام سے قبل عورت کی حالت کا مطالعہ کرتا ہے وہ حیران رہ جاتا ہے۔ سابقہ اقوام نے عورت کے مقام کو بہت گرا دیا تھا، اس کے حقوق غصب کر لئے تھے، حتی کہ عورت سے گلوخلاصی کی خاطر اسے زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، مردوں کے معاشرہ میں عورت محض ایک آلۂ تعیش بن کر رہ گئی تھی۔ ساتھ ہی ہمیں ایسی اقوام کی بھی خال خال مثالیں ملتی ہیں جن کی حکمراں عورت تھی مثلاً ملکہ بلقیس۔ ان تمام صورت حال کے پیش ہم ظہور اسلام سے قبل عورت کی حالت وکیفیت پر ایک روشنی ڈالنا چاہتے ہیں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ اسلام سے قبل عورت کی حالت کیا تھی اور اسلام آجانے کے بعد عورت کی حالت کیا ہوگئی۔

ابتدائی اقوام کے یہاں عورت:

جب کوئی لڑکی مراہقت کی عمر کو پہنچتی تو اسے سب سے علاحدہ کر دیا جاتا تھا، وہ اپنی ماں کے علاوہ کسی اور سے بات نہیں کر سکتی تھی، ماں سے بھی نہایت پست آواز میں بات کرتی تھی۔ اسی طرح جب کوئی لڑکا بلوغت کی عمر کو پہنچتا تو اسے کسی مقدس چشمہ میں غسل دیا جاتا تا کہ اس کے وجود سے انوثت کی ان خوشبوں کو دور کیا جا سکے جو ماں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اس میں سرایت کر گئی ہیں۔ بڑی عمر کے لوگ اس نوجوان پر مختلف دینی شعائر جاری کرتے، مثلاً سرخ ہندی قبائل اپنے نوجوان سے مطالبہ کرتے کہ وہ اپنی ماں کو ایک عرصہ کے لئے چھوڑ دے یا یہ مطالبہ کرتے کہ جب وہ گھر میں داخل ہو تو اس کی ماں دروازہ پر پیٹھ کے بل لیٹی ہو اور یہ نوجوان اس کے پیٹ پر (حمل کی جگہ پر) اپنا پیر رکھ کر اندر داخل ہو اور اس طرح سے ماں سے اپنی

علاحدگی ودوری کا اظہار کرے(۱)۔

قدیم مصریوں کے یہاں عورت:

مصری خاتون کو بہت عظیم مقام ملا ہوا تھا، مصریوں نے عورتوں کو الوہیت کا مقام ودرجہ دے رکھا تھا۔ یہی حال مردوں کا بھی تھا۔ قصۃ الحضارۃ میں مذکور ہے کہ ''مصر کے الہ ان ہی کے متفوق مرد اور متفوق خواتین ہوا کرتی تھیں۔ یہ شخصیات بہت ہی عظیم اور قوی تھیں۔ یہ تمام شخصیات بھی ہڈیوں، گوشت اور خون ہی کا مجموعہ تھیں۔ ان لوگوں کو بھی بھوک لگتی تھی اور وہ کھاتے تھے، انہیں بھی پیاس لگتی تھی اور وہ پانی پیتے تھے، ان کے اندر بھی احساسات موجود تھے، وہ شادی کرتے تھے، ان کے اندر ناپسندیدگی کا احساس وشعور بھی پایا جاتا تھا اور وہ قتل بھی کرتے تھے، وہ بھی بوڑھے ہوتے تھے اور موت سے دوچار ہوتے تھے''۔ اس تہذیب کے افراد کے یہاں یہ بات بھی معیوب نہیں تھی کہ ایک مرد اپنی ہی بہن سے شادی کرلے، قدیم مصری تاریخ کی ایک مشہور ترین کہانی ''ایزبس'' سے متعلق ہے، جو کہ بیک وقت ''اوزیر'' کی بہن بھی تھی اور بیوی بھی۔ مورخ دیوانت کے مطابق بعض وجوہ کی بناء پر ایزبس لوگوں کے درمیان اوزیر سے زیادہ مقبول اور محترم تھی، کیونکہ اس نے موت کو محبت سے شکست دی تھی، اس مسئلہ میں وہ دوسری عام خواتین کی طرح تھی۔

بدھ مت کے دور میں عورت:

بدھ مت کا دور حضرت عیسیٰؑ سے بھی پہلے کا ہے۔ مہاتما بدھ کی تعلیمات کو یکجا کیا گیا تاکہ انہیں ۲۴۱ ق م میں منعقد ہونے والی بدھ مت کی مجلس میں پیش کیا جاسکے، اس مجلس کے شرکاء نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اس دستاویز میں جن تعلیمات کو بھی یکجا کیا گیا ہے وہ درحقیقت

(۱) عبدالحمید محمد ابراہیم اور محمود عبدالمجید محمد، حقوق المرأۃ بین الإسلام والدیانات الأخری، پہلا ایڈیشن، کویت، دارالنشر الکویتیہ، ۱۴۰۶ھ، ۱۹۸۶ء، ص: ۱۳۔

مہاتما بدھ ہی کی تعلیمات ہیں، ان میں کسی طرح کی تحریف نہیں ہوئی ہے۔ اس دستاویز میں یہ کہا گیا ہے کہ مہاتما بدھ کسی خاتون کی موجودگی میں کسی بھی شخص کے تعلق سے مطمئن نہیں ہوتے تھے۔ انہوں نے بہت تردد کے بعد عورتوں کو بدھ مت میں شمولیت کی اجازت دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاتما بدھ کی تعلیمات بھی عورتوں کے خلاف تھیں، ان کے متبعین کی تعداد بھی بہت تھی (۲)۔

چینیوں کے یہاں عورت:

ماضی میں چین میں عورت نے کوئی بھی سعادت وخوش بختی دیکھی ہی نہیں۔ اس کی زندگی نہایت ہی حقیر تھی، جیسا کہ یونانیوں کے عہد میں عورت کی زندگی حقیر تھی۔ زمانۂ قدیم میں اعلی طبقہ کی ایک خاتون نے ایک تحریر لکھی جس میں اس وقت کی عورتوں کی حالت وکیفیت کو بیان کیا ہے، وہ تحریر کرتی ہیں: ''جنس بشری میں ہم عورتوں کا مقام سب سے نچلا اور آخری تھا، ہمارے نصیب صرف حقیر ترین کام ہی آتے تھے''۔

اس زمانہ کی عورت کا نغمہ یہ تھا: ''عورت کا مقام کس قدر گیا گزرا ہے، ساری دنیا میں کوئی بھی چیز عورت سے زیادہ کم قیمت نہیں ہے، مرد تو دروازوں سے ٹیک لگا کر کھڑے رہتے ہیں گویا وہ آسمان سے اترے ہوئے خدا ہوں۔ لڑکی کی پیدائش پر کوئی خوش نہیں ہوتا ہے، اور جب وہ بڑی ہوتی ہے تو اپنے کمرہ میں جا چھپتی ہے، وہ کسی بھی انسان کا سامنا کرنے سے ڈرتی ہے، جب وہ اپنے گھر سے غائب ہوجاتی ہے تو اس پر کوئی رونے والا نہیں ہوتا ہے'' (۳)۔

---

(۲) ول دیورانت، قصۃ الحضارۃ، ترجمہ: زکی نجیب محمود (۱/ ۵۵، ۵۶)، عرب لیگ، ادارہ برائے ثقافت، قاہرہ، ایڈیشن ۳، ۱۹۶۵ء۔ محمد عبد العلیم مرسی، الإسلام ومکانۃ المرأۃ، ایڈیشن ۱، ریاض، مکتبۃ العبیکان ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹۷ء، ص: ۲۵-۲۷۔

(۳) ول دیورانت، قصۃ الحضارۃ، حضارۃ الصین، ترجمہ: محمد بدران، ص: ۲۷۳۔

ہندوستان میں عورت:

قدیم ہندوستانی عورت کو ایک نجس مخلوق شمار کیا کرتے تھے، اگر کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہوجاتا تو اسے اس کے شوہر کے ساتھ ہی آگ میں زندہ جلا دیا جاتا تھا، بلکہ بعض قدیم ہندوستانی قبائل تو عورت کو اس کی نجاست کے سبب اس قابل بھی نہیں گردانتے تھے کہ اسے اس کے شوہر کے ساتھ جلا دیا جائے بلکہ وہ اسے زندہ دفن کر دیتے تھے یا شوہر کی موت کے بعد اسے علاحدہ سے جلا دیتے تھے۔ اگر کسی کی ایک سے زائد بیویاں ہوتیں تو ان سب کو شوہر کی موت کے بعد دفن کر دیا جاتا یا جلا دیا جاتا تھا۔

شوہر کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ جب اور جیسے چاہے اپنی بیوی کو طلاق دے دے، لیکن بیوی کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ کسی بھی صورت میں اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کر سکے، خواہ شوہر کسی بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس قابل ہی نہ رہا ہو کہ وہ ازدواجی زندگی کے حقوق ادا کر سکے۔ ہندوستان کی مختلف حکومتوں نے جب جب اس قسم کے بیکار اور بوسیدہ رسوم ورواج کو ختم کرنے کے لئے کوئی اقدام کیا انہیں معاشرہ کی جانب سے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

مانو شریعت وقانون کے مطابق قدیم ہندوستان میں اگر کوئی عورت بانجھ ہوتی تو وہ خود کو اپنی بہن کے شوہر کے حوالہ کر دیتی تا کہ وہ اس سے مباشرت کرے۔ قدیم ہندوستان میں عورت کو کسی طرح کے مستقل حقوق حاصل نہیں تھے، وہ حقوق میں اپنے والد اور شوہر پر منحصر تھی۔ اگر والد یا شوہر نہ ہوتے تو اسے کسی قریب ترین عزیز کے ساتھ کر دیا جاتا۔ کسی بھی مسئلہ میں عورت کی اپنی کوئی مستقل حیثیت نہیں تھی۔

مانو قانون میں عورت کے تعلق سے یہ باتیں موجود ہیں کہ ''جب عورت کو پیدا کیا گیا تو اس وقت اس کی فطرت میں بستر کی محبت، زیب وزینت، گندی شہوات وخواہشات، غیض وغضب، شرافت وکرامت اور حسن اخلاق سے دوری جیسی صفات کو ڈال دیا گیا۔ درحقیقت

عورت سراپا گندگی ہی ہے، یہ ایک ثابت شدہ قاعدہ کلیہ ہے''(۴)۔

قدیم ہندوستانی معاشرہ کے مانو قانون کے مطابق ''ایک وفا شعار بیوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اس طرح خدمت کرے گویا کہ وہ خدا ہو۔کوئی بھی ایسا کام نہ کرے جس سے اس کے شوہر کو تکلیف پہنچتی ہو، اگر چہ اس کے شوہر کے اندر کسی بھی طرح کی خوبیاں اور اچھے اخلاق نہ پائے جاتے ہوں''۔

قدیم ہندوستانی معاشرہ میں ایک بیوی اپنے شوہر کو ''اے میرے سردار'' اور ''اے میرے خدا'' کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔وہ ہمیشہ اس کے پیچھے کچھ دوری پر چلتی تھی، بلکہ کھانا بھی وہ کھاتی جو اس کے شوہر کے کھانے کے بعد بچ رہتا''(۵)۔

یونانیوں کے یہاں عورت:

قدیم یونان میں عورت کو معاشرہ سے الگ تھلگ کر کے گھر میں قید کر دیا گیا تھا، گویا کہ وہ کوئی گرا پڑا سامان ہو۔یونان کے عہد زریں میں تہذیب کی تعمیر میں عورت کا کوئی کردار نہیں تھا، بلکہ یونان کے بعض مفکرین و مورخین کا خیال تھا کہ ''عورت کے نام کو بھی گھر میں اسی طرح مقید کر دینا چاہئے جس طرح اس کے جسم کو گھر میں مقید کر کے رکھا جاتا ہے''۔

عورت کا کام اور مقام صرف بچے پیدا کرنے اور گھر کی ایک خادمہ سے زیادہ نہیں تھا۔

''عورت نے کبھی بھی اپنے شوہر کی جانب سے محبت و پیار کے لمس کو محسوس نہیں کیا۔ اسے محبت سے لبریز اور پیار بھرے احساسات کا حق حاصل نہیں تھا،مشہور یونانی خطیب ڈیموستین یونانی خاتون کی زندگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتا ہے:''ہم طوائف کے پاس جاتے ہیں تا کہ لذت

---

(۴) ول دیورانت، تاریخ العالم، وزارۃ المعارف، مصر، ص: ۳۹۴۔

(۵) ول دیورانت، حضارۃ الہند، ترجمہ: زکی نجیب محمود، ص: ۱۷۹۔عبد الحمید محمد ابراہیم ومحمود عبد الحمید محمد، حقوق المرأۃ بین الإسلام والدیانات الأخری، ص: ۱۳، ۱۴۔

حاصل کرسکیں، نوجوان لڑکیوں سے دوستیاں کرتے ہیں تاکہ اپنی جسم کی صحت کا خیال رکھ سکیں او رشادیاں کرتے ہیں تاکہ ہماری بیویاں ہمارے لئے جائز اولادیں پیدا کریں''۔

اس طرح عورت ایک گھر سے دوسرے گھر بحیثیت بیوی منتقل ہوتی تاکہ دوسرے گھر کی خادماؤں کی فہرست میں اضافہ ہوسکے۔ عورت کا کام صرف بچے پیدا کرنا اور بچوں کی پرورش وپرداخت کرنا تھا۔

رومیوں کے یہاں عورت:

جمہوریت کے دور اول میں موجود رومن تہذیب میں خاندان کا مرد سربراہ (Pater Familias) ہی خاندان کا دینی سربراہ، سیاسی حاکم اور اقتصادی امور کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ خاندان سے متعلق تمام حقوق اسے ہی حاصل ہوتے تھے، وہی تمام ترچیزوں کا مالک ہوتا تھا، وہی خرید وفروخت کرتا تھا، وہی معاہدات کرتا اور وہی خاندان کے تمام معاملات میں ہر طرح کے تصرف کرتا تھا۔

مرد سربراہ کے بالمقابل ایک عورت کو کسی بھی طرح کے اختیارات حاصل نہ ہوتے تھے، کیونکہ اس کی شخصیت قانونی طور پر اس کے لئے اہل ہی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ رومیوں کا قانون اہلیت کے ختم ہونے کے لئے ''انوشت' کو اسی طرح سے ایک سبب قرار دیتا جس طرح اہلیت کے ختم ہونے کے لئے ''کم سنی'' اور ''جنون'' کو سبب قرار دیتا تھا۔

اسی طرح جہیز کا جو سامان اور مال ودولت لے کر ایک عورت اپنے شوہر کے گھر پہنچتی وہ سارا سامان اور مال ودولت اس کے شوہر کی ملکیت قرار دے دیا جاتا (٦)۔ عورت کو یہ حق

---

(٦) دیکھئے: محمد عبدالمنعم بدر ودیگر، مبادئ القانون الرومانی، مطبعۃ جامعۃ فؤادالأول، ١٩٤٩ء، ص: ١٩٧، ٢٤١۔ ابراہیم رزق اللہ ایوب، التاریخ الرومانی، الشرکۃ العالمیۃ للکتاب، لبنان ١٩٩٦ء، ص: ٨٨ و٨٩۔ صاحب عبید الفتاوی، تاریخ القانون، مکتبۃ دار الثقافۃ للنشر والتوزیع، عمان، ١٩٩٨ء، ص: ١٤٩ و١٥٠۔ عبدالسلام الترمانینی، الوسیط فی تاریخ القانون والنظم القانونیۃ، مطبعۃ ذات السلاسل، کویت، ایڈیشن ٣، ١٤٠٢ھ، ١٩٨٢ء، ص: ٣٣١، ٣٣٢۔

حاصل نہیں تھا کہ وہ عدالت میں بطور گواہ بھی حاضر ہو سکے۔

روم میں شادی کی ایک شکل بہت مشہور تھی جسے ''بالادستی وسیادت کی شادی'' کہا جاتا تھا، اس کے مطابق عورت اپنے شوہر کی سیادت میں داخل ہوجاتی اور وہ اس کی بیٹی کے حکم میں داخل ہوجاتی، اوراس طرح اس کا اپنے خاندان سے رشتہ مکمل طور پر ختم ہوجاتا۔

شوہر کی سیادت وبالادستی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ اگر کبھی عورت سے کوئی جرم سرزد ہوجاتا تو اس جرم کے سلسلہ میں فیصلہ کرنے اور سزا سنانے کا حق شوہر کو دیا جاتا۔ بعض جرموں (مثلاً خیانت) کے سلسلہ میں شوہر کو اختیار حاصل تھا کہ وہ اپنی بیوی کو پھانسی کی سزا دے دے۔ اگر شوہر کا انتقال ہوجاتا تو بیوی کو شوہر کے لڑکوں یا اس کے بھائیوں یا چچاؤں کے حوالہ کر دیا جاتا (۷)۔

اسلام سے قبل عربوں کے یہاں عورت:

اسلام کی روشنی پھیلنے سے قبل عالم عرب کی حالت بیان کرتے ہوئے قرآن فرماتا ہے: ''**هو الذى بعث فى الأميين رسولاً منهم يتلو عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وإن كانوا من قبل لفى ضلال مبين**'' (۸)، (وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا، جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے، اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالاں کہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے''۔

لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا واقعہ:

عہد جاہلیت میں عربوں کے یہاں عورت کو اس کا حقیقی اور صحیح مقام نہیں مل سکا۔

(۷) محمد بدر ودیگر، مبادئ القانون الرومانی، ص: ۲۳۱، ۲۶۵۔

(۸) الجمعہ: ۲۔

معاشرہ میں اس کا کوئی مقام نہیں تھا، حالانکہ اسی معاشرہ کے شعراء اپنی غزلوں میں عورتوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ عورتوں کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے مبارزت کرتے تھے، ان کے درمیان عورت کی خاطر باہم دشمنیاں بھی ہوجایا کرتی تھیں۔

اس معاشرہ میں عجیب سا تضاد پایا جاتا تھا۔ اس دور کی عورت کی صورتحال کو بیان کرتے ہوئے قرآن فرماتا ہے: ''**وإذا بشر أحدهم بالأنثى ظل وجهه مسودا وهو كظيم، يتوارى من القوم من سوء ما بشر به أيمسكه على هون أم يدسه فى التراب ألا ساء ما يحكمون**''(۹)، (جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کے چہرہ پر کلوٹس چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے، لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بری خبر کے بعد کیا کسی کو منھ دکھائے، سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لئے رہے یا مٹی میں دبادے؟ دیکھو کیسے برے حکم ہیں جو یہ خدا کے بارے میں لگاتے ہیں)۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے واقعہ سے متعلق اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں: ''**وإذا الموء ودة سئلت بأى ذنب قتلت**''(۱۰) (اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی)۔ سورہ انعام میں اللہ کا ارشاد ہے: ''**قد خسر الذين قتلوا أولادهم سفهاً بغير علم وحرموا ما رزقهم الله افتراء على الله قد ضلوا وما كانوا مهتدين**''(۱۱) (یقیناً خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو جہالت ونادانی کی بناء پر قتل کیا اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو اللہ پر افتراء پردازی کر کے حرام ٹھہرالیا، یقیناً وہ بھٹک گئے اور ہرگز وہ راہ راست پانے والوں میں سے نہ تھے)۔

امام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''اللہ تعالی نے عربوں کے خسارے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اور انہوں

(۹) النحل:۵۸-۵۹۔

(۱۰) التکویر:۸،۹۔

(۱۱) الانعام:۱۴۰۔

نے خود سے ہی اپنے اوپر بحیرہ (وہ اونٹنی جو پانچ دفعہ بچے جن چکی ہو اور آخری بار اس کے ہاں نر بچہ ہوا ہو) کو حرام قرار دے رکھا تھا۔ ان عربوں نے اپنی اولاد کو جہالت و نادانی کی بناء پر اس خوف کی وجہ سے قتل کر دیا کہ کہیں وہ ان کی وجہ سے افلاس و غربت سے دوچار نہ ہو جائیں۔ حالانکہ وہ اپنے مال میں کسی طرح کا کوئی تصرف نہیں کرتے تھے اور نہ ہی انہیں اس کی وجہ سے کسی طرح کے افلاس کا اندیشہ تھا۔ اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالی نے ان کی رائے میں پائے جانے والے تضاد کو بیان کیا ہے'' (۱۲)۔

عہد جاہلیت میں عورت کی ذلت و توہین صرف انہیں زندہ درگور کر دینے کے واقعات تک ہی محدود نہیں تھی، بلکہ ذلت و رسوائی اور ظلم و ستم کی بہت سی دیگر شکلوں سے بھی اس دور کی عورت دوچار تھی۔ اس دور میں ''استبضاع'' (۱۳)، ''بغایا'' (۱۴) اور ''شغار'' (۱۵) کے نام

---

(۱۲) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، دار الحدیث، قاہرہ، ایڈیشن ۲، ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۶ء، (۷/ ۹۷، ۹۸)۔ صلاح عبد الغنی محمد، الحقوق العامۃ للمرأۃ، الدار العربیۃ للکتاب، نصر سٹی، ایڈیشن اول، شوال ۱۴۱۸ھ، فروری ۱۹۹۸ء، (۱/ ۵۱، ۵۶)۔ حقوق المرأۃ بین الاسلام والدیانات الأخری، محمود عبد الحمید محمد، مکتبۃ مدیولی، قاہرہ، ایڈیشن اول، ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۹ و ۲۳۔

(۱۳) استبضاع عہد جاہلیت میں نکاح کی ایک شکل تھی، یہ لفظ ''البضع'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی جماع کے ہیں، نکاح کی اس شکل میں ایک عورت کسی مرد سے جماع کرنے کا مطالبہ کرتی تا کہ وہ بچہ جن سکے۔ اس شکل میں کوئی مرد اپنی باندی یا بیوی سے کہتا کہ فلاں کے پاس جا کر اس سے جماع کرو، اس کے بعد اس کا شوہر اس سے اس وقت تک قریب نہیں آتا جب تک کہ دوسرے مرد سے اس کا حمل ظاہر نہ ہو جائے۔ مرد یہ سب کچھ اس لئے کرتا تھا تا کہ اسے شریف الاصل اولاد نصیب ہو جائے۔ ابن منظور، لسان العرب، (۱/ ۴۲۶)۔

(۱۴) بغایا: وہ باندیاں جو طوائف کے طور پر کام کرتی تھیں۔ بغاء کے معنی فسق و فجور کے ہیں۔ ابن منظور، لسان العرب (۱/ ۴۵۶، ۴۵۷)۔

(۱۵) شغار کی جس شکل کو ممنوع قرار دیا گیا ہے وہ ہے جس میں ایک مرد دوسرے مرد سے اپنی ہی بیوی کی شادی کر دیتا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ دوسرا مرد پہلے مرد سے اپنی بیوی کی شادی کر دے گا، اور ہر

سے شادی کی مختلف شکلیں پائی جاتی تھیں۔ اسلام نے شادی کی ان تمام شکلوں کو غلط قرار دیا اور اس طرح کی شادیوں پر روک لگائی۔

عہد جاہلیت میں جب کسی عرب مرد کا انتقال ہوتا تو اس کا سب سے بڑا بیٹا اس کی بیوی پر ایک کپڑا ڈال دیتا، اور اس طرح وہ اس کے بڑے بیٹے کی ملکیت ہو جاتی، اس سلسلہ میں عورت سے کسی بھی طرح کی اجازت کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی تھی۔

عہد جاہلیت میں عربوں کا خیال تھا کہ وارث تو صرف وہی شخص ہوسکتا ہے جس نے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوکر جنگ کی ہو، تیر وتفنگ کا استعمال کیا ہو، تلوار چلائی ہو اور مال غنیمت حاصل کیا ہو۔

شادی شدہ عورت کو مہر پر کوئی حق حاصل نہیں تھا، بلکہ اس عورت کا والد مکمل مہر اپنے پاس رکھ لیتا تھا، اس کا ذرا سا حصہ بھی عورت کو نہ ملتا تھا۔ شوہر کو اجازت تھی کہ وہ جتنی چاہے شادی کرلے۔ اگر شوہر اپنی کسی بیوی کو طلاق دے دیتا تو اسے اختیار تھا کہ وہ جب اور جیسے چاہے اس سے مراجعت کرلے، اس سلسلہ میں عورت سے کسی طرح کی اجازت لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے امور تھے جس نے عورت کی زندگی کو نہایت ہی تکلیف دہ اور مشکل بنا دیا تھا، بلکہ بسا اوقات انہیں زندہ درگور کر دینا اس ذلت بھری زندگی سے بہتر محسوس ہوتا تھا(۱۶)۔

ایک عورت کا مہر دوسری عورت کا ''بضع'' (جماع) ہوگا، گویا کہ دونوں مردوں نے مہر ختم کر کے اس کی جگہ پر ''بضع'' کو ہی قائم مقام قرار دے دیا ہے۔ ابن منظور، لسان العرب (۷/ ۱۴۴)۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے شغار سے منع فرمایا ہے''۔ البخاری، کتاب النکاح، باب الشغار، ص: ۴۴۲، حدیث: ۵۱۱۲۔

(۱۶) دیکھئے: مصطفیٰ اسماعیل بغدادی، حقوق المرأۃ المسلمۃ فی المجتمع المسلم، المنظمۃ الاسلامیۃ للتربیۃ والعلوم والثقافۃ (ایسیسکو)، مراکش، ایڈیشن اول، ص: ۲۷، ۳۲۔ سعاد ابراہیم صالح، احکام عبادات المرأۃ فی الشریعۃ الإسلامیۃ دراسۃ فقہیۃ مقارنۃ، ایڈیشن چہارم، ۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۰ء، ص: ۲۲، ۲۴۔

مبحث دوم:

عورت اور قرآن وحدیث میں اس کا مقام

مبحث اول میں ہم نے دیکھا کہ ظہور اسلام سے قبل عورت کس طرح ظلم وتشدد کا شکار تھی۔ اللہ تعالی نے عورتوں پر ہونے والے ظلم کے خاتمہ کے لئے مذہب اسلام کو اس روئے زمین پر بھیجا، اسلام کی روشنی پھیلتے ہی عورتوں کو ان کا صحیح مقام ومرتبہ مل گیا۔ اسلام نے عورت کے کامل انسان ہونے کا اعتراف کیا اور اس سے ان تمام ظلم وزیادتی کو دور کیا جن سے وہ گزشتہ زمانوں میں دوچار تھی۔ اسلام نے عورت کے لئے ان تمام حقوق کی ضمانت دی جو دیگر شریعتوں میں نہیں پائے جاتے تھے، اسلام نے عورت کی اقتصادی ومعاشی اہلیت کو تسلیم کیا، اسے مرد کے مساوی قرار دیا، اسی طرح اس کی معاشرتی اہلیت اور عبادت وتکالیف شرعیہ کی اہلیت کو تسلیم کیا، اور معاشرہ کی اصلاح میں اس کے کردار کو اہم قرار دیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلاة ويؤتون الزكاة ويطيعون الله ورسوله" (۱۷) (مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں)۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی عورت کو مرد کے مساوی قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے:

"وما خلق الذكر والأنثى، إن سعيكم لشتى، فأما من أعطى واتقى وصدق بالحسنى، فسنيسره لليسرى، وأما من بخل واستغنى وكذب بالحسنى

---

(۱۷) التوبہ:۷۱۔

فسنیسرہ للعسری" (۱۸) (اور (قسم ہے) اس ذات کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا، درحقیقت تم لوگوں کی کوششیں مختلف قسم کی ہیں، تو جس نے (راہِ خدا میں) مال دیا اور (خدا کی نافرمانی سے) پرہیز کیا، اور بھلائی کو سچ مانا، اس کو ہم آسان راستے کے لئے سہولت دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور (اپنے خدا سے) بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا، اس کو ہم سخت راستے کے لئے سہولت دیں گے)۔

عورت کے تعلق سے اسلام کی تعلیمات:

عورت کے تعلق سے اسلام کے بنیادی اصول کا خلاصہ مندرجہ ذیل تین بنیادی تعلیمات کی شکل میں بیان کیا جاسکتا ہے:

پہلی تعلیم: انسانی نسب کی اخوت:

عورت مرد کی بہن ہے، کیونکہ دونوں ہی کی نسبت ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی طرف ہوتی ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**یا أیها الناس إنا خلقناکم من ذکر وأنثی وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا إن أکرمکم عند الله أتقاکم إن الله علیم خبیر**" (۱۹) (لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے)۔

مندرجہ بالا آیت میں موجود لفظ "**الناس**" میں مرد وعورت دونوں ہی شامل ہیں، مرد وعورت میں سے ہر ایک دوسرے کا جزء اور سگا ہے، اس بات کی تائید نبی کریم ﷺ کی اس

---

(۱۸) اللیل: ۳-۱۰۔

(۱۹) الحجرات: ۱۳۔

حدیث سے ہوتی ہے کہ ''**إنما النساء شقائق الرجال**''(۲۰)۔

یہ بات فطری ہے کہ نسب کی اخوت کا تقاضا مساوات ہے، کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ دو سگے لوگوں میں سے کسی ایک کو دوسرے کے مقابلہ میں ابوت کی جانب نسبت میں زیادہ حصہ حاصل ہو۔

قرآن کریم میں بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں ''انسان'' کو یا ''لوگوں'' کو یا ''بنی آدمؑ'' کو مخاطب کیا گیا ہے۔ سورہ احزاب میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''**إنا عرضنا الأمانة على السموات والأرض والجبال فأبين أن يحملنها وأشفقن منها وحملها الإنسان إنه كان ظلوماً جهولاً**'' (۲۱) (ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اٹھالیا، بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے)۔ کیا اس آیت کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ اس امانت کو صرف مردوں نے اٹھایا؟ عورتوں نے نہیں اٹھایا؟ یا اس امانت کو اٹھانے کے سلسلہ میں مرد وعورت دونوں ہی مساوی ہیں؟ سورۃ العصر میں اللہ کا ارشاد ہے:''**والعصر إن الإنسان لفي خسر**'' (۲۲) (زمانے کی قسم، انسان درحقیقت خسارے میں ہے)۔ اس آیت کا خطاب مرد وعورت دونوں ہی سے یکساں طور پر ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بے شمار آیات ایسی ہیں جن سے اس معنی ومفہوم کو تقویت ملتی ہے۔

دوسری تعلیم: انسانیت میں مرد وعورت کے درمیان مساوات:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''**يا أيها الناس اتقوا ربكم الذي خلقكم من نفس**

---

(۲۰) ترمذی، کتاب الطہارۃ، باب ما جاء فیمن یستیقظ ویری بللاً، ص: ۱۶۴۳، حدیث ۱۱۳، یہ حضرت عائشہؓ سے مروی طویل حدیث ہے۔ ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، باب فی الرجل یجد البلۃ فی منامہ، ص: ۱۲۳۹، حدیث ۲۳۶، حضرت عائشہؓ سے مروی۔

(۲۱) الاحزاب: ۷۲۔

(۲۲) العصر: ۱-۲۔

واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالاً كثيراً ونساءً واتقوا الله الذى تساء لون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيباً'' (۲۳) (لوگو، اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد وعورت دنیا میں پھیلا دیئے، اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتہ وقرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے)۔

اس آیت میں محل استشہاد تین جملے ہیں:

اول: پہلا محل استشہاد ''**یا أیها الناس اتقوا ربکم**'' ہے۔ اس میں تمام لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورت۔ یہ آیت سورہ حجرات والی آیت سے مختلف ہے، یہاں مرد وعورت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے رب سے ڈریں، جبکہ سورہ حجرات میں لوگوں کو یہ خبر دی گئی ہے کہ انہیں ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا گیا ہے، ساتھ ہی یہ بتایا گیا کہ اللہ کا تقوی روحانی خصوصیات سے متعلق ہے، تقوی کا تعلق لوگوں کے درمیان پائے جانے والے نسبی روابط سے نہیں ہے۔ لہذا جب ''لوگوں'' کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ وہ اپنے رب سے ڈریں تو یہ نداء اور خطاب تمام لوگوں سے انسان ہونے کی حیثیت سے کیا گیا ہے، اور یہی خصوصیت لوگوں کو کائنات کے مختلف انواع کے درمیان ایک مستقل نوع قرار دیتی ہے۔ اور چونکہ لفظ ''الناس'' (لوگوں) کے مفہوم میں مرد کے ساتھ عورت بھی شامل ہے اس لئے تقوی سے متعلق ''تکالیف شرعیہ'' کی وہ بھی مخاطب ہے، یعنی اس آیت میں عورت سے خطاب ''انسان'' ہونے کی بنیاد پر کیا گیا ہے، ایک عورت بھی اسی طرح انسان ہے، جس طرح ایک مرد انسان ہے۔

دوم: دوسرا محل استشہاد ''**خلقکم من نفس واحدة**'' ہے۔ آیت کے اس حصہ میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ روحانی نسبت حسی نسب کی اخوت سے کہیں زیادہ واضح اور یقینی ہے، کیونکہ

---

(۲۳) النساء: ۱۔

حسی نسب میں کم ازکم دونفس کی ضرورت پڑتی ہے، اس میں صرف ایک نفس پر اکتفا نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ لفظ ''نفس'' کے لغوی معنی ''روح'' کے ہیں، یہ لفظ لغت میں کسی انسان کی معنوی صفات پر دلالت کرتا ہے، اس لفظ کی دلالت کسی انسان کی صرف ظاہری صفات تک ہی محدود نہیں ہے۔

سوم: تیسرا محل استشہاد ''**وخلق منها زوجها**'' ہے۔ آیت کا یہ حصہ انسانیت کی وحدت کے مفہوم کو مزید تقویت بخشتا ہے، اس سے پہلے بیان کئے گئے آیت کے جزء میں تمام لوگوں کو ایک ہی نفس یعنی حضرت آدم علیہ السلام کا حصہ بیان کیا گیا تھا۔

آیت کے اس جزء (وخلق منہاز وجہا) میں بیوی (یعنی حضرت حواءؑ جو تمام انسانوں کی ماں ہیں) کی نسبت بھی اسی روحانی سرچشمہ اور نفس کی طرف کی گئی ہے جس کی طرف ان کے بچوں کو منسوب کیا گیا ہے۔

اس طرح تمام بچے اور ان کی ماں سب ہی اس انسانی تقویم کا حصہ ہیں جو اس ''نفس واحدۃ'' کے خصائص سے ماخوذ ہے۔

سورہ اعراف میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**وهو الذى خلقكم من نفس واحدة وجعل منها زوجها ليسكن إليها**'' (۲۴) (وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی کے جنس سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ اس کے پاس سکون حاصل کرے)۔ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ مرد وعورت ایک دوسرے کے جوڑے ہیں، ایک کے ذریعہ دوسرے کی تکمیل ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کے نقطہ نظر سے دونوں ایک ہی مقام پر ہیں، فرق صرف اس قدر ہے کہ دونوں کے تناسلی کام مختلف ہیں (۲۵)۔

---

(۲۴) اعراف:۱۸۹۔

(۲۵) سعاد ابراہیم صالح، احکام عبادات المرأۃ فی الشریعۃ الإسلامیۃ: دراسۃ فقہیۃ مقارنۃ، ص: ۲۵، ۲۹۔ سعاد ابراہیم صالح، حقوق المرأۃ فی الإسلام، وزارت اوقاف، مصر، ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹۸ء، ص: ۲۶، ۳۳۔

تیسری تعلیم: تکالیف شرعیہ میں مرد وعورت کے درمیان مساوات:

اسلام نے عورت کو'' تکالیف شرعیہ'' کا مکلّف اسی طرح بنایا ہے جس طرح مرد کو ان کا مکلّف بنایا ہے، لہذا عورت کے اوپر بھی اسلام کے پانچوں ارکان فرض ہیں، یعنی اللہ پر ایمان لانا، اس کی وحدانیت کا اقرار کرنا اور اس کی ربوبیت کا اعتراف کرنا، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، رمضان میں روزے رکھنا اور صاحب حیثیت ہونے پر حج کے لئے جانا۔

قرآن وحدیث پر ایک نظر ڈالتے ہی اس مسئلہ کے حق میں بہت سارے دلائل مل جاتے ہیں، ان سب کا یہاں پر ذکر کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہاں پر ہم چند آیات بطور مثال پیش کرتے ہیں، سورہ نحل میں اللہ تعالی فرماتا ہے: ''**من عمل صالحاً من ذكر أو أنثى وهو مؤمن فلنحيينه حياة طيبة ولنجزينهم أجرهم بأحسن ما كانوا يعملون**'' (۲۶) (جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے)۔ ایک دوسری جگہ پر اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**فاستجاب لهم ربهم أني لا أضيع عمل عامل منكم من ذكر أو أنثى بعضكم من بعض**'' (۲۷) (جواب میں ان کے رب نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں، خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو)۔

مذکورہ بالا آیات مرد وعورت دونوں ہی کے لئے یکساں ہیں، اللہ تعالی اپنے عدل وانصاف سے ہر اس شخص کی دعا قبول کرتا ہے جو اس سے دعا کرتا ہے، اللہ تعالی کسی بھی اچھے عمل کرنے والے شخص کے اجر کو ضائع نہیں کرتا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، لہذا '' تکالیف شرعیہ'' میں مرد وعورت کے درمیان کسی طرح کی تفریق نہیں کی گئی ہے، الا یہ کہ کبھی کسی طرح کی ضرورت پیش

(۲۶) النحل:۹۷۔

(۲۷) آل عمران:۱۹۵۔

آ گئی ہو، مثلاً حائضہ سے نماز کا ساقط ہونا، دودھ پلانے والی ماں کو اس کی اجازت ہونا کہ وہ رمضان کے روزہ نہ رکھ کر بعد میں قضاء کرلے۔ یہ اور اس طرح کی دیگر رخصتیں ایسی ہیں جو اسلام نے عورتوں کو ان کی تکوینی فطرت کو پیش نظر رکھ کر دیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالی نے مردوں کی طبیعت وفطرت کو سامنے رکھتے ہوئے چند چیزوں کا مکلّف صرف انہیں ہی بنایا ہے، مثلاً عورت پر قوامیت، ان کے نان ونفقہ کی ذمہ داری وغیرہ (۲۸)۔

اسلام اور عورت کا احترام:

جن قرآنی نصوص اور احادیث نبویہ میں عورت کے مقام ومرتبہ کو بیان کیا گیا ہے وہ ایک مومن کی نظروں کے سامنے ہمیشہ رہتے ہیں۔ اللہ تعالی نے اپنے نبی کی جانب وحی کی، اور نبی ﷺ نے اپنی امت کے سامنے وہ باتیں بیان کیں اور ان کے ذریعہ لوگوں کی مصیبتوں اور مشکلات کو دور کیا۔ ذیل میں چند ایسی احادیث بیان کی جارہی ہیں جن میں عورت کے مقام ومرتبہ کو بیان کیا گیا ہے:

۱- حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش وپرداخت کرے یہاں تک کہ وہ سن بلوغت کو پہنچ جائیں، تو قیامت کے دن وہ شخص اور میں اس طرح ہوں گے، (یہ کہہ کر) آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں ملالیں'' (۲۹)۔

---

(۲۸) دیکھئے: عماد عمارۃ، حرکۃ تحریر المرأۃ فی میزان الإسلام، دار القبلتین، ریاض، ص: ۱۵۷ و ۱۶۲۔ دیکھئے: محمد طعمہ سلیمان القضاۃ، الولایۃ العامۃ للمرأۃ فی الفقہ الإسلامی، اشراف: مصطفی الزرقاء، دار النفائس، اردن، ایڈیشن اول، ۱۴۱۸ھ، ۱۹۸۹ء، ص: ۵۷ و ۵۸، محمد طعمہ نے تکالیف شرعیہ اور عبادات میں مرد وعورت کے درمیان فرق کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(۲۹) مسلم، کتاب البر، باب فضل الإحسان إلی البنات، ص: ۱۱۳۶، حدیث: ۶۶۹۵، حضرت انس بن مالکؓ سے مروی۔ ترمذی، کتاب البر، باب ما جاء فی النفقۃ علی البنات والأخوات، ص: ۱۸۴۵، حدیث: ۱۹۱۳۔

۲-ام المومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص بھی ان لڑکیوں کے سلسلہ میں کسی بھی طرح کی آزمائش میں مبتلا کیا جائے، پھر وہ ان کے ساتھ بہت اچھا معاملہ کرے تو وہ لڑکیاں جہنم کی آگ سے اسے محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہوں گی'' (۳۰)۔

۳-حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس کی تین بیٹیاں یا بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں یا بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اور ان کے سلسلہ میں اللہ کے خوف کو پیش نظر رکھے تو وہ جنت میں جائے گا'' (۳۱)۔

مذکورہ بالا احادیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ والدین کو لڑکیوں کی پیدائش پر خوش ہونا چاہئے۔ لڑکیوں کی اچھی تربیت کا اللہ کے یہاں بڑا اجر وثواب ملتا ہے۔ یہ بات بالکل درست ہے۔ کیونکہ اگر ایک لڑکی کی اچھی تربیت کی جائے اور اس کی تعلیم وتربیت پر خاص دھیان رکھا جائے تو وہ ایک صالح معاشرہ کو جنم دینے کا سبب بنتی ہے۔ اگر عورت صحیح ہوتی ہے تو پوری امت صحیح ہو جاتی ہے۔

اسلام نے عورت کو صرف بچپن میں ہی عزت وتکریم سے نہیں نوازا ہے، بلکہ اسے ساری عمر بھر عزت واحترام کا مقام عطا کیا ہے۔ اللہ تعالی نے ماں کی شکل میں عورت کی عزت واحترام اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم صادر کرتے ہوئے اس کی اطاعت کو اپنی اطاعت

---

(۳۰) مسلم، کتاب البر، باب فضل الإحسان إلی البنات، ص: ۱۱۳۶، حدیث: ۶۶۹۳، حضرت عائشہؓ سے مروی۔ ترمذی، کتاب البر، باب ماجاء فی النفقۃ علی البنات والأخوات، ص: ۱۸۴۵، حدیث: ۱۹۱۳، حضرت عائشہؓ سے مروی۔ مسند احمد، مسند عائشہ (۶/ ۳۳) حدیث: ۲۴۵۵۶۔ مسند ام سلمہ (۶/ ۲۹۳) حدیث: ۲۷۵۱۔

(۳۱) ترمذی، کتاب البر، باب ماجاء فی النفقۃ علی البنات والأخوات، ص: ۱۸۴۵، حدیث: ۱۹۱۲، ۱۹۱۶، حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی۔ ابوداؤد، کتاب الأدب، باب فضل من عال الیتامی، ص: ۱۵۹۹، حدیث: ۵۱۴۷، حضرت ابوسعیدؓ سے مروی۔ مسند احمد، مسند ابوسعید خدری (۳/ ۴۲)، حدیث: ۱۱۴۰۴۔ مسند عقبہ بن عامر الجہنی (۴/ ۱۵۴) حدیث: ۱۷۵۳۸۔

کے ساتھ ساتھ بیان کیا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**وقضی ربک ألا تعبدوا إلا إیاہ وبالوالدین إحسانا**'' (۳۲) (تیرے رب نے فیصلہ کردیا کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اس کی، والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو)۔ اس آیت میں اللہ تعالی نے اپنی عبادت کے بعد فوراً والدین کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کی نافرمانی سے باز رہنے کی تلقین کی ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: ''کیا میں تم لوگوں کو کبیرہ گناہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہؓ نے کہا: ضرور اے اللہ کے رسول ﷺ، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا۔ آپ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے، پھر آپ ﷺ اٹھ بیٹھے اور فرمایا: سنو جھوٹ کی بات بولنا اور جھوٹ کی گواہی دینا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ بات آپ ﷺ مسلسل دہراتے رہے، یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ کہنے لگے: کاش آپ ﷺ خاموش ہوجائیں'' (۳۳)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: اے اللہ کے نبی ﷺ، میں آپ سے ہجرت اور جہاد پر بیعت کرتا ہوں، مجھے اجر کی امید صرف اللہ سے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے والدین میں سے کوئی بھی باحیات ہیں؟ اس نے کہا: ہاں دونوں ہی باحیات ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اللہ سے اجر حاصل کرنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم واپس اپنے والدین کے پاس چلے جاؤ اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرو'' (۳۴)۔

---

(۳۲) الاسراء: ۲۳۔

(۳۳) بخاری، کتاب الأدب، باب عقوق الوالدین من الکبائر، ص: ۵۰۶، حدیث: ۵۹۷۶، حضرت ابوبکرہؓ سے مروی۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الکبائر أکبرہا، ص: ۱۹۳، حدیث: ۲۵۹، حضرت ابوبکرہؓ سے مروی۔

(۳۴) بخاری، کتاب الادب، باب لا یجاہد إلا بإذن والدیہ، ص: ۵۰۶، حدیث: ۵۹۷۲، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی۔ مسلم، کتاب البر، باب بر الوالدین، ص: ۱۱۲۴، حدیث: ۷ و ۶۵۔

اللہ تعالی نے شوہروں کو نصیحت فرمائی ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کریں، اللہ کا ارشاد ہے: ''**وعاشروهن بالمعروف فإن كرهتموهن فعسى أن تكرهوا شيئاً ويجعل الله فيه خيراً كثيراً**''(۳۵)(ان کے ساتھ بھلے طریقہ سے زندگی بسر کرو، اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو، مگر اللہ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو)۔

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالی نے اس شخص کو غلط قرار دیا ہے جو اپنی بیوی کو علاحدہ بھی کر دیتا ہے لیکن اسے طلاق نہیں دیتا تاکہ اسے ذلت ورسوائی سے دوچار کر سکے، اللہ کا ارشاد ہے:''**فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان**''(۳۶)(پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے، یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے)۔لہذا شوہر کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ وہ بیوی کے سلسلہ میں سختی سے کام لے اور اسے صرف نقصان پہنچانے کے لئے روکے رکھے، اس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ شوہر کو بھلے طریقہ سے اپنی بیوی کو رخصت کر دینا چاہئے تاکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی کی دوسری راہ منتخب کر سکے اور سابقہ ازدواجی مشکلات سے نجات حاصل کر سکے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:''سنو تمہاری بیویوں پر تمہارا حق ہے، اور تمہاری بیویوں کا تم پر حق ہے۔تمہاری بیویوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو بیٹھنے نہ دیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو۔سنو، تمہاری بیویوں کا تم پر حق یہ ہے کہ تم انہیں اچھا پہناؤ اور اچھا کھلاؤ''(۳۷)۔

---

(۳۵) النساء:۱۹۔

(۳۶) البقرہ:۲۲۹۔

(۳۷) ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجہا، ص:۱۷۶۶، حدیث:۱۱۶۳۔ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حق المرأۃ علی الزوج، ص:۲۵۵۵، حدیث:۱۸۵۱۰، حضرت عمر بن الاحوصؓ سے مروی۔

حضرت حکیم بن معاویہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ، ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم کھاؤ تو انہیں کھلاؤ، جب تم پہنو تو انہیں بھی پہناؤ، ان کے چہرہ پر مت مارو، انہیں برا بھلا مت کہو، انہیں تنہا مت چھوڑو مگر گھر میں'' (۳۸)۔

نبی کریم ﷺ نے مومنین کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: '' کامل ایمان والا مومن وہ ہے جو سب سے زیادہ بااخلاق ہے، اور تم میں بہتر شخص وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے بہتر ہے'' (۳۹)۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے جو بلیغ خطبہ دیا اس میں آپ ﷺ نے فرمایا: '' میں تم لوگوں کو عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں، وہ تمہارے پاس اچھی خاصی عمر کو پہنچ چکی ہیں، وہ کسی بھی طرح کی چیز کی مالک نہیں ہیں، تم نے انہیں اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے، تم نے اللہ کا نام لے کر ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے، تمہارا ان پر حق ہے، اور ان کا تم پر حق ہے، ان کا حق یہ ہے کہ تم انہیں بہتر طریقہ سے پہناؤ اور کھلاؤ، اور تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی ایسے شخص کو بیٹھنے نہ دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو، تمہارے گھر میں تمہاری اجازت اور علم کے بغیر کسی کو داخل نہ ہونے دیں، اگر وہ ایسا کرتی ہیں تو بستر میں ان

---

(۳۸) ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حق المرأۃ علی الزوج، ص: ۲۵۸۷، حدیث: ۱۸۵۰، حضرت معاویہؓ سے مروی۔ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب ما جاء فی حق المرأۃ علی زوجہا، ص: ۱۳۸۰، حدیث: ۲۱۴۲ و ۲۱۴۴، حضرت معاویہؓ سے مروی۔

(۳۹) ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق المرأۃ علی زوجہا، ص: ۱۱۶۲، حدیث: ۱۱۶۲، حضرت ابوہریرہؓ سے مروی۔ ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب الدلیل علی زیادۃ الایمان ونقصانہ، ص: ۱۵۶۷، حدیث: ۴۶۸۲، حضرت ابوہریرہؓ سے مروی۔ مسند احمد فی مسند أبی ہریرہ (۲/۲۵۰) حدیث: ۷۳۹۶۰۔

سے علاحدگی اختیار کرلو اور انہیں مارو لیکن اس طرح نہیں کہ ان کے لئے نہایت اذیت رساں ہوجائے، سنو کیا میں نے اللہ کے پیغام کو تم لوگوں تک پہنچا دیا، لوگوں نے کہا: جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ تو گواہ رہنا'' (۴۰)۔

نبی کریم ﷺ نے عورتوں کے تعلق سے فرمایا: ''عورتوں کی عزت وہی کرتا ہے جو شریف ہوتا ہے اور ان کی توہین وہی کرتا ہے جو ذلیل ہوتا ہے'' (۴۱)۔

حضرت عمر بن الخطابؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد کہا تھا: ''عہد جاہلیت میں ہم عورتوں کو کچھ بھی نہیں گردانتے تھے، جب اسلام آیا اور اللہ نے ان کا ذکر کیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہم پر بھی ان کے حقوق ہیں'' (۴۲)۔ایک دوسری روایت میں ہے: ''خدا کی قسم عہد جاہلیت میں

---

(۴۰) ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجہا، ص: ۱۷۶۶، حدیث: ۱۱۶۳۔ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حق المرأۃ علی الزوج، ص: ۲۵۵۵، حدیث: ۱۸۵۱۰، حضرت عمر بن الاحوصؓ سے مروی۔

(۴۱) البانی، سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ (۲/۲۴۱)، ان کے مطابق یہ حدیث موضوع ہے، اسے شریف ابوالقاسم علی الحسینی نے الفوائد المنتخبۃ میں روایت کیا ہے (۱۸/۲۵۶/۲)، انہوں نے اسے اپنی تاریخ میں حافظ ابن عساکر کے طریق سے روایت کیا ہے (۴/۲۸۲/۱)، ان سے ان کے بھتیجے ابومنصور بن عساکر نے الاربعین فی مناقب أمہات المومنین میں روایت کیا ہے (ص: ۱۰۱، حدیث نمبر: ۳۹)، انہوں نے اسے ابوعبدالغنی الحسین بن علی بن عیسی الأزدی کے طریق سے اس طرح روایت کیا ہے: **حدثنا عبد الرزاق بن همام: أنا إبراهيم بن محمد الأسلمي عن داؤد بن الحصين عن عكرمة بن خالد عن علي بن أبي طالب مرفوعاً**۔شریف نے کہا ہے: **هذا حديث غريب... لا أعلمه رواه، إلا إبراهيم بن محمد بن أبي يحيىٰ الأسلمي**۔

(۴۲) بخاری، کتاب اللباس، باب ما کان النبی ﷺ یتجوز من اللباس والبسط، ص: ۴۹۸، حدیث: ۵۸۴۳۔

ہم عورتوں کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالی نے ان کے بارے میں آیات نازل کیں اور ان کے لئے حصہ بیان کیا'' (۴۳)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کے لئے زینت کروں جس طرح یہ بات پسند ہے کہ وہ میرے لئے زینت کرے'' (۴۴)۔

(۴۳) بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ التحریم، ص: ۴۲۱، حدیث: ۴۹۱۳۔ مسلم، کتاب الطلاق، باب تخییر امرأتہ، ص: ۹۲۹، حدیث: ۳۶۸۰۔

(۴۴) تفسیر طبری، تعلیق: محمود شاکر (۲/ ۵۴۳، ۵۴۶) دار احیاء التراث العربی، بیروت، ایڈیشن اول، (۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۱- مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطلاق ۱۷۲، باب ما قالوا فی قولہ: "وللرجال علیھن درجۃ" (۴/ ۱۸۳) حدیث: ۱۔

مبحث سوم:

اسلام میں عورت کے حقوق

اسلام میں عورتوں کے حقوق پر گفتگو کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ''حق'' کی تعریف بیان کردی جائے۔

اول: حق کے لغوی معنی:

لفظ ''الحق'' درحقیقت ''الحقوق'' کا واحد ہے، الحَقّة اور الحِقّة کا استعمال بھی ''الحق'' کے معنی میں ہوتا ہے، لیکن یہ دونوں لفظ اس سے زیادہ خاص ہیں۔ زہری کا کہنا ہے: یہ دونوں لفظ اپنے اندر زیادہ واجب کرنے اور خاص کرنے کا مفہوم رکھتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: **هذه حقتي**، یعنی یہ میرا ''حق'' ہے، اسی طرح کہا جاتا ہے: **حق لک أن تفعل، حققت أن تفعل، ما كان يحقک أن تفعله، أحق عليک القضاء فحقّ** (یعنی قضا ثابت کیا گیا اور وہ ثابت ہوگیا)۔ عرب کہتے ہیں: **حققت عليه القضاء أحقّه حقا** اور **أحققته أحقّه إحقاقاً** یعنی **أوجبته** (۴۵)۔

دوم: حق کے اصطلاحی معنی:

فقہاء کے یہاں اس لفظ کا استعمال اس کے لغوی استعمال سے مختلف نہیں ہے۔ فقہاء اس کا استعمال اس حق کے لئے کرتے ہیں جو کسی انسان کے لئے شریعت کی رو سے اس کے مفاد میں ثابت ہو۔ علماء قانون اس لفظ کا استعمال اس فائدہ یا منفعت کے لئے کرتے ہیں جو کسی شخص

---

(۴۵) ابن منظور، لسان العرب (۳/ ۲۵۷ و ۲۵۸)۔

کے لئے قانون کی رو سے ثابت ہو۔ اسی لئے فقہ اسلامی میں اس لفظ کا اطلاق ہر اس ''عین'' (چیز) اور ''مصلحت'' (منفعت) پر ہوتا ہے جس کے سلسلہ میں شریعت کی رو سے آپ کو اختیار حاصل ہو کہ آپ اس کا مطالبہ کریں یا اسے کسی دوسرے کو دینے سے منع کر دیں یا اسے خرچ کر دیں یا اس سے تنازل اختیار کر لیں۔ اسی طرح جو ''عین'' اپنی ملکیت ہو اس پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور اس کے تعلق سے کہا جاتا ہے: **هذا الكتاب حقي يا ملكية هذا الكتاب حق من حقوقي**۔ فقہ میں اس لفظ کا اطلاق عمومی ''منافع'' اور ''مصالح'' پر بھی ہوتا ہے اور اس کے تعلق سے اس طرح کہا جاتا ہے: **سكنى هذا الدار حقّ للموصى له بمنفعتها، طلب اليمين من المدعى عليه حق للمدعى، الحضانة حق للأم** وغیرہ۔

کبھی کبھی فقہاء اس لفظ کا استعمال مملوکہ ''اعیان'' و ''منافع'' کے بالمقابل کرتے ہیں، اس وقت فقہاء اس لفظ سے وہ عمومی معنی مراد نہیں لیتے ہیں جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، بلکہ اس سے ان کی مراد ایسے ''شرعی اعتباری مصالح'' ہوتے ہیں جن کا وجود صرف اسی وقت ہوتا ہے جب شارع ان کا اعتبار کرے، مثلاً حق شفعہ، حق خیار، شادی میں کفاءت کا حق، حضانت وولایت کا حق، وغیرہ (۴۶)۔

شریعت اسلامی میں حقوق کا سرچشمہ:

اوپر بیان کیا گیا ہے کہ فقہاء کے یہاں ''حق'' اسے کہتے ہیں جو ایک انسان کے لئے شریعت کی رو سے اس کی منفعت کے لئے ثابت ہو۔ اور شریعت وہ ہے جو قرآن وحدیث کے نصوص سے ثابت ہو۔ اللہ تعالی ہی تمام حقوق کے بنانے والے اور انہیں انسان کو عطا کرنے والے ہیں۔ امام شاطبی نے الموافقات میں تحریر کیا ہے: ''بندہ کا جو حق ہے اس کا حق ہونا اس

(۴۶) علی الخفیف، احکام المعاملات الشرعیہ، دار الفکر العربی، قاہرہ، ایڈیشن اول، ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۶، ص: ۳۱، ۳۲۔

طرح ثابت ہے کہ خود شریعت نے اسے بندہ کا حق قرار دیا ہے، اس لئے نہیں کہ بندہ اصلاً اس حق کا مستحق ہے'' (۴۷)۔

شرعی حقوق کا علم دین اسلامی کے بنیادی سرچشموں (یعنی قرآن وحدیث) اور فرعی سرچشموں (یعنی اجماع وقیاس) سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں ان فقہی عملی احکام سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے جنہیں مجتہدین امت نے اجتہاد کے ذریعہ مستنبط کیا ہے۔

حقوق کے استعمال میں اختیار کئے جانے والے شرعی اصول:

اللہ تعالی کی مرضی اور نبی کریم ﷺ کی حکمت کے مطابق شرعی حقوق کے استعمال میں چند اصول کو اختیار کرنا ضروری ہے، یہ اصول مندرجہ ذیل ہیں:

۱- اللہ تعالی، نبی کریم اور ائمہ کرام نے جن چیزوں کو مشروع قرار دیا ہے ان کی اتباع کرنا، اور دین میں کسی بھی طرح کی نئی چیز داخل کرنے سے اجتناب کرنا۔ نبی کریم ﷺ کا قول ہے: ''اگر کوئی شخص دین میں کوئی بھی ایسی نئی بات پیدا کرے جس کا تعلق اس سے نہ ہو تو وہ قابل رد ہے'' اور دوسرے الفاظ کے مطابق: ''جو کوئی ایسا کام کرے جس کا تعلق دین سے نہ ہو تو وہ قابل ردّ ہے'' (۴۸)۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث اسلام کا بہت اہم قاعدہ کلیہ ہے، اس کا شمار نبی کریم ﷺ کے جوامع الکلم میں ہوتا ہے۔ امام ابن حجر عسقلانی کا بھی یہی کہنا ہے۔ انہوں نے اس حدیث کو اسلام کے اصول اور بنیادی قاعدہ میں

---

(۴۷) الشاطبی، الموافقات، ضبط: محمد عبداللہ دراز، دار المعرفہ، بیروت (۲/ ۳۷۷)۔

(۴۸) بخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، ص: ۲۱۴، حدیث: ۲۲۹۷۔ مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب نقض الاحکام الباطلۃ ورد محدثات الامور، دار الفکر، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۱۲ھ، ۱۹۹۲ء، حضرت عائشہؓ سے مروی، ص: ۲۸۲ و ۲۸۳، حدیث: ۴۴۹۲ و ۴۴۹۳۔

شمار کیا ہے''(۴۹)۔

اس حدیث میں دین میں داخل کی جانے والی ہر نئی بات اور بدعت کی واضح طور پر تردید کی گئی ہے۔

۲-حقوق کے استعمال میں مکلّف کے قصد وارادہ کا شارع کے قصد وارادہ کے موافق ہونا:

حقیقی بات یہ ہے کہ شریعت اسلامی میں بندوں کے مصالح ومنافع کی ہر طرح سے رعایت کی گئی ہے، لہذا مکلّف سے مطلوب یہ ہے کہ اپنے تمام افعال واعمال اور حقوق کے استعمال میں شریعت پر عمل کرے، اس کی مخالفت نہ کرے۔

اگر مکلّف شریعت کے تقاضہ کے خلاف عمل کرتا ہے، اور شریعت کے قصد وارادہ اور مکلّف کے قصد وارادہ کے درمیان تعارض ہو رہا ہو تو ایسے حق کا استعمال نہیں کیا جائے گا۔ حلال وہ ہے جسے اللہ نے حلال قرار دیا ہے، اور دین وہ ہے جسے اللہ نے مشروع قرار دیا ہے(۵۰)۔

۳-شرعی امور میں وسطیت اور اعتدال:

اللہ تعالی فرماتے ہیں: ''**وما جعل علیکم فی الدین من حرج**'' (۵۱) (اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی)، ایک دوسری جگہ پر اللہ کا ارشاد ہے: ''**یرید الله بکم الیسر**

---

(۴۹) صحیح مسلم بشرح النووی، کتاب الاقضیۃ، باب نقض الاحکام الباطلۃ ورد محدثات الأمور، دار الحدیث، قاہرہ، ایڈیشن اول، ۱۴۱۵ھ، ۱۹۹۴ء، ص: ۲۵۶ و ۲۵۷، حدیث ۱۷۱۸۔

(۵۰) عبد الکریم زیدان، المفصل فی احکام المرأۃ، مؤسسۃ الرسالہ، ایڈیشن اول ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۳ء، (۱۵۹/۴)۔

(۵۱) الحج: ۷۸۔

ولا یرید بکم العسر''(۵۲)(اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے،سختی کرنا نہیں چاہتا)۔

اسلام درحقیقت اعتدال اور وسطیت کا دین ہے۔ یہ ایک ایسا دین ہے جس میں اللہ تعالی نے مسلمانوں کو ان کی ضرورتوں کے پیش نظر رخصتیں بھی دی ہیں، مثلاً مریض کو اجازت ہے کہ وہ رمضان میں روزہ نہ رکھے، مسافر کو اجازت ہے کہ وہ نماز قصر کرے۔ یہ اور اس طرح کی دیگر رخصتیں ایسی ہیں جن سے شارع کا مقصد بندوں کو سہولت فراہم کرنا ہے، نبی کریم ﷺ کا قول ہے:'' دین درحقیقت آسان ہے، اگر کوئی شخص دین میں شدت پسندی سے کام لیتا ہے (اور اس سے مقابلہ آرائی کرتا ہے) تو دین اس پر غالب آجاتا ہے''(۵۳)۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ اگر ہم اعتدال سے دوری اختیار کرلیں، سیدھے راستہ سے ہٹ جائیں اور دین میں تشدد کی راہ اختیار کریں تو ہم غلو کا شکار ہوجائیں گے، ہماری اسلامی شخصیت کمزور پڑ جائے گی اور بالآخر اسلامی معاشرہ اس سے متاثر ہوگا۔

۴-حقوق کے استعمال میں نہ ہی خود کو نقصان پہنچانا چاہئے اور نہ ہی دوسروں کو:

ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت عبد اللہ بن صامتؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:'' نہ ہی خود کو نقصان پہنچانا چاہئے اور نہ ہی دوسروں کو''(۵۴)۔

مسلمان نہ ہی خود کو نقصان پہنچاتا ہے اور نہ ہی دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ لہذا اگر کسی مسلمان صاحب حق کو معلوم ہوتا ہے کہ حق حاصل کرنے کی صورت میں کسی دوسرے شخص کو

---

(۵۲) البقرہ:۱۸۵۔

(۵۳) بخاری، کتاب الایمان، باب الدین یسر،ص:۵، حدیث:۳۹۔نسائی، کتاب الایمان، باب الدین یسر،ص:۲۴۱۲، حدیث:۵۰۳۷۔

(۵۴) ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب من بنی فی حقہ مایضر بجارہ (۲/ ۷۸۴) حدیث:۳۲۴۰۔ یہ حدیث اسلامی شریعت کا بہت ہی اہم قاعدہ کلیہ سمجھا جاتا ہے۔ قواعد فقہیہ کی کتابوں میں اس کا عنوان رکھا گیا ہے:'' الضرر یزال''۔ اس قاعدہ پر اور بھی بہت سارے قواعد مبنی ہیں۔

نقصان پہنچ سکتا ہے تو وہ اس حق کو چھوڑ دیتا ہے، تا کہ وہ کسی بڑے گناہ کا شکار ہونے سے محفوظ رہ سکے۔ کتنے ہی ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنے بعض اعمال کی وجہ سے دوسروں کی زندگی برباد کر دی، وہ اعمال ان کے حق میں تو بہتر تھے لیکن دوسروں کے لئے نقصان دہ تھے۔

۵-قاعدہ ''سدذریعہ'' کی رعایت:

سدذریعہ (یعنی ذریعہ پر روک لگانا) اسلامی شریعت کا ایک نہایت ہی اہم قاعدہ ہے(۵۵)۔ بہت سے فقہاء نے اس پر عمل کیا ہے، خصوصاً مذہب مالکی نے اس کو کافی اہمیت دی ہے۔ اگر ہمیں معلوم ہو کہ کسی ''حق'' کو حاصل کرنے سے مفاسد کا دروازہ کھل سکتا ہے تو اس دروازہ کو بند رکھنا ہی بہتر ہے۔ آپ اس قاعدہ پر بعض ان مسائل وامور کو قیاس کر سکتے ہیں جن میں دقّت نظری کی ضروری ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں غلو سے بھی کام نہیں لینا چاہئے۔ بعض جدید مسائل وقت کے لحاظ سے اور ہر ملک کے حالات کے پیش نظر بدلتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ہم کویت میں کوئی مسئلہ منطبق کر لیں لیکن وہ مسئلہ دیگر خلیجی یا عرب ممالک میں منطبق نہ ہوسکتا ہو، کیونکہ ہر ملک کے اپنے عادات اور عرف ہوتے ہیں، اور علماء اصول فقہ کے یہاں عرف (۵۶) کا اعتبار ہوتا ہے، اس کے اعتبار کے سلسلہ میں ان کا خاص نقطہ نظر ہے۔

---

(۵۵) دیکھئے: ابوعبدالرحمٰن عبدالمجید الجزائری، القواعد الفقہیۃ المستخرجۃ من کتاب إعلام الموقعین، ابن قیم الجوزیہ، مقدمہ: بکر ابوزید، دار ابن قیم، سعودیہ عربیہ، ایڈیشن اول، ۱۴۱۲ھ، ص: ۳۲۰و۳۲۱۔

(۵۶) عرف: امام راغب نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے: ''**إن العرف هو المعروف من الإحسان، والمعروف اسم لكل فعل يعرف بالفعل أو بالشرع حسنه، والمنكر ما ينكر بهما، ولهذا قيل للاقتصاد في الجود معروف لما كان ذلك مستحسنا في العقول والشرع**''، الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص: ۳۳۱-۳۳۲۔ امام جرجانی نے اس کی اس طرح تعریف کی ہے، ''**العرف ما استقر في النفوس بشهادة العقول، وتلقته الطبائع بالقبول**''، الجرجانی، التعریفات، ص: ۱۵۴۔

اسلام میں عورتوں کے حقوق:

اول: عورت کے انسانی حقوق:

عورت کے انسانی حقوق کا شمار اس کے نہایت اہم اور بنیادی حقوق میں ہوتا ہے، جسے شریعت اسلامی نے ابتدائے آفرینش سے ہی تسلیم کیا ہے اور قیامت تک کے لئے ان حقوق کو برقرار رکھا ہے، اگرچہ ظہور اسلام سے قبل عورت ان حقوق سے محروم تھی۔ ذیل میں چند انسانی حقوق کا ذکر کیا جاتا ہے:

الف- شخصی آزادی کا حق:

شخصی آزادی سے مراد آمدورفت سے متعلق انسان کی آزادی ہے، یعنی ایک انسان اپنی آمدورفت میں اپنی سلامتی اور عزت وتکریم کو مکمل طور پر محفوظ محسوس کرتا ہو۔ شخصی آزادی کا مفہوم یہ بھی ہے کہ کسی بھی شخص کو بغیر کسی جائز وجہ کے نہ ہی گرفتار کیا جائے، نہ ہی قید کیا جائے اور نہ ہی سزا دی جائے (۵۷)۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے انسانوں کی عزت وتکریم کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: "**ولقد کرمنا بنی آدم وحملناهم فی البر والبحر ورزقناهم من الطیبات وفضلناهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلاً**" (۵۸) (یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی)۔ اس عزت وتکریم کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنی شخصی آزادی سے مکمل طور پر لطف اندوز ہو۔ اس شخصی آزادی کا سلب کرنا بالکل درست نہیں ہے۔

---

(۵۷) دیکھئے: عز الدین عبد اللہ، القانون الدولی الخاص، مطابع الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، قاہرہ، ایڈیشن ۱۱، ۱۹۸۶ء، (۱/۶۲۶ و ۶۲۷)۔

(۵۸) الاسراء: ۷۰۔

اس سلسلہ میں مرد وعورت اور مسلم وکافر سب یکساں ہیں، اللہ کا ارشاد ہے: ''**ولا تعتدوا إن الله لا يحب المعتدين**'' (۵۹) (زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔ ایک دوسری جگہ پر اللہ نے فرمایا: ''**ولا تقتلوا النفس التى حرم الله إلا بالحق**'' (۶۰) (قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ)۔ نبی کریم نے اللہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: ''اے بندوں میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دے رکھا ہے، اور تمہارے درمیان بھی اسے حرام قرار دے دیا ہے، لہذا تم آپس میں ایک دوسرے کے اوپر ظلم نہ کرو...'' (۶۱)۔ ابن تیمیہؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''معلوم ہوا کہ عدل وانصاف، ہر چیز میں اور ہر ایک کے اوپر واجب ہے۔ اسی طرح ظلم ہر چیز میں اور ایک کے اوپر حرام ہے۔ لہذا کسی پر ظلم کرنا اصلاً حلال نہیں ہے، خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر یا ظالم۔ کسی بھی شخص کو کسی دوسرے پر ظلم نہیں کرنا چاہئے...'' (۶۲)۔

نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو تعلیم دی کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی عزت وآبرو سے تعرض کرنے سے باز رہیں، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں'' (۶۳)۔

یہاں پر اپنی بہنوں کی توجہ اس جانب مبذول کرانا ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ہم جس شخصی آزادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورت اپنے گھر سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکل سکتی ہے، عورت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ گھر سے نکلنے سے قبل اپنے ولی سے اجازت لے، اور ولی کو

---

(۵۹) البقرہ: ۱۹۰۔

(۶۰) الاسراء: ۳۳۔

(۶۱) مسلم، کتاب البر، باب تحریم الظلم، ص: ۱۱۲۹، حدیث ۶۵۷۲۔

(۶۲) ابن تیمیہ، فتاوی ابن تیمیہ، مطبعۃ فرج اللہ کردی (۱/۳۳۶ و ۳۳۷ و ۳۵۱ و ۳۵۲)۔

(۶۳) بخاری، کتاب الایمان، باب أی الإسلام أفضل، حضرت ابوموسیٰؓ سے مروی، ص: ۳، حدیث ۱۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان تفاضل الإسلام وأی أمورہ أفضل، ص: ۶۸۷، حدیث: ۶۵۲۶۴۔

بھی چاہئے کہ وہ اسے نکلنے کی اجازت دے دے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم میں سے کسی کی بیوی گھر سے نکلنے کے لئے اجازت مانگے تو تمہیں اسے اجازت دینے سے منع نہیں کرنا چاہئے'' (۶۴)۔

مندرجہ بالا حدیث میں ''نکلنے کی اجازت'' کو صرف ''نماز کے لئے نکلنے'' کے ساتھ مخصوص نہیں کیا گیا ہے، بلکہ عورت اگر کسی عمومی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے باہر نکلنا چاہتی ہے تو بھی اسے اجازت دینے کی بات اس حدیث میں کہی گئی ہے، بشرطیکہ اس کے باہر نکلنے سے نہ ہی اسے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اور نہ ہی کسی دوسرے کو۔ اور اس بات کا اندازہ ولی امر ہی لگا سکتا ہے۔ اگر ولی کو اندیشہ ہو کہ عورت کے باہر نکلنے کی صورت میں اسے کچھ نقصان پہنچ سکتا ہے، لہذا وہ اسے باہر نکلنے سے منع کر دے تو عورت کو اس کی بات مان لینی چاہئے (۶۵)۔

ب-عزت وتکریم کا حق:

اللہ تعالی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے دوسری مخلوقات پر فضیلت و بزرگی عطا کی۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: **"ولقد کرمنا بنی آدم وحملناهم فی البر والبحر ورزقناهم من الطیبات وفضلناهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلاً"** (۶۶) (یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی)۔ سورہ ص میں اللہ تعالی فرماتا ہے: **"فإذا سوّیته ونفخت فیه من روحی فقعوا له ساجدین"** (۶۷) (پھر جب میں اسے

(۶۴) بخاری، کتاب الآذان، باب صلاۃ النساء خلف الرجال، ص:۱۷۶، حدیث: ۸۷۳۔

(۶۵) دیکھئے: احمد الغندور، الاحوال الشخصیۃ فی التشریع الإسلامی، مکتبۃ الفلاح، کویت، ایڈیشن چہارم، ۱۴۲۲ھ، ۲۰۰۱ء، ص:۲۷۱ و ۲۷۲۔

(۶۶) الاسراء:۷۰۔

(۶۷) ص:۷۲۔

پوری طرح بنادوں اوراس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر جاؤ)۔ یہ اور اس طرح کی بے شمار آیات ہیں جن سے انسانی عزت وکرامت میں مرد وعورت کے درمیان مساوات کا علم ہوتا ہے۔

ج-ثواب وسزا میں مرد وعورت کے درمیان مساوات:

اللہ تعالی نے قرآن کریم میں جہاں کہیں مومنوں کو مخاطب کیا ہے اور انہیں اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے، اس کے لئے عمومی صیغہ استعمال کیا ہے۔ مرد وعورت کے درمیان کسی طرح کی تفریق نہیں کی ہے۔ لہذا اللہ کا خطاب مومن مردوں سے بھی ہے اور مومن عورتوں سے بھی۔ اسی طرح مسلم مردوں سے بھی ہے اور مسلم عورتوں سے بھی، منافق مردوں سے بھی ہے اور منافق عورتوں سے بھی۔

ثواب وسزا میں مردوں وعورتوں کے درمیان مساوات مندرجہ ذیل آیات سے مکمل طور پر واضح ہوکر سامنے آجاتا ہے، اللہ کا ارشاد ہے: ''**ومن يعمل من الصالحات من ذكر أو أنثى وهو مؤمن فأولئك يدخلون الجنة ولا يظلمون نقيرا**'' (٦٨) (اور جو نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی ہونے نہ پائے گی)، سورہ نحل میں اللہ کا ارشاد ہے: ''**من عمل صالحاً من ذكر أو أنثى وهو مؤمن فلنحيينه حياة طيبة ولنجزينهم أجرهم بأحسن ما كانوا يعملون**'' (٦٩) (جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ ہو وہ مومن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو ان کے اجران کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے)۔ سزا میں بھی مرد وعورت یکساں ہیں، اللہ کا ارشاد ہے: ''**من عمل سيئة فلا يجزى إلا مثلها**'' (٧٠) (جو برائی

(٦٨) النساء: ١٢٤۔

(٦٩) النحل: ٩٧۔

(٧٠) غافر: ٤٠۔

کرے گا اس کو اتنا ہی بدلہ ملے گا، جتنی اس نے برائی کی ہوگی)۔

سورہ مدثر میں اللہ کا ارشاد ہے:"و کل نفس بما کسبت رھینۃ"(۷۱)(ہر شخص اپنے کسب کے بدلے رہن ہے)، لفظ"نفس"میں مرد و عورت دونوں ہی شامل ہیں۔

سابقہ گفتگو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام ایک عظیم دین ہے، ایک ایسا دین جو انسانی شخصیت کا احترام کرتا ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اس دین میں کسی طرح کا طعن و تشنیع اور ظلم و زیادتی روا نہیں ہے۔ ہمارا آج کا معاشرہ سابقہ معاشرہ سے بہت حد تک بدل گیا ہے۔ جدید دور میں بڑی علمی و ٹکنولوجی کی ترقی ہوگئی ہے۔ آج عورت علم حاصل کرنے اور اپنی فطرت و طبیعت سے موافقت رکھنے والے کام کرنے کے لئے گھر سے باہر نکلتی ہے۔ یہ اسلام کی عظمت ہی ہے کہ زمانے کے بدلنے کے ساتھ تمام ادوار میں اس نے عورت کا بحیثیت انسان احترام و عزت کو باقی رکھا اور بہت سے میدانوں میں اسے مردوں کے شریک کار رکھا۔ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا:"سنو تمہاری عزت و آبرو، تمہارا مال تمہارے لئے اسی طرح حرام ہے، جس طرح اس جگہ پر اور اس مہینہ میں تمہارا یہ دن محترم ہے"(۷۲)۔

مندرجہ بالا حدیث لوگوں کے درمیان معاملات کی اساس ہے، اس کے ذریعہ سے انسانی عزت و کرامت خصوصاً خواتین کی عزت و کرامت کی حفاظت کی جاتی ہے۔

دوم: ہجرت کے تعلق سے عورت کا حق:

ہجرت کے مسئلہ میں اسلام نے عورت و مرد کو یکساں قرار دیا ہے، جب مکہ مکرمہ میں دعوت اسلامی کا ظہور ہوا اور لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنا چاہا تو انہیں بڑی

---

(۷۱) المدثر:۳۸۔

(۷۲) ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق المرأۃ علی زوجہا، ص:۱۷۶۶، حدیث:۱۱۶۳۔ ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حق المرأۃ علی الزوج، ص:۲۵۵۵، حدیث:۱۸۵۱۰، حضرت عمر بن الاحوص ؓ سے مروی۔

تکلیفوں وآزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے مسلمان مردوں وعورتوں سے بڑے نرم لہجے میں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کو کہا، آپ ﷺ نے کہا: ''تم لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ، وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جو کسی پر ظلم ہونے نہیں دیتا، وہ سچائی کی سرزمین ہے، (تم لوگ وہاں رہنا) یہاں تک کہ اللہ تعالی تمہاری مشکلات و پریشانیوں کو تم سے دور کردے'' (۷۳)۔ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کے بعد اللہ کی راہ میں ہجرت کا آغاز ہوا۔

الف-ہجرت حبشہ:

حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والی ابتدائی خواتین میں نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا شمار ہوتا ہے، انہوں نے اپنے شوہر حضرت عثمان بن عفانؓ کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی۔ حضرت سہلہ بنت سہیلؓ بھی ان ابتدائی خواتین میں شامل ہیں جنہوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی، ان کے ساتھ ان کے شوہر حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہؓ تھے، انہوں نے حبشہ ہی میں اپنے بیٹے محمد بن ابوحذیفہؒ کو جنم دیا۔

اس ہجرت میں حضرت ام سلمہ بنت ابوامیہ بن مغیرہؓ اپنے شوہر حضرت ابوسلمہ بن عبد الاسد بن ہلالؓ کے ساتھ اور حضرت لیلی بنت ابی حنتمہؓ اپنے شوہر حضرت عامر بن ربیعہؓ کے ہمراہ شامل تھیں۔

حضرت اسماء بنت عمیسؓ کا شمار بھی ان خواتین میں ہوتا ہے جنہوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی۔ ان کے تعلق سے ایک واقعہ مشہور ہے، ایک دن حضرت عمرؓ ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس گئے، حضرت اسماء بنت عمیسؓ اس وقت ان کے پاس ملاقات کی غرض سے گئی ہوئی تھیں، حضرت عمرؓ نے حضرت اسماءؓ کو دیکھ کر پوچھا: یہ کون ہیں؟ حضرت حفصہؓ نے بتایا کہ یہ اسماء

---

(۷۳) ابن حجر، فتح الباری، باب ہجرۃ الحبشہ (۱۴۸/۷)۔ سیرۃ ابن ہشام، تحقیق: سہیل زکار (۲۱۴/۱)۔

بنت عمیسؓ ہیں، حضرت عمرؓ نے پوچھا: وہی حبشہ والی؟ حضرت اسماء نے کہا: جی ہاں۔

حضرت عمرؓ نے حضرت اسماءؓ سے کہا: ہم لوگوں نے آپ لوگوں سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کی ہے، لہذا ہم لوگ آپ لوگوں سے زیادہ نبی کریم ﷺ کے مستحق ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت اسماءؓ خفا ہو گئیں اور انہوں نے کہا: خدا کی قسم، ہرگز نہیں، آپ لوگ تو نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، وہ آپ کے درمیان موجود بھوکوں کو کھلاتے تھے، اور جاہل و ناواقف لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے تھے۔ جبکہ ہم لوگ تو دور دراز کے علاقہ حبشہ میں تھے، اور وہ بھی اللہ اور اس کے رسول کی خاطر۔ خدا کی قسم، میں اس وقت تک نہ ہی کچھ کھاؤں گی اور نہ ہی پیوں گی جب تک میں نبی کریم ﷺ کو بتا نہ دوں کہ آپ نے کیا کہا ہے، میں آپ ﷺ سے سوال بھی کروں گی، خدا کی قسم میں نہ جھوٹ بولوں گی، نہ غلط بات کہوں گی اور نہ ہی اپنی طرف سے کچھ اضافہ کروں گی۔ جب نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہوئے تو حضرت اسماءؓ نے کہا: اے اللہ کے نبی ﷺ، حضرت عمرؓ نے اس اس طرح کی بات کہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے انہیں جواب میں کیا کہا؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے یہ یہ باتیں کہیں، یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ تم لوگوں سے زیادہ میرے مستحق نہیں ہیں، انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے تو ایک ہی ہجرت کی، لیکن تم کشتی والوں نے تو دو ہجرتیں کی ہیں (۷۴)۔

ب- بیعت عقبہ ثانیہ:

بیعت عقبہ ثانیہ میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں انصار کا ایک وفد یثرب (مدینہ) سے مکہ آیا تھا۔ یہ وفد ۷۳ مردوں اور دو عورتوں پر مشتمل تھا۔ یہ عورتیں نبی کریم ﷺ سے بیعت کرنے کے لئے مدینہ سے آئی تھیں، ان میں سے ایک خاتون اسماء بنت

---

(۷۴) بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر (۳/ ۱۲۸۴) حدیث: ۴۲۳۱۔ دیکھئے: ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، تحقیق: سہیل زکار (۱/ ۲۱۴ و ۲۲۲)۔

عمروؓ (ام منیع) تھیں جن کا تعلق بنوسلمہ سے تھا، اور دوسری خاتون نسیبہ بنت کعبؓ (ام عمارہ) تھیں جن کا تعلق بنونجار سے تھا (۷۵)۔

ج- یثرب (مدینہ) کی جانب ہجرت کبری:

جب مکہ میں نبی کریم ﷺ اور ان کے ساتھیوں پر ظلم وستم کی انتہا ہوگئی، تو اللہ تعالی نے مسلمانوں کو اجازت دی کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے یثرب (مدینہ) چلے جائیں۔ اس ہجرت میں حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کا کردار نمایاں ہوکر سامنے آتا ہے، کیونکہ وہی سب سے معزز دونوں مہاجرین (یعنی نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ) کی غار حراء میں ذمہ دار تھیں، وہ انہیں غار میں ٹھیک اس وقت کھانا پہنچاتی تھیں جو وقت نبی کریم ﷺ نے متعین کر دیا تھا۔ ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن ابوبکرؓ بتاتے ہیں کہ ایک دن حضرت اسماءؓ کو کھانا باندھنے کے لئے کچھ ملا نہیں تو انہوں نے مجبوراً اپنا ازار بند نکالا، اس کے دو حصے کئے، اور ایک حصہ سے کھانے کو باندھ کر دوسرے حصہ کو بطور ازار بند استعمال کیا۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے انہیں "**ذات النطاقین**" (دوازار بندوالی) کے لقب سے نوازا (۷۶)۔

سوم: جہاد کے تعلق سے عورت کا حق:

یہ بات ثابت ہے کہ خواتین نبی کریم ﷺ کی اجازت سے غزوات میں مسلمان فوجیوں کے ساتھ نکلتی تھیں، تاکہ وہ مردوں کی خدمت کرسکیں، زخمیوں کا علاج کرسکیں، اور دیگر ضروری امور انجام دے سکیں۔ امام بخاری نے ایک باب کا عنوان یہ رکھا ہے: **باب غزو النساء وقتالھن**۔ اس باب میں انہوں نے حضرت ربیع بنت معوذؓ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی

---

(۷۵) سیرۃ ابن ہشام، تحقیق: سہیل زکار (۱/ ۳۱۸و۳۱۹)۔

(۷۶) سیرۃ ابن ہشام، تحقیق: سہیل زکار (۱/ ۳۳۵و۳۳۹)۔ دیکھئے: صلاح عبدالغنی محمد، الحقوق العامۃ للمرأۃ، مکتبۃ الدارۃ العربیۃ للکتاب، قاہرہ، ایڈیشن اول، ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹۸ء، (۱/ ۱۲۵و۱۲۸)۔

ہیں: ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوہ میں جاتے تھے، ہم فوجیوں کو پانی پلاتے تھے اور ان کی خدمت کرتے تھے، ہم زخمیوں اور مقتولین کو مدینہ واپس بھیجتے تھے'' (۷۷)۔

حضرت ام عطیہ انصاریؓ فرماتی ہیں: ''میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شامل رہی ہوں۔ میں ان کے پیچھے ان کے سامانوں کے پاس رہ کر ان کی حفاظت کرتی تھی، ان کے لئے کھانا بناتی اور زخمیوں کا علاج کرتی تھی'' (۷۸)۔ جب نبی کریم ﷺ کسی غزوہ یا حج کے لئے سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے (کہ کون آپ کے ساتھ سفر میں ہوں گی) (۷۹)۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''جب نبی کریم ﷺ سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے، جس بیوی کا نام قرعہ میں آجاتا وہ آپ کے ساتھ سفر میں جاتیں۔ ایک غزوہ میں جانے کے لئے آپ ﷺ نے قرعہ اندازی کی تو اس میں میرا نام نکلا، لہذا میں آپ کے ساتھ اس سفر پر گئی۔ یہ واقعہ آیت حجاب کے نازل ہونے کے بعد کا ہے'' (۸۰)۔

چہارم: عورتوں کے معاشرتی حقوق:

عورتوں کے معاشرتی حقوق متعدد ہیں، ہم ذیل میں ان میں سے چند کا تذکرہ اجمالاً کرتے ہیں:

---

(۷۷) بخاری، کتاب الجہاد، باب رد النساء الجرحی والقتلی إلی المدینہ، ص: ۵۵۴، حدیث: ۲۸۸۳۔

(۷۸) ابن ماجہ: کتاب الجہاد، باب مداواۃ النساء والجرحی فی الغزو، ص: ۲۳۲، حدیث: ۲۸۸۸۔

(۷۹) صلاح عبدالغنی محمد، الحقوق العامۃ للمرأۃ (۱/ ۱۳۲ و ۱۳۳)۔

(۸۰) بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب حمل الرجل امرأتہ فی الغزو دون بعض نساءہ، ص: ۵۵۴، حدیث: ۲۸۷۹۔ مسلم، کتاب التوبہ، باب فی حدیث الافک وقبول توبۃ القاذف، ص: ۱۱۱۲ و ۱۱۱۶، حدیث: ۲۷۷۰۔

الف۔تعلیم کے سلسلہ میں عورت کا حق:

اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کو ایک امی اور ان پڑھ قوم میں مبعوث فرمایا تا کہ وہ انہیں جہالت وامیت کی تاریکی سے نکال کر ہدایت واسلام کی روشنی کی طرف لائیں، اللہ کا ارشاد ہے: **"هو الذی ینزل علی عبده آیات بینات لیخرجکم من الظلمات إلی النور وإن الله بکم لرؤوف رحیم"** (۸۱) (وہ اللہ ہی تو ہے جو اپنے بندے پر صاف صاف آیتیں نازل کر رہا ہے تا کہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے)۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے'' (۸۲)۔ ایک دیگر حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی شخص کے پاس کوئی باندی ہو اور وہ اسے بہترین تعلیم دے اور بہترین ادب سکھائے، پھر وہ اسے آزاد کر دے اور اس سے شادی کر لے تو ایسے شخص کو دو اجر ملے گا'' (۸۳)۔

اسلامی تاریخ خاتون فقیہات کے تذکرہ سے بھری پڑی ہے۔ اس میں سر فہرست حضرت عائشہؓ (۸۴) کا نام آتا ہے، ان سے صحابہ کرام فتوی پوچھا کرتے تھے۔ حضرت حفصہ بنت عمرؓ (۸۵) وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قرآن حفظ کیا۔ سیدہ سکینہ بنت حسینؓ

(۸۱) الحدید:۹۔

(۸۲) سیوطی، اللآلی المصنوعۃ، کتاب العلم (۱/ ۱۷۵)، سیوطی نے اس کی نسبت عقیلی اور ابن عدی کی طرف کی ہے۔ بیہقی، شعب الایمان، ابن عبدالبر، کتاب العلم، وہ لکھتے ہیں: ابن حبان کا کہنا ہے کہ یہ باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔ الشوکانی، الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، کتاب فضائل العلم وما ورد فیہ مالم یصح، ص: ۲۷۲، حدیث: ۸۵۱۔

(۸۳) بخاری، کتاب النکاح ۱۲، باب اتخاذ السراری ومن أعتق جاریۃ ثم تزوجہا، ص: ۴۴۰، حدیث: ۵۰۸۳۔

(۸۴) محمد رضا کحالہ، اعلام النساء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ایڈیشن ۱۰، ۱۴۱۲ھ، ۱۹۹۱ء (۳/ ۱۰۴ و ۱۲۳)۔

(۸۵) سابق مرجع (۳/ ۲۷۵ و ۲۷۶)۔

فتوی دیا کرتی تھیں (۸۶)۔ فاطمہ بنت علاء الدین السمر قندی (۸۷) بھی فتوی دیا کرتی تھیں، ان کے والد حنفی فقیہ تھے، انہوں نے ''تحفۃ الفقہاء'' تحریر کی تھی، ان کے شوہر ان کے والد کے شاگرد تھے، انہوں نے ''البدائع'' تحریر کی تھی، انہوں نے البدائع میں اپنے استاذ کی کتاب میں مزید اضافے کئے، اس کتاب کی تحریر کے دوران اگر کہیں ان سے غلطی ہوجاتی تو اس کی تصحیح ان کی بیوی فاطمہ کردیتی تھیں (۸۸)۔

آج کی جدید دنیا میں علم کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا ہے۔ دینی ودنیوی علم حاصل کرنے کے بعد آج کی عورت بھی اپنے تجربات اور ذہانت کی بدولت مختلف کام انجام دینے لگی ہے۔ یہ درحقیقت عورتوں پر اس اللہ کا فضل ہے جس نے وحی کا آغاز لفظ ''اقرأ'' سے کیا تھا۔

ب- ازدواجی حقوق:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**ولهن مثل الذى عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة**'' (۸۹) (عورتوں کے لئے بھی معروف طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں، البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے)۔ عورتوں کے چند ازدواجی حقوق ہوتے ہیں جو انہیں حاصل ہونے چاہئیں، شوہر کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان حقوق کو بخوشی ادا کرے نہ کہ بحالت مجبوری، کیونکہ ان حقوق کو اللہ تعالی نے عورت کے حق میں مشروع کیا ہے۔ اگر کوئی ایسا الٰہی قانون نہ ہو جو انسان کو حقوق کو ادا کرنے پر مجبور کرے تو وہ ان حقوق کو ادا ہی نہ کرے، اسی لئے اللہ تعالی نے قرآن وحدیث میں عورتوں کے لئے حقوق متعین کئے ہیں جن کی

---

(۸۶) سابق مرجع (۳/ ۲۰۲و۲۱۰)۔

(۸۷) سابق مرجع (۴/ ۹۴و۹۵)۔

(۸۸) کوثر محمد المنیاوی، حقوق المرأۃ فی الإسلام، مطبعۃ سفیر، ریاض، ایڈیشن دوم، ص: ۳۴و۳۵، ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۳ء۔

(۸۹) البقرہ:۲۲۸۔

رعایت کرنا نہایت ضروری ہے۔ چند حقوق کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

الف-شوہر کے انتخاب میں عورت کا حق:

عورت کو اپنے شریک حیات کے انتخاب کا مکمل حق حاصل ہے۔ اگر کوئی مرد کسی عورت کے ولی کو نکاح کا پیغام دیتا ہے، اور ولی اس مرد و عورت کے باہم کفو ہونے کے مسئلہ پر غور کرنے کے بعد اس نکاح پر موافقت کر لیتا ہے اور پھر اس شخص کے بارے میں عورت کو بتاتا ہے بایں طور کہ وہ اسے کسی بھی طرح سے اس شخص سے شادی کرنے پر مجبور نہیں کرتا، اور وہ عورت بھی اس رشتہ پر حامی بھر دیتی ہے تو یہ نکاح منعقد ہوگا اور اگر وہ اس رشتہ سے انکار کر دیتی ہے تو یہ نکاح نہیں ہوسکتا۔

ولی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی زیر ولایت کسی عورت کو شادی کرنے سے یا مناسب شوہر کے انتخاب سے روک سکے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن إذا تراضوا بينهم بالمعروف**'' (۹۰) (تو پھر اس میں مانع نہ ہو کہ وہ اپنے زیر تجویز شوہروں سے نکاح کر لیں، جبکہ وہ معروف طریقہ سے باہم مناکحت پر راضی ہوں)۔ مندرجہ بالا آیت میں لفظ ''العضل'' کا مطلب ''لڑکی کو شادی کرنے سے روکنا اور اسے اس کے حق سے محروم کرنا'' ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان کے پاس ایک نوجوان لڑکی آئی اور اس نے کہا: میرے والد نے اپنے بھتیجے سے میری شادی کر دی ہے، انہوں نے میرے ساتھ ایک کمتر شخص کو کر دیا ہے، میں اسے پسند نہیں کرتی ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: بیٹھو، نبی کریم ﷺ آ ہی رہے ہوں گے۔ پھر نبی کریم ﷺ آ گئے تو انہوں نے آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس لڑکی کے والد کو بلا بھیجا، اور شادی کے مسئلہ کو لڑکی کے ہاتھ میں دے دیا (کہ چاہے تو وہ شادی ختم کر لے یا پھر اسے باقی رکھے)، اس نوجوان لڑکی نے کہا اے اللہ کے

---

(۹۰) البقرہ:۲۳۲۔

رسول، میرے والد نے جو کچھ کیا میں اسے باقی رکھتی ہوں، میرا ارادہ تو صرف عورتوں کو یہ بتانا تھا کہ (لڑکی کی شادی کے سلسلہ میں) والدین کو اختیار حاصل نہیں ہے (۹۱)۔

اس حدیث کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ عورت اپنی شادی کے سلسلہ میں اپنے گھر والوں کی بات ہی نہ سنے اور ان کی نافرمانی کرے، جیسا کہ آج کل دیکھنے میں آتا ہے کہ مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعہ نوجوان لڑکے ولڑکی کے درمیان محبت پروان چڑھتی ہے اور پھر یہ تعلق گناہ کے ارتکاب تک جا پہنچتا ہے (۹۲)۔

ب- مہر کے سلسلہ میں عورت کا حق:

مہر کی تعریف:

مہر کی لغوی تعریف:

مہر کی جمع مہور ہے۔ فعل مَهَرَ ہے مَنَعَ اور نَصَرَ کے وزن ہے۔ أمهرها کے معنی ہیں کسی کے لئے مہر متعین کرنا یا متعین مہر پر کسی لڑکی کی شادی کسی سے کرنا۔ مهرها کے معنی ہیں کسی کو مہر دینا (۹۳)۔

مہر کی اصطلاحی تعریف:

مہر وہ مالی حق ہے جو ایک مرد پر اس کی بیوی کے لئے عقد نکاح یا مباشرت کے نتیجہ میں

---

(۹۱) مسند احمد (۹/ ۱۳۶)۔ سنن بیہقی، کتاب النکاح، باب نکاح الآباء وغیرہم (۷/ ۱۹۰ و ۱۹۱) حدیث: ۱۳۶۷۶)۔

(۹۲) دیکھئے: احمد الغدور، الاحوال الشخصیہ فی التشریع الاسلامی، ص: ۱۴۹ و ۱۷۴۔

(۹۳) الفیروزآبادی، القاموس المحیط، تحقیق التراث فی موسسۃ الرسالۃ، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۰۶ھ، ۱۹۸۶ء، ص: ۶۱۴۔

واجب ہوتا ہے، اسے **الصداق، النحلہ، الأجر، الفریضہ، العقر** بھی کہتے ہیں (۹۴)۔

مہر کے واجب ہونے کی دلیل:

اللہ تعالی نے مردوں پر واجب کیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں کو مہر دیں۔ اس کی دلیل یہ آیات ہیں: ''**و آتو النساء نحلة**'' (۹۵) (اور عورتوں کے مہر خوشدلی کے ساتھ (فرض جانتے ہوئے) ادا کرو)۔ اور ''**فما استمتعتم به منهن فآتوهن أجورهن فريضة**'' (۹۶) (پھر جواز دواجی زندگی کا لطف تم ان سے اٹھاؤ اس کے بدلے ان کے مہر بطور فرض کے ادا کرو)۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی عورت کے دوپٹہ کو ہٹایا اور اسے دیکھا اس پر مہر واجب ہے، خواہ اس نے مباشرت کی ہو یا نہ کی ہو'' (۹۷)۔

---

(۹۴) أحمد الغندور، الاحوال الشخصیۃ فی التشریع الإسلامی، مکتبۃ الفلاح، کویت، ایڈیشن اول، ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۳، ص: ۱۹۵۔

(۹۵) النساء: ۴۔

(۹۶) النساء: ۲۴۔

(۹۷) اس حدیث کے سلسلہ میں علامہ البانی کا کہنا ہے: یہ حدیث مرفوعاً ضعیف ہے اور موقوفاً صحیح ہے، یہ حدیث اللہ کے اس قول کے مخالف ہے: ''**وإن طلقتموهن من قبل أن تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم**'' (البقرہ: ۲۳۷)۔ اس حدیث کے خلاف دوسری حدیث موقوفاً صحیح ہے، امام شافعی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کا کہنا ہے کہ اگر کوئی مرد شادی کرتا ہے، اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے لیکن اسے چھوتا نہیں ہے، پھر اسے طلاق دیتا ہے تو ایسی عورت کو نصف مہر ملے گا، کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:.... اس کے بعد انہوں نے سابقہ آیت ذکر کی۔ اس حدیث کو علامہ البانی نے سنن دارقطنی کی طرف منسوب کیا ہے۔ دیکھئے: الدارقطنی، تصحیح: عبداللہ المدنی، کتاب النکاح، باب المہر (۳/ ۲۰۷) حدیث ۲۳۲، دار المحاسن، قاہرہ، ۱۳۸۶ھ، ۱۹۶۶ء۔ دیکھئے: البانی، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ (۸۶/۳) حدیث ۱۰۱۹)۔

مہر کی قیمت:

اللہ تعالی نے شادی کے وقت مہر کو فرض قرار دیا ہے، اس کا مقصد عورت کی عزت افزائی اور دلجوئی ہے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ اگر کوئی مرد کسی لڑکی کو زیادہ مہر دیتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ لڑکی اپنی دوسری بہنوں اور رشتہ داروں سے بہتر ہے۔ مہر تو شوہر کی خوشحالی اور تنگدستی کو سامنے رکھ کر ادا کیا جاتا ہے۔ اگر زیادہ مہر دینا ہی عورت کی عزت افزائی ہوتی تو اس عزت افزائی کی سب سے زیادہ مستحق ازواج مطہرات تھیں۔ حضرت عمر بن خطابؓ کا ارشاد ہے: ''تم لوگ عورتوں کے مہر کے سلسلہ میں بہت غلو سے کام نہ لو، کیونکہ اگر یہ بات دنیا میں عزت افزائی یا آخرت میں تقوی کی ہوتی تو اس کے سب سے زیادہ مستحق نبی کریم ﷺ تھے'' (۹۸)۔

خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں سب سے کم خرچ ہو'' (۹۹)۔

ج- استمتاع ولطف اندوزی کے سلسلہ میں عورت کا حق:

استمتاع شوہر و بیوی کے درمیان ایک مشترک حق ہے۔ یہ اللہ تعالی کی جانب سے پیدا کردہ فطرت ہے جسے اس نے کائنات کے تمام جانداروں میں ودیعت کر دیا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **''ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف''** (۱۰۰) (عورتوں کے لئے بھی معروف

---

(۹۸) اسماعیل بن عمر بن کثیر الشافعی، مسند الفاروق امیر المومنین، تحقیق: عبد المعطی قلعہ جی، دار الوفاء، المنصورۃ، ایڈیشن اول، ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۱ء (۱/ ۴۰۸و۴۰۹)۔ نسائی، کتاب النکاح، باب البکر یزوجها أبوها وہی کارہۃ،ص:۲۲۹۹،حدیث:۲۵۰۳۴۔

(۹۹) مسند احمد،مسند عائشہ(۶/ ۸۳) حدیث:۲۵۰۳۴۔

(۱۰۰) البقرہ:۲۲۸۔

طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں)۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''تمہارے اہل وعیال کا تم پر حق ہے'' (۱۰۱)۔حضرت ابن عباسؓ اپنے بالوں میں کنگھا کرتے تھے اور کہتے تھے: ''میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کے لئے زینت کروں، جس طرح میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ وہ میرے لئے زینت کرے''۔سابقہ آیت کی شرح اہل تاویل اس طرح بیان کرتے ہیں: عورتوں کے لئے ان کے شوہروں پر یہ حق ہے کہ وہ معروف طریقہ سے ان کے ساتھ معاشرت اختیار کریں اور مردوں کے لئے ان کی بیویوں پر یہ حق ہے کہ وہ ان امور میں اپنے شوہروں کی اطاعت کریں جن کا ذکر اللہ نے کیا ہے (۱۰۲)۔

نبی کریم ﷺ کی ایک طویل حدیث (جسے حضرت ابوذرؓ نے روایت کیا ہے) کا ایک جزء یہ ہے:

''......اور اپنی بیوی سے مباشرت کرنا بھی صدقہ ہے، صحابہ کرامؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ، ہم تو اپنی خواہش اور شہوت پوری کرتے ہیں، کیا اس میں بھی ہمیں اجر ملتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے اگر تم میں سے کوئی اس کا استعمال حرام طریقہ سے کرتا تو کیا اسے گناہ نہ ملتا؟ لہذا اگر وہ حلال طریقہ سے اپنی خواہش پوری کر رہا ہے تو اسے اجر ملے گا'' (۱۰۳)۔

---

(۱۰۱) سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، باب فی صوم شوال (۳/ ۳۲۴) حدیث: ۲۴۳۲۔سنن الترمذی، ابواب الجمعہ، باب ماجاء فی صوم یوم الاربعاء والخمیس، ص: ۲۴۵، حدیث: ۷۴۷۔

(۱۰۲) تفسیر طبری، تعلیق: محمود شاکر (۲/ ۵۴۳، ۵۴۶) دار احیاء التراث العربی، بیروت، ایڈیشن اول، (۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۱-مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الطلاق ۲۷۱، باب ما قالوا فی قولہ: ''وللرجال علیھن درجة'' (۴/ ۱۸۳) حدیث: ۱۔

(۱۰۳) مسلم، کتاب الزکوۃ، باب بیان أن اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف، ص: ۸۳۷، حدیث: ۲۳۲۹۔

د-نفقہ کے سلسلہ میں عورت کا حق:

نفقہ کی تعریف: نفقہ کی لغوی تعریف:

أنفق المال کے معنی ہیں مال خرچ کرنا۔ **النفقة** کے معنی ہیں جو خرچ کیا جائے، اس کی جمع **نفاق** ہے۔ **الرجل المنفاق** کے معنی ہیں بہت خرچ کرنے والا۔ لہذا نفقہ وہ ہوا جسے آپ خود اپنی ذات پر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے ہیں (۱۰۴)۔

نفقہ کے اصطلاحی معنی:

بیوی، بچوں، رشتہ داروں اور ماتحتوں کے کھانے، کپڑے اور رہائش پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اسے نفقہ کہا جاتا ہے (۱۰۵)۔

نفقہ کے واجب ہونے کی دلیل:

نفقہ کی مشروعیت کو اللہ تعالی نے قرآن کریم میں اس طرح بیان فرمایا ہے: "**والوالدات يرضعن أولادهن حولين كاملين لمن أراد أن يتم الرضاعة وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف**" (۱۰۶) (جو باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدت رضاعت تک دودھ پیئے تو مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں۔ اس صورت میں بچے کے باپ کو معروف طریقہ سے انہیں کھانا کپڑا دینا ہوگا)۔ ایک دوسری جگہ پر اللہ کا ارشاد ہے: "**لينفق ذو سعة من سعته ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله**" (۱۰۷) (خوشحال آدمی اپنی خوشحالی کے مطابق نفقہ دے اور جس کو رزق کم دیا گیا ہو وہ اسی مال میں سے

---

(۱۰۴) ابن منظور، لسان العرب (۱۴/ ۲۴۳)۔

(۱۰۵) دیکھئے: احمد الغندور، الاحوال الشخصیہ فی التشریع الاسلامی، ص: ۲۴۲۔

(۱۰۶) البقرہ: ۲۳۳۔

(۱۰۷) الطلاق: ۷۔

خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے)۔

صحیح مسلم میں ایک حدیث مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں! عورتوں کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرو، تم نے انہیں اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے، تم نے اللہ کا نام لے کر ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے، تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم انہیں معروف طریقہ سے کھلاؤ اور پہناؤ'' (۱۰۸)۔ جب تک بیوی اپنے شوہر کی خاطر مصروف رہے اور اس کے بچوں کی تربیت کرتی رہے وہ اس کے جانب سے نفقہ کی مستحق ہوتی ہے، لیکن اگر عورت اپنے مائکہ میں ہو یا ایسے سفر میں ہو جس سے شوہر خوش نہ ہو یا جو سفر اس نے شوہر کی اجازت کے بغیر کیا ہو تو ایسی صورت میں اس کو نفقہ نہیں ملے گا۔ نفقہ کے وجوب کی شرطیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱- شادی صحیح طور پر منعقد ہوئی ہو۔

۲- عورت کے اندر جنسی عمل کرنے کی صلاحیت ہو۔

۳- کوئی غیر مشروع مانع شوہر کو اس کے حق کے ادا کرنے سے مانع نہ ہو، یا کوئی ایسا سبب جس کی وجہ اس کی اپنی ذات نہ ہو اس کے حق کے ادا کرنے سے مانع نہ ہو (۱۰۹)۔

موجودہ دور میں بعض شوہر اپنے گھر اور بچوں پر خرچ نہیں کرتے ہیں، اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی بیوی کام کرتی ہے اور وہ خود پر اور اپنے بچوں پر خرچ کر لیتی ہے، یا یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ میراث یا والد یا والدہ کی جانب سے ملے تحفہ کی وجہ سے بیوی کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ اس کے لئے اور اس کے بچوں کے لئے کافی ہے۔ ان ساری باتوں سے بیوی کا حق نفقہ ختم نہیں ہوتا جب تک کہ وہ شوہر کی خاطر مصروف اور مقید رہتی ہے۔ اسلام نے عورت کو ملکیت کا

---

(۱۰۸) ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجہا، ص: ۱۷۶۶، حدیث: ۱۱۶۳۔ ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حق المرأۃ علی الزوج، ص: ۲۵۵۵، حدیث: ۱۸۵۱۰، حضرت عمر بن الاحوصؓ سے مروی۔

(۱۰۹) دیکھئے: أحمد الغندور، الاحوال الشخصیہ فی التشریع الاسلامی، ص: ۲۴۵۔

حق دیا ہے۔لہذا شوہر کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی بیوی کی اجازت اور خوشی کے بغیر اس کے کچھ بھی مال کو حاصل کر سکے۔

ہ- دو بیویاں ہونے کی صورت میں تقسیم میں عدل:

اگر کسی مرد نے ایک سے زائد شادیاں کر رکھی ہوں تو بیوی کا حق شوہر پر یہ ہے کہ وہ اس کے درمیان اور بقیہ بیویوں کے درمیان عدل وانصاف سے کام لے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"**فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلاث ورباع فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدة**"(۱۱۰)(جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو، لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو)۔اسی سورہ میں اللہ تعالی مزید فرماتا ہے:"**ولن تستطيعوا أن تعدلوا بين النساء ولو حرصتم فلا تميلوا كل الميل فتذروها كالمعلقة وأن تصلحوا وتتقوا فإن الله كان غفوراً رحيماً**"(۱۱۱)(بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل کرنا تمہارے بس میں نہیں ہے۔تم چاہو بھی تو اس پر قادر نہیں ہو سکتے۔لہذا (قانون الٰہی کا منشا پورا کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ) ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتا چھوڑ دو۔اگر تم اپنا طرز عمل درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ چشم پوشی کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے)۔

جس شخص نے ایک سے زائد شادیاں کی ہوں اور ان کے درمیان عدل نہ کرتا ہو، اس کے تعلق سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:"جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک ہی کی جانب جھکا رہتا ہو تو قیامت کے دن وہ اس طرح آئے گا کہ اس کا ایک پہلو لٹکا ہوا ہوگا"(۱۱۲)۔لہذا

---

(۱۱۰) النساء:۳۔

(۱۱۱) النساء:۱۲۹۔

(۱۱۲) ابوداؤد، کتاب النکاح، ۲۸، (۲/ ۹۱۳)، باب فی القسم بین النساء، حدیث: ۲۱۳۳، دار الحدیث، قاہرہ، ۱۹۹۹ء۔

شوہر کے لئے ضروری ہے کہ وہ رہائش، حق زوجیت اور نفقہ میں تمام بیویوں کے درمیان عدل وانصاف سے کام لے، اور اپنی کسی بھی بیوی پر کسی بھی طرح کے ظلم وزیادتی سے محفوظ رہے۔

و-عورت کو نقصان نہ پہنچانا:

عورت کا ایک بنیادی اور اہم حق یہ ہے کہ شوہر اس کو کسی بھی طرح سے نقصان نہ پہنچائے، اسے اپنے قول یا فعل سے تکلیف نہ پہنچائے، نہ ہی اس کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آئے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**فأمسكوهن بمعروف أو سرحوهن بمعروف ولا تمسكوهن ضراراً لتعتدوا ومن يفعل ذلك فقد ظلم نفسه**" (۱۱۳) (یا بھلے طریقے سے انہیں روک لو یا بھلے طریقے سے رخصت کردو۔ محض ستانے کی خاطر انہیں نہ روکے رکھنا کہ یہ زیادتی ہوگی اور ایسا جو کرے گا وہ درحقیقت آپ اپنے ہی اوپر ظلم کرے گا)۔

شوہر پر بیوی کی عزت وتکریم واجب ہے، بیوی تو وہ ہے جو اپنے گھر بار کو چھوڑ کر اپنے شوہر کے پہلو میں آجاتی ہے اور اس کے لئے لباس ہوجاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "عورتوں کی عزت وہی کرتا ہے جو خود شریف ہوتا ہے اور ان کی ذلت وتوہین صرف وہی کرتا ہے جو خود ذلیل ہوتا ہے" (۱۱۴)۔ بعض شوہر سمجھتے ہیں کہ شادی شدہ زندگی میں بلند آواز سے گفتگو کرنا اور

(۱۱۳) البقرہ:۲۳۱۔

(۱۱۴) البانی، سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ (۲/۲۴۱)، ان کے مطابق یہ حدیث موضوع ہے، اسے شریف ابو القاسم علی الحسینی نے الفوائد المنتخبۃ میں روایت کیا ہے (۱۸/۲۵۶/۲)، انہوں نے اسے اپنی تاریخ میں حافظ ابن عساکر کے طریق سے روایت کیا ہے (۴/۲۸۲/۱)، ان سے ان کے بھتیجے ابو منصور بن عساکر نے الاربعین فی مناقب أمہات المومنین میں روایت کیا ہے (ص:۱۰۱، حدیث نمبر:۳۹)، انہوں نے اسے ابوعبد الغنی الحسین بن علی بن عیسی الأزدی کے طریق سے اس طرح روایت کیا ہے: **حدثنا عبد الرزاق بن همام: أنا إبراهيم بن محمد الأسلمي عن داؤد بن الحصين عن عكرمة بن خالد عن علي بن أبي طالب مرفوعاً**۔ شریف نے کہا ہے: **هذا حديث غريب... لا أعلمه رواه، إلا إبراهيم بن محمد بن أبي يحيىٰ الأسلمي**۔

خشونت کا مظاہرہ کرنا مردانگی کی علامت ہے، حالانکہ یہ سراسر غلط بات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے ازدواجی زندگی کی بنیاد باہمی محبت ومودت، اورالفت وہمدردی کوقرار دیا ہے۔عورت تو درحقیقت اس محبت کی کنجی ہے۔ کتنے ہی شوہر ایسے ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اس طرح معاملہ کرتے ہیں گویا ان کی بیویاں گھر میں رکھی ہوئی مشینیں ہوں جو تمام تر احساسات وجذبات سے عاری ہوتی ہیں، حالانکہ اللہ تعالی نے شوہروں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ نہایت نرمی سے پیش آئیں۔

ز- حضانت وپرورش کے تعلق سے ماں کا حق:

حضانت کی تعریف:

حضانت کی لغوی تعریف:

الحضن بغل سے لے کر پہلو تک کے حصہ کو کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ **الحضن** سینہ، دونوں بازو اوران کے درمیان کے حصہ کو کہتے ہیں۔اس لفظ کی جمع **احضان** ہے۔ اسی لفظ سے **احتضان** ہے جس کے معنی کسی چیز کو سینے سے لگانے کے ہیں، جیسے کہ ایک عورت اپنے بچہ کو سینہ سے لگاتی ہے اور اسے اپنے پہلو میں کرلیتی ہے۔ اسی لفظ سے **الحاضین** اور **الحاضنة** ہے، جس کے معنی دائی کے ہیں جو بچہ کی دیکھ بھال اور پرورش وپرداخت کرتی ہے۔ **حاضن** کی جمع **حضان** ہے، اوراس لفظ کی تانیث ''**الحاضنة**'' ہے(۱۱۵)۔

حضانت کی اصطلاحی تعریف:

جس کوشرعی طور پر حضانت کا حق حاصل ہے، اس کی جانب سے ایک متعین عمر میں بچے کی تربیت کرنے اوراس کے تمام امور کی دیکھ بھال کرنے کو اصطلاحی طور پر حضانت کہتے ہیں(۱۱۶)۔

---

(۱۱۵) ابن منظور، لسان العرب (۳/ ۲۲۰و۲۲۱)۔

(۱۱۶) احمد الغندور، الاحوال الشخصیہ فی التشریع الاسلامی، :۵۸۹۔

حضانت کی مشروعیت کے دلائل:

حضانت کی مشروعیت کے دلائل قرآن، حدیث اور اجماع سبھی میں ملتی ہیں، عقلی طور پر بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔

سورہ آل عمران میں اللہ کا ارشاد ہے: "**فتقبلها ربها بقبول حسن وأنبتها نباتاً حسناً و كفلها زكريا**" (۱۱۷) (آخر کار اس کے رب نے اس لڑکی کو بخوشی قبول فرمالیا، اسے بڑی اچھی لڑکی بنا کر اٹھایا، اور زکریا کو اس کا سرپرست بنادیا)۔ "**و كفلها زكريا**" کے معنی یہ ہیں کہ اس لڑکی کے والدین کی وفات کے بعد اس کے رب نے اسے زکریا کے ساتھ اس کے گھر میں کر دیا اور اسے اس کی سرپرستی میں دے دیا (۱۱۸)۔

حدیث سے دلیل:

اللہ تعالی نے بچوں کی حضانت کا حق ماں کو دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ ایک خاتون نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا: میں نے اپنے اس بیٹے کو اپنے پیٹ میں رکھا، اپنی گود میں کھلایا اور اپنے پستانوں سے اسے دودھ پلایا، لیکن اب اس کے والد نے مجھے طلاق دے دی ہے اور یہ کہتے ہیں کہ وہ اس بچہ کو مجھ سے چھین لیں گے۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تک تم دوسری شادی نہیں کر لیتی ہو تم ہی اس بچہ کی زیادہ مستحق ہو (۱۱۹)۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی نے بچہ کی حضانت کا حق ماں کو دیا ہے، یہ حق اسے اس وقت تک حاصل رہتا ہے جب تک وہ دوسری شادی نہیں کر لیتی ہے۔

---

(۱۱۷) آل عمران: ۳۷۔

(۱۱۸) تفسیر طبری، تعلیق: محمود شاکر، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۱ء (۳/ ۲۸۲ و ۲۸۳)۔

(۱۱۹) ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب من أحق بالولد، ص: ۱۳۹۱، حدیث: ۲۲۷۶۔ مسند احمد، مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص (۲/ ۱۸۲) حدیث: ۶۷۰۷۔

اجماع سے دلیل:

روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنی بیوی ''جمیلہ'' کو طلاق دے دیا۔ ان سے حضرت عمرؓ کا ایک لڑکا تھا، جس کا نام عاصم تھا۔ ان کے اور ان کی مطلقہ بیوی کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہو گیا کہ اس بچہ کی حضانت کون کرے گا، ان میں سے ہر ایک بچہ کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔ یہ مسئلہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس گیا، حضرت ابوبکرؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ بچہ اپنی ماں کے ساتھ رہے گا، انہوں نے حضرت عمرؓ نے کہا: اس بچہ کو اس کی ماں کے پاس چھوڑ دیں۔ اس کے لئے ماں کی خوشبو، اسکا لمس اور اس کا تھوک تمہارے شہد سے بھی بہتر ہے، اے عمر'' (۱۲۰)۔ یہ فیصلہ صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ہوا تھا اور ان میں سے کسی نے بھی اس فیصلہ پر اعتراض نہیں کیا تھا۔

عقلی دلیل:

بچہ کی حضانت کا حق ماں کو دیا گیا ہے، کیونکہ بچہ کے تئیں اس کے اندر زیادہ محبت اور ہمدردی کے جذبات ہوتے ہیں۔ ماں ہی بچہ کی تربیت زیادہ بہتر انداز سے کر سکتی ہے اور اس کے عمر کے ابتدائی مرحلوں میں اس کا اچھی طرح سے خیال رکھ سکتی ہے (۱۲۱)۔

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ماں اور بچہ کو ایک دوسرے سے جدا کرنے سے منع فرمایا ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شخص بھی ماں اور اس کے بچہ کے درمیان جدائی پیدا کرے گا اللہ تعالی قیامت کے دن اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان جدائی پیدا کرے گا'' (۱۲۲)۔

---

(۱۲۰) بیہقی، السنن الکبری، کتاب النفقات، باب الام تتزوج فیسقط حقہا فی حضانۃ الولد (۸/۷) حدیث: ۱۵۶۷۴۔ دیکھئے: محمد رواس قلعہ جی، موسوعۃ فقہ أبی بکر الصدیقؓ، دار الفکر، دمشق، ایڈیشن اول، ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳، ص: ۱۰۳۔

(۱۲۱) دیکھئے: احمد الغندور، الاحوال الشخصیۃ فی التشریع الاسلامی، ص: ۵۸۹۔

(۱۲۲) ترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء فی کراہیۃ الفرق بین الأخوین أو الوالدۃ وولدہا فی البیع، ص: ۱۷۸۰، حدیث: ۱۲۸۳۔ ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب النہی عن التفریق فی السبی،

ح-خلع کے سلسلہ میں عورت کا حق:

خلع کی تعریف:

خلع کی لغوی تعریف:

خَلَعَ الشیئ یخلع خلعاً درحقیقت نزع (زائل کرنا، چھیننا) کے معنی میں ہے، لیکن **خَلَع** کے اندر تھوڑی مہلت اور وقفہ کے معنی پائے جاتے ہیں۔ بعض حضرات نے **خَلَعَ** اور **نَزَعَ** کو مکمل طور پر ہم معنی قرار دیا ہے۔ **خلع النعل / الثوب / الرداء** کے معنی ہیں جوتا / کپڑا / چادر اتارنا۔ کہا جاتا ہے: **خلع امرأته خلعا** (ضمہ کے ساتھ) **و خلاعاً**، اس کے معنی یہ ہیں کہ مرد نے اپنی بیوی سے کچھ خرچ لے کر اس کو خود سے الگ کر دیا اور طلاق دے دی، لہذا ایسی عورت کو **خالع** کہیں گے۔ **فعل خلع** کا اسم **الخلعة** ہے (۱۲۳)۔

خلع کی اصطلاحی تعریف:

مال لے کر عقد نکاح ختم کرنے کو اصطلاح میں خلع کہتے ہیں (۱۲۴)۔ اگر کسی عورت کی زندگی اس کے شوہر کے ساتھ اختلافات کی شکار ہوجائے، دونوں کا ساتھ رہنا مشکل ہوجائے، اور بیوی اپنے شوہر سے علاحدگی اختیار کرنا چاہے تو اسلام نے بیوی کے لئے خلع کو مشروع قرار دیا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**الطلاق مرتان فإمساک بمعروف أو**

ص:۲۶۱۱، حدیث: ۲۲۵۰، الفاظ یہ ہیں: "**لعن رسول اللهﷺ من فرق بين الوالدة وولدها وبين الأخ وأخيه**"۔ مسند احمد، مسند ابی ایوب الانصاری (۵/ ۴۳)، حدیث: ۲۳۸۹۵، اس حدیث کے الفاظ ہیں: "**بين الأحبة يوم القيامة**"۔

(۱۲۳) ابن منظور، لسان العرب (۴/ ۱۷۸ و ۱۷۹)۔

(۱۲۴) علی بن محمد الجرجانی، التعریفات، تصحیح: علماء کی ایک جماعت، اشراف: دار الکتب العلمیہ، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء، ص:۱۰۱۔

تسريح بإحسان ولا يحل لكم أن تأخذوا مما آتيتموهن شيئاً إلا أن يخافا ألا يقيما حدود الله فإن خفتم ألا يقيما حدو دالله فلا جناح عليهما فيما افتدت به"(۱۲۵) (طلاق دوبار ہے، پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقہ سے اس کو رخصت کر دیا جائے۔ اور رخصت کرتے ہوئے ایسا کرنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو، اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ زوجین کو اللہ کے حدود پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو، ایسی صورت میں اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں حدود الٰہی پر قائم نہ رہیں گے، تو ان دونوں کے درمیان معاملہ ہو جانے میں مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علاحدگی حاصل کر لے)۔ سورہ نساء میں اللہ کا ارشاد ہے: "**فإن طبن لكم عن شيئ منه نفساً فكلوه هنيئاً مريئاً**" (۱۲۶) (البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حصہ تمہیں معاف کر دیں تو اسے تم مزے سے کھا سکتے ہو)۔

گرچہ اسلام نے بیوی کو اس کی اجازت دی ہے کہ وہ اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر اس سے خلع کا مطالبہ کر سکتی ہے، لیکن ساتھ ہی نبی کریم ﷺ نے بیوی کو یہ ہدایت بھی کی ہے کہ وہ بغیر کسی جائز وجہ کے اپنے شوہر سے خلع وطلاق کا مطالبہ نہ کرے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "جو کوئی عورت بھی اپنے شوہر سے بغیر کسی جائز وجہ کے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے اس کے اوپر جنت کی خوشبو حرام ہے" (۱۲۷)۔

جب شوہر و بیوی کے درمیان صلح کی کوئی بھی شکل باقی نہ رہ جائے تو آخری چارۂ کار کے طور پر خلع کا استعمال کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے شوہر کے لئے یہ حرام قرار دیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اس ارادہ کے ساتھ چھوڑ دے کہ وہ اس سے بالآخر خلع کا مطالبہ کرے گی، اللہ کا ارشاد ہے:

(۱۲۵) البقرہ:۲۲۹۔

(۱۲۶) النساء:۴۔

(۱۲۷) ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی الخلع، ص:۱۳۸۷، حدیث:۲۲۲۶۔ ترمذی، کتاب الطلاق، باب ما جاء فی المختعات، ص:۱۷۶۹، حدیث:۱۱۸۶۔ ابن ماجہ:۲۶۰۰، حدیث:۲۰۵۵۔

"**ولا تعضلوهن لتذهبوا ببعض ما آتيتموهن**" (۱۲۸) (اور نہ یہ حلال ہے کہ انہیں تنگ کر کے اس مہر کا کچھ حصہ اڑا لینے کی کوشش کرو جو تم انہیں دے چکے ہو)۔

لہذا یہ بات نہایت ضروری ہے کہ خلع کا استعمال صحیح طور پر کیا جائے، خلع کا استعمال کرتے وقت انسانی پہلو کی رعایت کی جائے، اور دیکھا جائے کہ خاندان اور بچوں پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔

جس طرح دین اسلام نے عورت کو خلع کا حق دیا ہے، اسی طرح اسے طلاق کا مطالبہ کرنے کا حق بھی دیا ہے، بشرطیکہ اسے اس کے شوہر سے نقصان پہنچ رہا ہو اور اس کا شوہر اس سے بدخلقی کا مظاہرہ کرتا ہو۔ اگر بیوی کا دعوی صحیح ثابت ہو جاتا ہے تو قاضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت کے مطالبہ کو نافذ کرے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**وإن يتفرقا يغن الله كلاً من سعته وكان الله واسعاً حكيماً**" (۱۲۹) (لیکن اگر زوجین ایک دوسرے سے الگ ہی ہو جائیں تو اللہ اپنی وسیع قدرت سے ہر ایک کو دوسرے کی محتاجی سے بے نیاز کر دے گا۔ اللہ کا دامن بہت کشادہ ہے اور وہ دانا و بینا ہے)۔

پنجم: عورت کے مالیاتی حقوق:

الف- ملکیت سے متعلق عورت کا حق:

اسلام نے عربوں و عجموں کے ان تمام اصول وضوابط کو باطل قرار دیا جو عورت کو حق ملکیت سے محروم کرتے تھے اور انہیں اپنے مال میں تصرف کرنے سے باز رکھتے تھے۔ اسی طرح اسلام نے شوہروں کے اس رویہ کو بھی غلط قرار دیا کہ وہ بیوی کے مال و دولت پر قابض ہو جائیں یا اسے مالی معاملات میں اپنے حق کے استعمال سے باز رکھیں (۱۳۰)۔ اسلام نے عورت کو ہر

---

(۱۲۸) النساء:۱۹۔

(۱۲۹) النساء:۱۳۰۔

(۱۳۰) کوثر المنیاوی، حقوق المرأۃ فی الاسلام، ص:۳۶۔

طرح کی ملکیت اوراس میں جائز تصرف کا حق عطا کیا۔اسلام نے عورتوں کے لئے تجارت کرنے اور حلال طریقہ سے روزی کمانے کو جائز قرار دیا۔اسلام نے شوہر کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی پر خرچ کرے،خواہ بیوی کتنی ہی مالدار ہو،اس کا سارا مال اسی کی ملکیت ہے،شوہر کو یہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ بیوی سے اس کے مال کو خرچ کرنے کا مطالبہ کرے۔

ب-میراث اور وصیت میں عورت کا حق:

اسلام سے قبل عورت کو میراث میں حصہ نہیں ملا کرتا تھا،میراث کا حق صرف مردوں کے لئے سمجھا جاتا تھا،جب اسلام آیا تو اس نے میراث میں عورتوں کا بھی حق تسلیم کیا۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''**للرجال نصيب مما ترک الوالدان والأقربون وللنساء نصيب مما ترک الوالدان والأقربون مما قل منه أو كثر نصيباً مفروضا**''(۱۳۱)(مردوں کے لئے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو،اور عورتوں کے لئے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو،خواہ تھوڑا ہو یا بہت،اور یہ حصہ(اللہ کی طرف سے)مقرر ہے)۔

اللہ تعالی نے وارث ہونے والے مرد اور عورت میں سے ہر ایک کا حصہ بھی بیان کیا ہے،اللہ کا ارشاد ہے:''**يوصيكم الله فی أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين**''(۱۳۲)(تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے)۔ عورت خواہ متوفی کی بیوی ہو یا ماں ہو،یا بہن ہو یا بیٹی،بہرصورت اسلام نے متوفی کے ترکہ میں اس کا حق اور حصہ رکھا ہے(۱۳۳)۔

---

(۱۳۱) النساء:۷۔

(۱۳۲) النساء:۱۱۔

(۱۳۳) احمد ابراہیم بک،احکام الوقف والمواریث،المطبعۃ السلفیۃ،قاہرہ،۱۳۵۵ھ،۱۹۳۷ء،ص:۲۵و۳۰۔

فصل دوم

مسلم خاتون کی سیاسی فقہ

مبحث اول: عمومی ملازمتوں سے متعلق عورت کا حق

مبحث دوم: عورت اور امامت عظمی کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق اس کا حکم

مبحث سوم: انتخابات میں ووٹ ڈالنے اور بطور امیدوار کھڑے ہونے سے متعلق عورت کا حق

مبحث چہارم: افتاء کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق عورت کا حق

مبحث پنجم: کسی وزارت کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق عورت کا حق

مبحث ششم: قضاء کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق عورت کا حق

تمہید

اول: سیاسی فقہ کی تعریف:

فقہ کے لغوی معنی: اس لفظ کے لغوی معنی ''کسی چیز کو جاننے اور سمجھنے'' کے ہیں۔ علوم دینیہ کی عظمت کے پیش نظر اس لفظ کا استعمال ''علوم دینیہ کی سمجھ'' کے لئے ہوتا ہے(۱)۔

فقہ کے اصطلاحی معنی: غور وفکر کے ذریعہ شرعی احکام کو جاننے اور سمجھنے کا نام فقہ ہے۔ کچھ لوگ اس کی تعریف اس طرح کرتے ہیں: غور وفکر اور استنباط کے ذریعہ شرعی احکام کو جاننے اور سمجھنے کا نام فقہ ہے(۲)۔ اس کی تعریف اس طرح بھی کی جاتی ہے: تفصیلی دلائل کے ذریعہ کسبی وعملی احکام شرعیہ کو جاننے اور سمجھنے کا نام فقہ ہے(۳)۔

سیاست کے لغوی معنی: کہا جاتا ہے **ساس الناس سیاسة** یعنی فلاں نے لوگوں پر حکومت وقیادت کی۔ **ساس الأمور** کے معنی ہوتے ہیں امور ومعاملات کی تدبیر کرنا اور ان کی اصلاح کرنا۔ ایسے شخص کو سائس کہتے ہیں، اس کی جمع **ساسة** استعمال ہوتی ہے(۴)۔

---

(۱) دیکھئے: الفیر وزآبادی، القاموس المحیط، ص: ۱۶۱۴۔

(۲) دیکھئے: علی بن عقیل البغدادی الحنبلی، الواضح فی اصول الفقہ، تحقیق: عبد اللہ الترکی، مؤسسة الرسالة، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹ء (۱/۷)۔

(۳) دیکھئے: الزرکشی، البحر المحیط فی اصول الفقہ، تحریر: عبد القادر العانی، وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیة، کویت، ایڈیشن دوم، ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۲ء (۱/۲۱)۔

(۴) دیکھئے: المعجم الوجیز، ص: ۳۲۷۔ القاموس المحیط، ص: ۷۱۰۔

سیاست داں کے اصطلاحی معنی: ایسا شخص جو قوم کے معاملات سے دلچسپی رکھے، انہیں بہت اچھی طرح سے سمجھے اور اپنی صحیح فکر اور رائے سے ان کا حل پیش کرے۔

اسلامی سیاست داں: ایسا مسلمان جو اسلام کا پابند ہو اور امت کے مسائل کو شرعی احکام کے ذریعہ اور اسلامی نقطۂ نظر سے حل کرے۔

سیاسی فقہ: امت کے داخلی و خارجی امور کو صحیح طرح سے اور مکمل طور پر سمجھنے، ان کے لئے تدبیر کرنے اور شریعت کے احکام و ہدایات کی روشنی میں ان کی نگرانی کرنے کا نام سیاسی فقہ ہے۔

سیاسی فقہ کی ایک تعریف یہ بھی کی جاتی ہے: سیاسی فقہ شرعی احکام کے ایسے مجموعہ کا نام ہے جو مختلف سیاسی مسائل سے متعلق ہوتے ہیں، مثلاً حکومت، ملک کا انتظام وانصرام، بیرونی روابط وغیرہ۔ یہ احکام فقہ اسلامی کے مختلف مصادر سے مستنبط ہوتے ہیں، ساتھ ہی اس میں ان عرف وتقالید کی بھی رعایت کی جاتی ہے جو اسلامی ریاست میں رائج رہی ہیں اور جو اسلامی اصولوں سے متصادم نہیں ہیں۔

سیاست کی دو قسمیں ہیں: شرعی سیاست اور غیر شرعی سیاست:

شرعی سیاست وہ ہوتی ہے جو تمام لوگوں کو شرعی نقطۂ نظر کا پابند بناتی ہے۔ خلافت دین کی حفاظت اور دنیا کی تدبیر وانتظام کا کام کرتی ہے۔

غیر شرعی سیاست وہ ہوتی ہے جو لوگوں کو ایسے انسانی نقطۂ نظر کا پابند بناتی ہے، جو دستور اور انسانی قوانین وضوابط کے شکل میں ہوتے ہیں اور جنہیں اسلامی شریعت کے بدل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور جو اسلامی شریعت سے مختلف ہوتے ہیں۔

علماء اصول فقہ نے عبادات اور معاملات کے باب میں اجتہاد کرنے والے مجتہد اور مفتی کے لئے چند شرائط بیان کی ہیں، ہمارا یہ خیال ہے کہ شرعی سیاست کے اصول کے

سلسلہ میں اجتہاد کرنے والے مجتہد اور مفتی کے لئے شرائط زیادہ سخت اور شدید ہونے چاہئیں، کیونکہ شرعی سیاست کے میدان میں جلد بازی یا دقت نظر کے فقدان کا نتیجہ نہایت بھیانک ہوتا ہے جس کا خمیازہ پوری امت کو بھگتنا پڑتا ہے، اس کے برعکس اگر عبادات ومعاملات سے متعلق کسی فتوی میں غلطی ہوجائے تو اس کا خمیازہ تو کسی ایک فرد یا ایک گروہ کو ہی بھگتنا پڑتا ہے(۵)۔

(۵) دیکھئے: محمد عبد القادر ابوفارس، الفقہ السیاسی، دار عمار، ایڈیشن اول، ۱۹۹۸ء، ص: ۱۳، ۱۴۔ خالد الفہداوی، الفقہ السیاسی الإسلامی، الاوائل، شام، ایڈیشن اول، ۲۰۰۳ء، ص: ۵۷و۸۷۔

مبحث اول:

عمومی نوکریاں کرنے سے متعلق عورت کا حق

اول: ولایت کی تعریف:

ولایت کے لغوی معنی: لفظ **الولایة** (ولایت) (واؤ کے فتحہ کے ساتھ، کبھی کبھی واو مکسور بھی ہوتا ہے) مصدر ہے، اس کا مادہ واو، لام اور یا ی (ول ی) ہے۔ اس کے معنی قرب کے ہیں، اسی سے لفظ "ولی" بنا ہے(٦)۔

امام سیبویہ کا کہنا ہے کہ **الولایة** (واو کے فتحہ کے ساتھ) مصدر ہے، اور **الولایة** (واو کے کسرہ کے ساتھ) اسم ہے۔ یہ لفظ اسی طرح اسم ہے جس طرح لفظ **الامارة** اور **النقابة** اسم ہے۔... اگر اسے بطور مصدر استعمال کرنا ہوتا ہے تو واو کو مفتوح کر دیا جاتا ہے، مندرجہ ذیل آیت میں ولایۃ کو فتحہ اور کسرہ دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے "**مالکم من ولایتهم من شیئ**"(٧)، یہاں پر اس کے معنی نصرت و مدد کے ہیں(٨)۔

الولایة کے اور بھی بہت سے معانی ہیں، مثلاً قرابت، منصوبہ، امارت، سلطان، وہ ملک جس پر والی کا قبضہ ہو جائے وغیرہ(٩)۔

---

(٦) ابن فارس، معجم مقاییس اللغۃ، تحقیق: عبد السلام ہارون، مکتبۃ الخانجی، قاہرہ، ایڈیشن ٣، ١٤٠٢ھ، (١٤١/٦)۔

(٧) انفال: ٧٢۔

(٨) ابن منظور، لسان العرب، دار بیروت، ١٣٨٨ھ (١٥/٤٠٦ و ٤٠٧)۔

(٩) المعجم الوسیط، مجمع اللغۃ العربیۃ، قاہرہ، (٢/١٠٧٠)۔

ولایت کے اصطلاحی معنی:

ولایت کے عمومی اور خصوصی معنی کے پیش نظر فقہاء نے اس کی ایک سے زائد تعریفات بیان کی ہیں، ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ انہیں بیان کرتے ہیں:

ولایت کے خصوصی معنی:

الدر المختار میں تحریر ہے: ''کسی دوسرے پر کوئی بات نافذ کرنے کو ولایت کہتے ہیں، خواہ وہ اسے پسند کرے یا اس سے انکار کرے'' (۱۰)۔ ڈاکٹر مصطفیٰ الزرقاء نے خصوصی ولایت کی تعریف اس طرح کی ہے: ''کسی بڑے، بالغ اور باشعور شخص کی جانب سے کسی نابالغ شخص کے شخصی و مالیاتی امور کی تدبیر کرنے کو فقہاء خصوصی ولایت کہتے ہیں'' (۱۱)۔

ولایت کے عمومی معنی:

صالح الجبوری نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے: ''عمومی ولایت قاضی، سلطان یا امام کو حاصل ہوتی ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو اس شخص کی ولایت حاصل ہوتی ہے جس کے امور کا وہ ذمہ دار ہوتا ہے، یا تو اس سبب سے کہ امت نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی ہوتی ہے، یا اس سبب سے کہ امت کی جانب سے ارباب حل وعقد نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی ہوتی ہے۔ لہذا وہ امت کے امور و معاملات میں آسانی پیدا کرنے اور ان کے معاملات کی تدبیر کرنے کے عمل کی نگرانی کرتا ہے۔ اسے اس شخص کی ولایت بھی حاصل ہوتی ہے جس کا شارع کی جانب سے کوئی ولی اصلاً متعین نہیں ہوتا، یا شارع کی جانب سے ابتداءً کوئی خاص ولی تو متعین ہوتا ہے لیکن وہ تمام شرائط پر پورا نہیں اترتا ہے'' (۱۲)۔

(۱۰) ابن عابدین، الدر المختار، دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۹ھ، ۱۹۷۹ء (۳/ ۵۵)۔

(۱۱) الزرقاء، المدخل الفقہی العام، مطبعۃ طربین، دمشق، ایڈیشن ۱۰، ۱۳۸۷ھ، ۱۹۶۸ء (۲/ ۸۱۷)۔

(۱۲) صالح الجبوری، الولایۃ علی النفس فی الشریعۃ الإسلامیۃ والقانون، مؤسسۃ الرسالۃ، بغداد یونیورسٹی،

مندرجہ بالا تعریف میں عمومی ولایت کے ساتھ ایسے اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے جو حکومت کی صدارت کی ذمہ داریاں سنبھال رہے ہیں یا قضاء کا عہدہ سنبھال رہے ہیں، یعنی اس تعریف میں صرف انتظامی وعدالتی اختیار کا ذکر ہے، تشریع وقانون سازی کے اختیار سے پہلوتہی کی گئی ہے، اس طرح اس تعریف میں ولایت کی ہمہ گیر سیاسی تعریف نہیں کی گئی ہے۔

مندرجہ بالا تعریف پر ایک گرفت یہ بھی کی جاتی ہے کہ اس تعریف میں قاضی کے انتخاب وتعیین کا حق عوام (یا ان کے قائم مقام ارباب حل وعقد) کو دیا گیا ہے، جس طرح کہ انہیں امام کے انتخاب کا حق حاصل ہے، حالانکہ فقہی طور پر یہ بات معروف ہے کہ قاضی کے انتخاب وتعیین کا حق امام کا حاصل ہے۔ جب امام کے ہاتھ پر امامت عظمی (یعنی ملک کی صدرات) کی بیعت کرلی جاتی ہے تو انتظامی وعدالتی اداروں کے صدر کی حیثیت سے امام کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ قاضی کا انتخاب کرے (۱۳)۔

الاشباہ والنظائر میں تحریر ہے: ''ولایت ایک شرعی وقانونی اختیار ہے۔ جسے ولایت حاصل ہوتی ہے اسے عقود ومعاہدات کرنے اور انہیں نافذ کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے'' (۱۴)۔

ولایت کی قسمیں:

ولایت کی مندرجہ ذیل دو قسمیں ہیں:

۱- **ولایت قاصرہ:** یہ وہ ولایت ہے جس میں ایک شخص کو صرف اپنی ذات اور اپنے مال پر ولایت حاصل ہوتی ہے، یعنی وہ شرعی طور پر اس کا اہل ہوتا ہے کہ وہ اپنے ذاتی ومالیاتی امور

عراق، ایڈیشن اول، ۱۳۹۶ھ، ۱۹۷۶ء، ص: ۳۲۔

(۱۳) مجید محمود ابوحجیر، المرأۃ والحقوق السیاسیۃ فی الإسلام، مکتبۃ الرشد، ریاض، ایڈیشن اول، ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۷ء، ص: ۸۵و۸۷۔

(۱۴) السیوطی، الاشباہ والنظائر، تحقیق: محمد المعتصم باللہ البغدادی، حاشیہ نمبر (۱)، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۰۷ھ، ص: ۲۸۴۔

(عقود وتصرفات) کوخود سے انجام دے سکے، ان امور کی انجام دہی کے لئے اسے کسی دوسرے شخص کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، مثلاً نکاح، خرید وفروخت، ہدیہ، اور وصیت وغیرہ۔ یہ ولایت کسی بھی شخص کے لئے اس وقت ثابت ہوتی ہے جب وہ پورے طور پر آزاد، عاقل اور بالغ ہوتا ہے اور اس پر مال میں تصرف کرنے کے سلسلہ میں کسی طرح کی پابندی نہیں ہوتی ہے۔

۲- ولایت متعدیہ: یہ وہ ولایت ہے جس میں ایک شخص کو دوسرے شخص پر ولایت حاصل ہوتی ہے، بالفاظ دیگر یہ ایک شرعی اختیار ہے جو ولی کو دوسرے کے امور ومعاملات میں تصرف کی اجازت دیتا ہے۔ کسی بھی انسان کو ولایت متعدیہ اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ اسے خود اپنی ذات پر ولایت حاصل ہو۔ لہذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ولایت متعدیہ درحقیقت ولایت قاصرہ کی ہی ایک فرع ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء کسی کے حق میں ولایت متعدیہ اسی وقت ثابت کرتے ہیں جب کہ اسے ولایت قاصرہ حاصل ہو، لہذا ایک غلام جسے اپنی ذات پر ولایت حاصل نہیں ہوتی ہے اسے کسی دوسرے کی بھی ولایت حاصل نہ ہوگی۔

عموم وخصوص کے پیش نظر ولایت متعدیہ کی قسمیں:

اپنے مفہوم کی وسعت کے اعتبار سے ولایت متعدیہ کی دو قسمیں ہیں: عمومی ولایت، اور خصوصی ولایت۔

۱-عمومی ولایت:

اس ولایت میں عوام پر عمومی تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے۔

بالفاظ دیگر عمومی ولایت ایک شرعی اختیار ہے جو معاشرہ کے عمومی امور ومعاملات میں ولی کو صحیح طریقہ سے تصرف کرنے کا حق دیتا ہے، مثلاً سلطان اور حاکم جسے اپنی رعیت پر عمومی ولایت حاصل ہوتی ہے کیونکہ قوم نے یا قوم کے ارباب حل وعقد نے اس سے بیعت کی ہوتی ہے۔ اسی طرح قاضی کو بھی ولایت عمومی حاصل ہوتی ہے جسے حاکم اپنا نائب قرار دیتا ہے۔

امارت اور وزارت کی ولایت بھی عمومی ولایت کے ضمن میں آتی ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک حکومت کے کاموں کو آسان کرنے اور اس کی تدبیر وانتظام کرنے میں لگا ہوتا ہے۔

۲-خصوصی ولایت:

اس ولایت میں ولی کو کسی متعین شخص کے کسی متعین معاملہ میں تصرف کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ یہ ولایت کسی شخص کو یا تو اصلاً شارع کی طرف سے ہی حاصل ہوتی ہے مثلاً باپ اور دادا کی بچوں پر ولایت، یا اصل شخص کی نیابت کے طور پر حاصل ہوتی ہے مثلاً نگراں وسرپرست اور وقف کا متولی وغیرہ۔

موضوع کے اعتبار سے ولایت کی قسمیں:

موضوع کے اعتبار سے ولایت کی دو قسمیں ہیں: ولایت علی النفس، اور ولایت علی المال۔

۱-ولایت علی النفس:

ولایت علی النفس کا مطلب یہ ہے کہ مولی علیہ کی جان سے متعلق مختلف امور میں صحیح تصرف کیا جائے اور اس کی ولادت سے لے کر بلوغت اور شادی تک اس کے مصالح ومنافع کی نگرانی کی جائے۔ ولایت علی النفس کے ضمن میں تین طرح کی ولایتیں آتی ہیں:

الف- پرورش وپرداخت (حضانت) کی ولایت: یہ وہ ولایت ہے جس میں مولی علیہ کی ولادت سے لے کر چیزوں میں تمیز کرنے والی عمر تک نگہداشت کی جاتی ہے۔

ب- کفالت کی ولایت: یہ وہ ولایت ہے جس میں مولی علیہ کی ''چیزوں میں تمیز کرنے اور عورتوں کی خدمت سے مستغنی ہوجانے والی عمر'' سے لے کر ''عاقل وبالغ ہوجانے والی عمر'' تک تعلیم وتربیت اور تادیب پر توجہ دی جاتی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب لڑکی بلوغت کی عمر کو پہنچ جاتی ہے تو اس سے ولی کی ولایت ختم ہوجاتی ہے (اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان

اختلاف پایا جاتا ہے)۔

ج-شادی کرنے کی ولایت: شریعت نے ولی کو مولی علیہ کی شادی کرنے کا حق دے رکھا ہے۔

شادی کرنے کی ولایت کی بھی دو شکلیں ہیں، یا تو یہ ''ولایت اجباری'' ہوتی ہے، یعنی ولی کو مولی علیہ کی شادی کرنے کا حق مطلقاً حاصل ہوتا ہے، اسے مولی علیہ کی خواہش اور اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، اور یہ شادی نافذ بھی ہوجاتی ہے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب مولی علیہ ''اہلیت'' سے محروم ہو مثلاً ابھی وہ ایسا بچہ ہو جو چیزوں میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا یا مجنون ہو، یا مولی علیہ کے اندر ''اہلیت'' تو ہو، لیکن اس کی اہلیت ناقص ہو مثلاً وہ بچہ جو چیزوں میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس ولی کو مولی علیہ پر اجباری ولایت حاصل ہوتی ہے مثلاً باپ کو اپنی نابالغ اور غیر شادی شدہ بچی پر ولایت اجباری حاصل ہے۔

شادی کرنے سے متعلق ولایت کی دوسری شکل ''اختیاری'' ہے، یعنی ولی کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ مولی علیہ کو شادی پر مجبور کرے، بلکہ اسے مولی علیہ کی خواہش اور ارادہ کی رعایت کرنی ہوتی ہے اور مولی علیہ کی اجازت اور رضا سے ہی شادی مکمل ہوتی ہے۔ یہ وہ ولایت ہے جو ایک ولی کو ایک بالغ وعاقل اور کامل اہلیت والی لڑکی پر ہوتی ہے، خواہ لڑکی کنواری ہو یا کنواری نہ ہو۔

۲-ولایت علی المال:

ولایت علی المال ایک شرعی اختیار ہے جو ولی کو عقود ومعاہدات کرنے، مالی تصرفات کرنے اور انہیں نافذ کرنے کا حق دیتا ہے۔ یہ ولایت مولی علیہ کے مال سے متعلق تمام حقوق (خواہ اس کے مالی حقوق دوسروں پر ہوں یا دوسروں کے مالی حقوق اس پر ہوں) کو شامل ہے۔ لہذا ولی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مولی علیہ کے مال کی حفاظت کرے۔ اسے ضائع ہونے، ہلاک

ہونے اور غیروں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رکھے۔ جائز طریقہ سے اس کے مال کی سرمایہ کاری کرے اور اس میں اضافہ کی کوشش کرے۔ ولی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس مال کو مولی علیہ کے کھانے، کپڑے اور تعلیم پر معروف طریقہ سے خرچ کرے، یا ان پر خرچ کرے جن کے نفقہ کی ذمہ داری مولی علیہ کے اوپر ہو۔ ولی کو چاہئے کہ وہ اسراف وبخل سے بچتے ہوئے مال کو صرف جائز جگہوں پر ہی خرچ کرے۔ ولی کی یہ ذمہ داری ہے کہ ولایت کے اختتام تک وہ مولی علیہ کے مال کو نہایت امانت داری سے خرچ کرے اور ولایت کے ختم ہونے کے بعد مولی علیہ کا مال اس کے سپرد کردے۔

مصدر کے اعتبار سے ولایت کی قسمیں:

مصدر وماخذ کے اعتبار سے ولایت کی دو قسمیں ہیں: ذاتی ولایت، اور کسبی ولایت۔

۱- ذاتی ولایت:

یہ وہ ولایت ہے جو کسی شخص کے لئے ابتداء سے ہی ثابت ہوتی ہے، یہ ولایت کسی دوسرے سے ماخوذ نہیں ہوتی۔ شارع ایسے شخص کے لئے براہ راست ولایت ثابت کرتا ہے، کسی ایسے سبب کی وجہ سے جو اس سے اس طرح متصل ہوتا ہے کہ اسے اس سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ ولایت کی اس قسم کو نہ ہی ختم کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس سے دست برداری اختیار کی جاسکتی ہے، مثلاً باپ یا دادا کی نابالغ بچہ پر ولایت۔ یہ ولایت ولادت کے سبب ثابت ہوتی ہے، اور ولادت ایک ذاتی امر ہے جو بچہ سے کسی بھی حال میں ساقط نہیں ہوسکتا۔ اس ولایت کو ''ولایت اصلیہ'' بھی کہتے ہیں۔

۲- کسبی ولایت:

یہ وہ ولایت ہے جو شارع کی اجازت سے کسی دوسرے سے ماخوذ ہوتی ہے، اس

طرح ''کسبی ولی'' دوسرے کی نیابت میں یہ ولایت حاصل کرتا ہے، خواہ دوسرا ولی ''ولی خاص'' ہومثلاً باپ اور دادا یا ''ولی عام'' ہومثلاً سلطان اور حاکم (۱۵)۔

دوم: عورت اور عمومی ملازمتوں سے متعلق حکم:

مندرجہ بالا گفتگو سے ہمارے سامنے ولایت کا معنی ومفہوم سامنے آچکا ہے۔ اب ہم اس مسئلہ پر گفتگو کریں گے کہ عمومی ملازمتوں کے تعلق سے عورت کا کیا حق ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ قرآن کریم میں کوئی بھی ایسی آیت نہیں ہے جو عورت کو ایسی ملازمت سے منع کرتی ہو جو اس کے مزاج وطبیعت سے موافقت رکھتی ہو اور جس کے کرنے پر خود وہ قدرت رکھتی ہو۔ کیونکہ اصل شرعی اصول یہ ہے کہ مرد وعورت دونوں ہی تمام امور میں یکساں ومساوی ہیں، سوائے چند ان امور کے جن کے بارے میں خود نصوص میں خصوصیت کے ساتھ ذکر ہے کہ وہ دونوں ان میں یکساں ومساوی نہیں ہیں۔

قرآن کریم میں کوئی ایک بھی ایسی نص نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ عورت وہ کام نہیں کرسکتی جس کے کرنے کی قدرت وہ اپنے اندر مکمل طور پر اسی طرح رکھتی ہو جس طرح کہ ایک مرد، بلکہ قرآن کے نصوص سے اس کے برعکس ہدایات ملتی ہیں، بعض نصوص سے پتہ چلتا ہے کہ عمومی امور اور مصالح عامہ میں مرد وعورت کو ایک دوسرے کا معاون ہونا چاہئے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض'' (۱۶) (مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں)، ایک دوسرے کے رفیق ہونے کا مطلب

---

(۱۵) دیکھئے: حافظ محمد انور، ولایۃ المرأۃ فی الفقہ الاسلامی، دار بلنسیۃ للنشر والتوزیع، ریاض، ایڈیشن اول، ۱۴۲۰ھ، ص: ۲۹ و ۳۵۔ دیکھئے: محمد طعمہ سلیمان القضاۃ، الولایۃ العامۃ للمرأۃ فی الفقہ الاسلامی، اشراف اور مراجعہ: مصطفیٰ احمد الزرقاء، دار النفائس، اردن، ایڈیشن اول، ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹۸ء، ص: ۱۴ و ۲۶۔

(۱۶) التوبہ: ۷۱۔

یہ ہے کہ وہ منافع ومصالح کے حصول کے لئے ایک وسرے کی مدد کرتے ہیں۔ایک حدیث صحیح میں مذکور ہے: ''باہمی جذبۂ ہمدردی، رحم اور محبت میں آپ مومنوں کو ایک جسم کے مانند پائیں گے، کہ اگر جسم کے کسی ایک حصہ کو تکلیف پہنچتی ہے تو اس کی وجہ سے پورا جسم ساری رات جاگ کر اور بخار کی حالت میں گذار دیتا ہے'' (۱۷)۔ایک دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں: '' ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت بخشتا ہے'' (۱۸)۔

کسی شخص کا یہ سوال ہوسکتا ہے کہ قوامیت والی آیت یعنی ''**الرجال قوامون علی النساء**'' (۱۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کوئی بھی ایسا کام نہیں کرسکتی ہے جس کے نتیجہ میں اسے چند مردوں کی بھی سربراہی حاصل ہو۔لیکن درحقیقت آیت بالا کا یہ مفہوم مراد لینا درست نہیں ہے، کیونکہ اس آیت کے سبب نزول پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں مرد کی سربراہی کا ذکر صرف خاندان کے دائرہ میں کیا گیا ہے، عمومی ملازمتوں سے اس آیت کا تعلق نہیں ہے۔مذکورہ بالا مسئلہ کی مخالفت میں یہ آیت پیش کرنا بھی مناسب نہیں ہے: ''**ولا تتمنوا ما فضل الله به بعضكم على بعض للرجال نصيب مما اكتسبوا وللنساء نصيب مما اكتسبن واسألوا الله من فضله**'' (۲۰) (اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ دیا ہے اس کی تمنا نہ کرو۔جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ۔ہاں، اللہ سے اس کے فضل کی دعا مانگتے رہو)۔

---

(۱۷) بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبہائم، ص۵۰۸، حدیث:۶۰۱۱۔مسلم، کتاب البر، باب تراحم المومنین، ص:۱۱۳۰، حدیث:۶۵۸۶، دوسرے الفاظ کے ساتھ۔

(۱۸) بخاری، کتاب الصلاۃ، باب تشبیک الأصابع، ص:۴۰، حدیث: ۴۸۱۴۔مسلم، کتاب البر، باب تراحم المومنین، ص:۱۱۳۰، حدیث:۶۵۸۵۔

(۱۹) النساء:۳۴۔

(۲۰) النساء:۳۵۔

اس آیت کے سبب نزول کے طور پر یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ، مرد جنگ کرتے ہیں اور ہم نہیں کرتے ہیں، اور ہمیں تو نصف میراث ملتی ہے، اس موقع پر اللہ تعالی نے مندرجہ بالا آیت نازل کی (۲۱)۔

قرآن کریم میں تو کوئی بھی ایسی آیت نہیں پائی جاتی جو عورت کو عمومی ملازمتوں کے اختیار کرنے سے روکتی ہو۔ ذیل میں ہم غور کریں گے کہ کیا حدیث میں اس طرح کی کوئی نص موجود ہے؟

بعض معاصر علماء وفقہاء کا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث "**لن یفلح قوم ولوا أمرهم امرأة**" (۲۲) (وہ قوم کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنے معاملات یعنی حکومت وریاست کسی عورت کے سپرد کر رکھا ہو) سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت عمومی ملازمتیں بھی نہیں کرسکتی ہے۔ حالانکہ اس حدیث کے پس منظر پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ الفاظ اس وقت کہے تھے جب آپ ﷺ کو یہ خبر ملی تھی کہ اہل فارس نے کسری کی بیٹی کو اپنا حکمراں بنایا ہے۔ حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے لئے کسری کا کوئی بیٹا بچا نہیں تھا، کیونکہ اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کی بددعا کے نتیجہ میں ان سب کو ختم کر دیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے خلاف اس وقت بددعا کی تھی جب کسری نے آپ کے خط کو پھاڑ دیا تھا۔ اللہ تعالی نے

(۲۱) ترمذی، کتاب تفسیر القرآن (۵) باب "ومن سورة النساء" (۵/۲۳۷) حدیث: ۳۰۲۲۔ المستدرک علی الصحیحین، کتاب التفسیر، تفسیر سورة النساء (۳/۲۸) حدیث: ۳۲۴۸، دار المعرفة، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹۸ء۔ تفسیر الطبری، ابن جریر الطبری (۵/۴۶) مصطفیٰ البابی الحلبی، ایڈیشن ۳، ۱۳۸۸ھ، ۱۹۸۶۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: محمد البناء ودیگر، دار الشعب، مصر (۲/۲۵۰)۔

(۲۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی إلی کسری وقیصر، ص: ۳۶۳، حدیث ۴۴۲۵، اور باب الفتن نمبر: ۱۸، حدیث: ۷۰۹۹۔ جامع الترمذی، کتاب الفتن باب (۶۴) (۶/۵۴۱) حدیث: ۲۳۶۵۔

آپ ﷺ کی دعا قبول کی اور انہیں بری طرح سے تباہ و برباد کر دیا، وہ سب خود ہی ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کر دیئے گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں ایک عورت کو اپنا حکمراں بنانا پڑا، اور اس طرح ان کی حکومت مکمل طور پر تہس نہس ہوگئی (۲۳)۔

یہ بات مکمل طور پر واضح ہے کہ یہ حدیث ریاست کی صدارت سے متعلق ہے۔ امام ابن حزمؒ اپنی کتاب المحلی میں تحریر کرتے ہیں: ''ہم کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہ بات عمومی امر یعنی خلافت کے تعلق سے کہی ہے'' (۲۴)۔

لیکن کیا اس حدیث کے حکم میں ولایت کی دوسری قسمیں اور ریاست کے اندر پائی جانے والی عمومی ملازمتیں بھی شامل ہیں؟

بعض معاصر فقہاء کا خیال ہے کہ اس حدیث کا حکم صرف ''امامت عظمیٰ'' کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کے یہ الفاظ ہیں ''**ولوا أمرهم**''۔ ان الفاظ کا محل شاہد یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں اس تعبیر کا استعمال ''عمومی صدارت'' کے لئے ہوتا ہے تھا۔ کسی اور معنی و مفہوم میں اس کا استعمال نہیں ہوتا تھا۔ امام قرطبی نے ایک عنوان قائم کیا ہے: ''**ذكر الخبر عما جرى بين المهاجرين والأنصار في أمر الإمارة في سقيفة بني ساعدة**''۔ اس میں انہوں نے تحریر کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور کہا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد ہم یہ امر (یعنی صدارت و سیادت) سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے انصار سے کہا تھا کہ اس ''امر'' میں تم لوگ ہی فیصلہ کرو، اس کا اختیار عام عوام کو ہی حاصل ہوتا ہے، تو انصار نے ان سے کہا تھا ''**نوليك هذا**

(۲۳) السید عبد الرحیم عنبر الطھاوی، ہدایۃ الباری إلی ترتیب صحیح البخاری، دار الرائد العربی، ایڈیشن ۴، ۱۳۹۰ھ، ۱۹۷۰، (۲/ ۱۴۵)۔

(۲۴) ابن حزم الظاہری، المحلی بالآثار، تحقیق: عبد الغفار البند اری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۸ء (۸/ ۵۲۸)۔

الأمر"، یعنی یہ صدارت وسیادت ہم آپ کو سونپتے ہیں۔

اس موقع پر مہاجرین نے کہا تھا "علام تنازعوننا هذا الأمر"، یعنی تم لوگ کس بنیاد پر اس امر (یعنی صدارت وسیادت کے مسئلہ) میں ہم سے اختلافات کر رہے ہو۔ اسی طرح اس اصطلاح کا استعمال حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ نے بھی کیا تھا (۲۵)۔

لہذا ہر دور کے علماء کا اس بات پر اتفاق رہا ہے کہ اسلامی ریاست میں صدارت کا عہدہ صرف مردوں کے لئے مخصوص ہے (۲۶)۔ اور صدارت کا عہدہ عمومی ملازمت کے ضمن میں نہیں آتا۔

خلاصہ کلام:

گذشتہ گفتگو سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قرآن وحدیث کے نصوص کی روشنی میں عورت کے لئے عمومی ملازمتوں کا اختیار کرنا جائز ہے، البتہ ریاست کی صدارت کا عہدہ وہ اختیار نہیں کر سکتی ہے۔ عمومی ملازمتوں کے اختیار کرنے کے تعلق سے بھی چند اصول وضوابط ہیں جن کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے:

۱- ملازمت کی نوعیت ایسی نہ ہو کہ اس کے نتیجہ میں عورت کو اپنے ستر کے کسی حصہ کو کھولنا پڑے، یا وہ جنسی ہیجان انگیزی کا سبب بنے یا کسی بھی طرح سے فسق وفجور کا سبب بنے۔

۲- ایسی ملازمت نہ ہو جس میں عورت کو مرد سے خلوت میں ملنا پڑتا ہو۔ یہ حکم تمام تر ملازمت ونوکری سے متعلق ہے۔

---

(۲۵) دیکھئے: ابن جریر الطبری، تاریخ الطبری، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم، دار المعارف، مصر، ایڈیشن ۴، (۳/۲۱۸)۔

(۲۶) دیکھئے: ابن رشد، بدایۃ المجتہد، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر (۲/۴۲۱)۔ دیکھئے: الجوینی، غیاث الأمم فی التیاث الظلم، تحقیق: فؤاد عبدالمنعم اور مصطفی حلمی، دار الدعوۃ، اسکندریہ، ص: ۹۷۔

۳- ملازمت عورت کی طبیعت وفطرت اور اس کی شخصیت سے مناسبت رکھتی ہو۔

۴- اگر عورت شادی شدہ ہے تو اس کی ملازمت کے لئے شوہر کی رضامندی ضروری ہے۔ اگر شوہر محسوس کرے کہ بیوی کی ملازمت کی وجہ سے اس کے ذاتی کاموں یا گھر کے کاموں میں خلل واقع ہو رہا ہے تو وہ بیوی کو ملازمت سے روک بھی سکتا ہے، بشرطیکہ بیوی نے شادی کے وقت یہ شرط نہ رکھی ہو کہ وہ شادی کے بعد بھی مسلسل ملازمت کرے گی۔ ایسی شرطوں کے سلسلہ میں ہم مذہب حنبلی (۲۷) پر عمل کرتے ہوئے انہیں درست قرار دیتے ہیں، ان کی پابندی ضروری ہے (۲۸)۔

(۲۷) ابن قدامہ المقدسی، المغنی (۶/ ۵۴۸ و ۵۴۹)۔

(۲۸) دیکھئے: محمد بلتاجی، مکانۃ المرأۃ فی القرآن الکریم والسنۃ الصحیحۃ، دار السلام للطباعۃ والنشر، قاہرہ، ایڈیشن اول، ۱۴۲۰ھ۔ ۲۰۰۰ء، ص: ۲۴۸ و ۲۶۱۔

مبحث دوم:

عورت اور امامت عظمی کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق اس کا حکم

ولایتِ امامت:

امامت کی لغوی تعریف:

الأَم (فتحہ کے ساتھ) کے معنی قصد وارادہ کرنے کے ہیں، اس کا فعل أم یؤم ہے۔ أممه، تأممه، تيممه، أم القوم، أم بهم، ان کے معنی آگے ہونے (تقدمهم) کے ہیں۔اسی سے لفظ الإمامة (امامت) ماخوذ ہے، الامام ہر اس شخص کو کہتے ہیں جس کی اقتداء لوگ کریں خواہ وہ لوگ راہیاب ہوں یا گمراہ، .. أتم به کے معنی اقتداء کرنے کے ہیں (۲۹)۔

امامت کی اصطلاحی تعریف:

امامت کی اصطلاحی تعریف بیان کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے امامت کی قسمیں بیان کردی جائیں۔امامت کی دو قسمیں ہیں: امامت عظمی، اور امامت صغری۔

۱-امامت عظمی:

امامت عظمی کا اطلاق کسی ریاست کی صدارت پر ہوتا ہے، اس کے لئے تین

---

(۲۹) دیکھئے: ابن منظور، لسان العرب (۱/ ۲۱۲ و ۲۱۴)۔

(۳۰) الطحاوی، حاشیۃ الطحاوی علی الدر المختار، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۹۵ھ (۱/ ۲۳۸)۔

اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں: خلافت، امارت، اور امامت۔ ان تینوں کا معنی ومفہوم یکساں ہے، لہذا جو شخص مسلمانوں کے امور ومعاملات کی دیکھ بھال اور نگہبانی کرتا ہے اسے خلیفہ، امیر المومنین یا امام کہا جاتا ہے۔

امام طحاوی امامت کے تعلق سے تحریر کرتے ہیں: ''امامت درحقیقت ایک عمومی صدارت ہے جس کا مقصد لوگوں کے دینی ودنیوی مصالح ومنافع کی حفاظت اور انہیں مضرت رساں چیزوں وباتوں سے باز رکھنا ہے''(۳۰)۔

امام جوینی نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے: ''امامت ایک مکمل صدارت اور عمومی قیادت ہے جو امام کو دینی ودنیوی امور میں ہر خاص وعام پر حاصل ہوتی ہے''(۳۱)۔

امام قلقشندی امامت کی تعریف کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: ''پھر اس کا اطلاق امامت عظمی پر ہونے لگا۔ امامت عظمی ایک عمومی ولایت ہے جو ایک شخص کو پوری امت پر حاصل ہوتی ہے، وہی امت کے تمام امور ومعاملات کی نگہبانی کرتا ہے اور ان کی پریشانیوں کا حل پیش کرتا ہے(۳۲)۔

۲-امامت صغری:

امامت صغری کا تعلق نماز کی امامت سے ہے۔ فقہاء کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ عورت نماز کی امامت کرسکتی ہے یا نہیں۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ فقہاء کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں:

---

(۳۱) الجوینی، غیاث الأمم فی التیاث الظلم، تحقیق: فؤاد عبدالمنعم اور مصطفی حلمی، ص: ۱۵۔

(۳۲) النقشبندی، مآثر الإنافۃ فی معالم الخلافۃ، تحقیق: عبدالستار فراج، عالم الکتب، بیروت، (۸/۱)۔

الف-عورت کا مردوں کی امامت کرنا:

مذہب حنفی (۳۳)، مذہب مالکی (۳۴)، مذہب شافعی (۳۵)، اور مذہب حنبلی (۳۶) کے جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ عورت مردوں اور مخنث کی امامت نہیں کرسکتی۔

ب-عورت کا عورتوں کی امامت کرنا:

حنفی (۳۷) اور مالکی (۳۸) فقہاء کا یہ کہنا ہے کہ عورت عورتوں کی امامت نہیں کرسکتی، خواہ وہ فرض نماز ہو یا نفل۔ البتہ احناف نے عورت کی امامت کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ احناف کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر عورتیں جماعت سے نماز ادا کریں اور کوئی عورت ان کی امامت اس طور پر کرے کہ وہ ان کی صف کے درمیان میں کھڑی ہو تو یہ درست اور جائز ہے۔

---

(۳۳) دیکھئے: الکاسانی، بدائع الصنائع (۱/۴۲۶)۔ الموصلی، الاختیار لتعلیل المختار، تحقیق: طہ المزینی ومحمد خفاجی، ایڈیشن اول، المطبعۃ المنیریہ، ۱۳۷۶ھ، (۱/۷۵)۔

(۳۴) دیکھئے: حاشیۃ الخرشی وبالہامش حاشیۃ العدوی، دار صادر، بیروت (۲/۲۲)۔

(۳۵) دیکھئے: النووی، روضۃ الطالبین، المکتب الاسلامی، بیروت، ایڈیشن ۲، ۱۴۰۵ھ، ۱۹۸۵ء (۱/۳۵)۔ الشافعی، الام، تصحیح: محمد النجار، دار المعرفۃ، بیروت (۱/۱۶۴)۔

(۳۶) ابن قدامہ، المقنع اور اس پر شیخ محمد بن عبدالوہاب کے پوتے شیخ سلیمان کا حاشیہ (۱/۲۰۶)، ایڈیشن ۳، قطر، ۱۳۹۳ھ۔ ابن مفلح، المبدع، المکتب الاسلامی، ۱۴۰۰ھ، ۱۹۸۰ء (۲/۷۲)۔

(۳۷) دیکھئے: ابو القاسم، التفریع، تحقیق: حسن الدہمانی، دار الغرب الاسلامی، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۰۸ھ، (۱/۲۲۳)۔ ابن عبدالبر، الکافی، تحقیق: محمد احید، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض، ایڈیشن اول، ۱۳۹۸ھ، ۱۹۷۸ء، (۱/۲۱۰)۔ الدردیر، الشرح الصغیر مع بلغۃ السالک، شرکۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۳۷۲ھ (۱/۱۵۶)۔

(۳۸) دیکھئے: حافظ انور، ولایۃ المرأۃ فی الفقہ الاسلامی، ص: ۱۹۵ و ۲۰۰۔

مذہب شافعی (۳۹) اور مذہب حنبلی (۴۰) کے جمہور فقہاء اور کچھ دیگر علماء (۴۱) کی رائے ہے کہ عورتوں کا جماعت سے نماز پڑھنا مستحب ہے، اس صورت میں ان عورتوں کی امامت کوئی عورت ہی کرے گی جو ان کے صف کے درمیان میں ان کے ساتھ ہی کھڑی ہوگی، وہ آگے کو بڑھ کر امامت نہیں کرے گی، خواہ فرض نماز ہو یا نفل۔

مالکی فقہاء نے عورت کی امامت کو صراحت کے ساتھ حرام قرار دیا ہے، اگر کوئی عورت کی اقتداء میں نماز پڑھے تو مالکی حضرات کے یہاں اس کی نماز نہیں ہوتی۔

البتہ میں جمہور فقہاء کے قول کو راجح سمجھتی ہوں جن کا یہ کہنا ہے کہ عورت عورتوں کی امامت کرسکتی ہے، اس سلسلہ میں جمہور فقہاء کے دلائل بھی کافی پختہ اور مضبوط ہیں (۴۲)۔

عورت اور امامت عظمی کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق اس کا حکم:

گزشتہ صفحات میں ہم نے یہ جانا کہ عورتوں کی امامت صغری کا کیا حکم ہے، اب ہم یہ گفتگو کریں گے کہ اگر عورت امامت عظمی کا عہدہ سنبھالتی ہے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے (۴۳)۔

اس سلسلہ میں فقہاء کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے، کچھ لوگ اس کے جواز کے قائل

---

(۳۹) النووی، روضۃ الطالبین (۱/ ۳۵۰ و ۳۵۱)۔ الشافعی، الام (۱/ ۱۶۴)۔

(۴۰) ابن مفلح، المبدع (۲/ ۹۴)۔

(۴۱) ابن قدامۃ، المغنی، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء (۲/ ۱۹۹)۔ الشوکانی، السیل الجرار، تحقیق: محمود ابراہیم زائد، دار الکتب العلمیۃ، ایڈیشن اول، ۱۴۰۵ھ، ۱۹۸۵ء (۱/ ۲۵۱)۔ عبد الرزاق، المصنف، تحقیق: حبیب الرحمٰن الاعظمی، منشورات المجلس العلمی، ایڈیشن اول، ۱۳۹۰ھ، ۱۹۷۱ء (۳/ ۱۴۰)۔ السید سابق، فقہ السنۃ، دار الکتاب العربی، بیروت، ایڈیشن دوم، ۱۳۹۲ھ (۱/ ۲۳۷)۔

(۴۲) دیکھئے: ملا خسرو، درر الحکام، مطبعۃ دار السعادۃ، ۱۳۲۹ھ (۱/ ۸۶)۔ ابن نجیم، البحر الرائق، (۱/ ۳۵۲)۔

(۴۳) تفصیل کے لئے دیکھئے: عبد الرزاق احمد السنہوری، فقہ الخلافۃ وتطورہا لتصبح عصبۃ أمم شرقیۃ، تحقیق: نادیہ السنہوری اور توفیق الشاوی، مؤسسۃ الرسالہ، دمشق، ایڈیشن اول، ۱۴۲۲ھ، ۲۰۰۱ء۔

ہیں تو کچھ لوگ اس کے جواز کے قائل نہیں ہیں، عدم جواز کے قائلین کی تعداد زیادہ ہے۔ ذیل میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے:

اول: عدم جواز کے قائلین:

حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی علماء وفقہاء، الاحکام السلطانیہ کے علماء اور جدید فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ عورت امامت عظمی کا عہدہ نہیں سنبھال سکتی ہے، کیونکہ ان حضرات کے یہاں امامت عظمی کا عہدہ سنبھالنے کے لئے متفقہ شرط ''مرد ہونا'' ہے، ذیل میں اس رائے کے حق میں دلائل پیش کئے جارہے ہیں:

۱- حنفی فقیہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں: ''آمدی نے لکھا ہے کہ امامت کی متفق علیہ شرطیں آٹھ ہیں: اس شخص کے اندر احکام شرعیہ میں اجتہاد کرنے کی صلاحیت ہو۔ جنگی امور اور فوجیوں کی تدبیر وانتظام سے متعلق بصیرت رکھتا ہو۔ وہ اس قدر مضبوط و پختہ ہو کہ حدود کے قائم کرنے، گردن مارنے اور مظلوم کو ظالم سے انصاف دلانے میں تردد نہ ہو۔ وہ عادل ہو، متقی و پرہیزگار ہو، بالغ ہو، مرد ہو، آزاد ہو، حکم کو نافذ کرنے والا ہو، اس کی اطاعت کی جاتی ہو، اور جو اس کی اطاعت نہ کرے اسے زیر کرنے پر وہ قادر ہو'' (۴۴)۔

۲- مالکی مسلک کی کتاب شرح مختصر الجلیل میں تحریر ہے: ''امامت عظمی کا عہدہ سنبھالنے والے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ عادل ومنصف ہو، مرد ہو، دور اندیش ہو، اور صاحب علم ہو'' (۴۵)۔

۳- مسلک شافعی کے جلیل القدر عالم وفقیہ امام نووی امامت عظمی کا عہدہ سنبھالنے والے کے لئے ضروری شرائط کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''(ضروری ہے کہ) وہ مکلّف ہو،

---

(۴۴) الاشباہ والنظائر مع شرح الحموی، طبع، ادارۃ قرآن، کراچی (۲/۲۶۶)۔

(۴۵) محمد علیش، شرح مختصر الجلیل علی مختصر خلیل، قاہرہ (۱۴/۱۴۱)۔

مسلمان ہو، عادل ہو، آزاد ہو، صاحب علم ہو، مجتہد ہو، بہادر ہو اور صاحب رائے ہو'' (۴۶)۔

۴- حنبلی مسلک سے متعلق کتاب المبدع میں مذکور ہے: ''امامت عظمی کا عہدہ صرف وہی شخص سنبھال سکتا ہے جو مسلمان، آزاد، مرد، مکلّف، عادل، مجتہد، بہادر، اطاعت کے لائق، صاحب رائے، سننے والا اور دیکھنے والا ہو'' (۴۷)۔

۵- امام فراء نے الاحکام السلطانیہ میں امامت عظمی کے چند شرائط کا ذکر کیا ہے، ان شرائط سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی عورتوں کے لئے امامت عظمی کا عہدہ تسلیم نہیں کیا ہے۔

''...دوم: امامت عظمی کے عہدہ کے امیدوار کو ان صفات کا حامل ہونا چاہئے جو صفات ایک قاضی بننے کے لئے ضروری قرار دی گئی ہیں''۔ جمہور فقہاء کے یہاں یہ بات معروف ومشہور ہے کہ عورت قضاء کا عہدہ نہیں سنبھال سکتی ہے (۴۸)۔

۶- جن معاصر علماء کا یہ خیال ہے کہ عورت امامت عظمی کا عہدہ نہیں سنبھال سکتی ان میں شیخ محمد الغزالی کا بھی شمار ہوتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلام عورت کو ریاست کی صدارت کا عہدہ سنبھالنے کے لائق نہیں سمجھتا، اس لئے اسلام نے مسلمانوں کو تلقین کی ہے کہ وہ اس منصب پر عورت کا انتخاب نہ کریں (۴۹)، کیونکہ اس منصب کے تحت ایسے دینی وسیاسی امور انجام دینے پڑتے ہیں جو ایک عورت کی صلاحیت وقدرت سے باہر ہیں، اسی لئے عورت کو مطلق ولایت حاصل نہیں ہے (۵۰)۔

---

(۴۶) النووی، روضۃ الطالبین، المکتب الاسلامی، بیروت، ایڈیشن دوم، ۱۴۰۵ھ، ۱۹۸۵ء (۱۰/ ۴۲)۔

(۴۷) ابن مفلح، المبدع، المکتب الاسلامی، ۱۴۰۰ھ، ۱۹۸۰ء (۱۰/ ۱۰)۔

(۴۸) دیکھئے: الفراء، الاحکام السلطانیہ، تعلیق: محمد حامد الفقی، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء، ص: ۱۹-۲۰۔

(۴۹) دیکھئے: محمد الغزالی، حقوق الانسان بین تعالیم الاسلام واعلان الامم المتحدہ، دار الدعوۃ، اسکندریہ، ایڈیشن اول، ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۳ء، ص: ۱۲۵۔

(۵۰) دیکھئے: عبد الحکیم حسن محمد، الحریات العامۃ فی الفکر والنظام السیاسی فی الاسلام: دراسۃ مقارنۃ،

ڈاکٹر عبدالغنی محمود لکھتے ہیں: ''اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عورت کے اندر کسی طرح کی کمی ونقص ہے یا اس کی قدر ومنزلت میں کمی ہے، بلکہ درحقیقت (عورت کو امامت عظمی کے عہدہ سے علاحدہ رکھ کر) اس کی عزت وتکریم کی گئی ہے، اس کی عصمت وعفت کی حفاظت کی گئی ہے اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ وہ نسلوں کی تعمیر میں اپنا اہم کردار ادا کرے'' (۵۱)۔

عدم جواز کے قائلین کے دلائل:

عدم جواز کے قائلین کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱-قرآن کریم:

الف- اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما أنفقوا من أموالهم**'' (۵۲) (مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں)۔

وجہ استدلال:

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: ''یعنی مرد عورتوں پر خرچ کرتے ہیں اور ان کی حفاظت کرتے ہیں، علاوہ ازیں مردوں کے درمیان حکام، امراء اور جنگ کرنے والے ہوتے ہیں، جب کہ عورتوں کے درمیان ایسے لوگ نہیں ہوتے'' (۵۳)۔

ڈاکٹریٹ، عین شمس یونیورسٹی، قاہرہ، ص: ۲۸۷۔ مجید ابوحجیر، الحقوق السیاسیۃ، ص: ۱۳۰ و ۱۳۱۔

(۵۱) عبدالغنی محمود، حقوق المرأۃ فی القانون الدولی العام والشریعۃ الاسلامیۃ، دار النہضۃ العربیۃ، قاہرہ، ایڈیشن اول، ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۱ء، ص: ۶۶ و ۶۷۔

(۵۲) النساء: ۳۴۔

(۵۳) قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب (۱۶۸/۵)۔

تفسیر رازی میں تحریر ہے: ''اور جان لو کہ عورتوں پر مردوں کی فضیلت کے کئی وجوہ واسباب ہیں۔ان میں سے بعض حقیقی صفات ہیں، جبکہ بعض شرعی احکام ہیں۔ جہاں تک حقیقی صفات کا تعلق ہے تو جان لو کہ حقیقی فضائل کا مرجع دو باتیں ہیں: علم اور قوت وقدرت۔اس میں کوئی شک نہیں کہ مردوں کے پاس عقل اور علم زیادہ ہوتا ہے۔اسی طرح اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ مرد مشقت بھرے کام کرنے پر زیادہ قادر ہوتے ہیں: ان دو اسباب کی بنیاد پر مردوں کو عورتوں پر عقل ودانشمندی، قوت وقدرت اور شہسواری ونیزہ بازی میں فضیلت حاصل ہے۔ مردوں ہی میں انبیاء وعلماء ہوتے ہیں، انہی کو امامت کبری وامامت صغری کا حق حاصل ہے، جہاد کے لئے وہی نکلتے ہیں اور اذان وخطبہ بھی وہی دیتے ہیں...''(۵۴)۔

امام شوکانی اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مراد یہ ہے کہ مرد عورتوں کی حفاظت اسی طرح کرتے ہیں جس طرح حکام اور امراء اپنی رعایا کی حفاظت کرتے ہیں۔اسی طرح مرد خرچ، کپڑے اور رہائش سے متعلق عورتوں کی ضروریات بھی پوری کرتے ہیں۔اللہ تعالی کے قول ''**بما فضل الله**'' میں مبالغہ کا صیغہ سببیت کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔اسی طرح ''**بعضهم على بعض**'' کی ضمیر مردوں اور عورتوں کے لئے استعمال کی گئی ہے، یعنی مردوں کو یہ خصوصیت وامتیاز اس لئے حاصل ہے کیونکہ اللہ نے مردوں کو عورتوں پر اس طرح سے فضیلت دی ہے کہ انہیں میں خلفاء، سلاطین، حکام، امراء اور جنگجو وغیرہ پیدا ہوتے ہیں''(۵۵)۔

ب- عدم جواز کے قائلین اس آیت کو بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں: ''**وقرن في بيوتكن**''(۵۶)(نبی کی بیویو) اپنے گھروں میں ٹک کر رہو)۔

---

(۵۴) رازی، التفسیر الکبیر، دار الکتب العلمیہ، طہران، ایڈیشن دوم (۱۰/۸۸)۔

(۵۵) الشوکانی، فتح القدیر، دار الفکر، بیروت ۱۴۰۳ھ (۱/۴۶۰)۔

(۵۶) الاحزاب: ۳۳۔

وجہ استدلال:

مذکورہ بالا آیت میں "قرن" یا تو لفظ "الوقار" (وقر یقر وقاراً) سے ماخوذ ہے، جس کے معنی سکونت اختیار کرنے کے ہیں، یا پھر لفظ "القرار" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی کسی جگہ پر ٹھہرنے کے ہیں۔

اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کی بیویوں کو حکم دیا تھا کہ وہ گھروں میں ہی رہیں اور گھروں سے کسی ضرورت کے تحت ہی نکلیں۔ یہ حکم صرف نبی کریم ﷺ کی ازواج کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس کے حکم میں تمام مسلم خواتین شامل ہیں (۵۷)۔

امام قرطبی تحریر فرماتے ہیں: ''اس آیت میں گھروں میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ گرچہ اس آیت کی مخاطب نبی کریم ﷺ کی بیویاں تھیں لیکن اس کے معنی ومفہوم میں دیگر خواتین بھی شامل ہیں۔ اس آیت کے مفہوم میں تمام خواتین کے شامل ہونے سے متعلق گرچہ کوئی دلیل نہیں ہے، لیکن پھر بھی اس میں تمام خواتین شامل ہیں، کیونکہ شریعت اسلامی نے اس بات پر زور دیا ہے کہ خواتین اپنے گھر پر ہی رہیں اور بغیر کسی ضرورت کے گھر سے نکلنے سے پرہیز کریں'' (۵۸)۔

۲- حدیث نبوی:

الف- عدم جواز کے قائلین دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں: حضرت

---

(۵۷) دیکھئے: قرطبی، الجامع لاحکام القرآن (۱۴/ ۱۷۸)۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار الحدیث، قاہرہ، ایڈیشن اول، ۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۸ء (۲۰/ ۴۶۴)۔ ابن باز، خطر مشارکۃ المرأۃ للرجل فی میدان عملہ، ایک خاص اشاعت میں شائع شدہ مضمون، منقول از مجلۃ التوعیۃ الاسلامیۃ فی الحج، عدد ۱۱، ۱۶/ ۱۲/ ۱۳۹۸ھ، دار طیبہ، ص: ۶۰۔ محمد فریحہ، حقوق المرأۃ المسلمۃ فی القرآن والسنۃ، المکتب الاسلامی، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۶ء، ص: ۶۲۔

(۵۸) الجامع لاحکام القرآن (۱۴/ ۱۷۹)۔

ابوبکرہؓ (۵۹) کہتے ہیں: جنگ جمل کے دنوں میں اللہ نے مجھے ایک ایسے جملہ کے ذریعہ فائدہ پہنچایا (اور رہنمائی فرمائی) جو میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا، حالانکہ میں نے تقریباً فیصلہ کرلیا تھا کہ اصحاب جمل سے جاملوں اور انہی کی طرف سے جنگ کروں۔ حضرت ابوبکرہؓ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا کہ اہل فارس نے کسری کی بیٹی کو اپنا حکمراں بنالیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "**لن يفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة**" (۶۰) (یعنی وہ قوم کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنی قیادت وسیادت ایک عورت کے ہاتھ میں دے رکھی ہو)، ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: "**لن يفلح قوم أسندوا أمرهم إلى امرأة**" (۶۱) اور ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: "**لا يفلح قوم تملكهم امرأة**" (۶۲)۔

وجہ استدلال:

یہ حدیث اپنے سند ومتن کے اعتبار سے "صحیح" ہے۔ امت میں اس حدیث کو قبول

---

(۵۹) نفیع بن الحارث بن کلدۃ الثقفی، ان کو ابن مسروح بھی کہا جاتا ہے۔ اپنی کنیت سے مشہور ہیں۔ آپ کا شمار جلیل القدر صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ العجلی لکھتے ہیں: آپ کا شمار اجلہ صحابہ میں ہوتا ہے، وہ طائف کے قلعہ سے نبی کریم ﷺ کے ساتھ آئے تھے، لہذا آپ ابوبکرہؓ کے نام سے مشہور ہوگئے۔ طائف میں ہی انہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا، تو آپ ﷺ نے انہیں آزاد کردیا۔ دیکھئے: ابن حجر، تقریب التہذیب، تحقیق: محمد عوامہ، دار الرشید، شام، ایڈیشن ۲، ۱۴۰۸ھ، ص: ۵۶۵، نمبر: ۷۱۸۰۔ تہذیب التہذیب، مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ، ہندوستان، ایڈیشن اول، ۱۳۲۶ھ، (۱۰/ ۴۶۹ و ۴۷۰)۔

(۶۰) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی إلی کسری وقیصر، ص: ۳۶۳، حدیث ۴۴۲۵، اور باب الفتن نمبر: ۱۸، حدیث: ۷۰۹۹۔ جامع الترمذی، کتاب الفتن باب (۶۴) (۶/ ۵۴۱) حدیث: ۲۳۶۵۔

(۶۱) مسند ابوداؤد الطیالسی (۳/ ۱۱۸) حدیث ۸۷۸، ایڈیشن اول، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدرآباد، دکن، ہندوستان، ایڈیشن اول، ۱۳۲۱ھ۔ مسند احمد (۵/ ۳۸ و ۴۷)۔

(۶۲) مسند احمد (۵/ ۴۳)۔

عام حاصل ہے۔ یہ حدیث علماء، مفسرین، محدثین، شارحین حدیث، فقہاء اور اسلامی سیاست سے دلچسپی رکھنے والوں کے درمیان بہت مشہور ہے۔ اس حدیث سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ عورت امامت عظمی، خلافت، ریاست یا وزارت کی صدارت اور کسی قوم کی قیادت کا عہدہ نہیں سنبھال سکتی ہے، کیونکہ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ (جن کی صدق وسچائی میں کچھ بھی شک وشبہ نہیں کیا جاسکتا) نے یہ خبر دی ہے کہ وہ لوگ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتے جو اپنی قیادت وسیادت کسی عورت کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عدم فلاح اور ناکامی ایک ضرر ہے، بلکہ سب سے بڑا ضرر ہے، اور ضرر سے محفوظ رہنا واجب ہے۔ لہذا ان چیزوں سے بھی محفوظ رہنا اور اجتناب کرنا واجب ہے جو ضرر کا سبب بنتے ہوں، کیونکہ جس چیز کے بغیر واجب کی تکمیل نہ ہوسکے وہ بھی واجب ہوتا ہے'' (۶۳)۔ معلوم ہوا کہ عورت کی ولایت سے اجتناب کرنا بھی واجب ہے، کیونکہ ان چیزوں اور باتوں سے اجتناب کرنا بھی واجب ہے جو عدم فلاح اور ناکامی کا سبب بنتے ہوں۔

اس حدیث میں عموم پایا جاتا ہے، اس میں تمام قومیں اور عورتیں شامل ہیں، خواہ ان کا تعلق کسی بھی زمانہ اور کسی بھی ملک سے ہو۔ مندرجہ بالا حدیث میں لفظ ''قوم'' نکرہ ہے اور اس کا استعمال نفی کے سیاق میں ہوا ہے، یہی حال لفظ ''امرأۃ'' کا ہے، اور جب نفی کے سیاق میں نکرہ کا استعمال کیا جاتا ہے تو اس کے معنی میں عمومیت پائی جاتی ہے اور اس میں تمام افراد شامل ہوجاتے ہیں (۶۴)۔ لہذا تمام وہ اقوام یا کوئی بھی ایسی قوم جو اپنی قیادت وسیادت کسی عورت کے سپرد کرتی ہے وہ کامیاب نہیں ہوسکتی۔ یہ نبی کریم ﷺ کا حکم ہے اور اس میں اسلامی وغیر اسلامی

(۶۳) دیکھئے: ابوالحسین محمد بن علی الطیب المعتزلی، تفسیر القاعدۃ فی المعتمد فی اصول الفقہ، مقدمہ: خلیل المیس، دارالکتب العلمیہ، بیروت (۱/ ۹۳و۹۶)۔

(۶۴) دیکھئے: ابو الوفاء علی بن عقیل البغدادی الحنبلی، الواضح فی أصول الفقہ، تحقیق: عبد اللہ الترکی، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۰ء (۱/ ۳۶)۔

دونوں ہی نظام شامل ہیں، کیونکہ اس حدیث کا سبب ورود یہ ہے کہ اہل فارس نے ایک عورت کو اپنی قیادت سونپ دی تھی (۶۵)۔

امام شوکانی نیل الاوطار میں تحریر فرماتے ہیں: ''یہ حدیث دلیل ہے کہ عورت کو ولایت حاصل نہیں ہے، اور نہ ہی کسی قوم کے لئے یہ درست ہے کہ وہ عورت کو کوئی عہدہ دے۔ کیونکہ ایسی چیزوں اور باتوں سے اجتناب کرنا جو ناکامی وعدم فلاح کا سبب ہوں، واجب ہے (۶۶)۔

اس حدیث کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: ''حضرت ابوبکرہؓ والی حدیث کے ظاہر سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ حضرت عائشہؓ کی رائے کو کمزور اور غلط قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکرہؓ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ حضرت عائشہؓ کی اصلاح بین الناس (لوگوں کے درمیان صلح وصفائی کرانے) والی رائے سے وہ متفق تھے۔ حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھ موجود لوگوں کا ارادہ جنگ وقتال کا نہیں تھا، لیکن جب جنگ چھڑ گئی تو ان لوگوں کے لئے جنگ کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار بھی نہیں تھا۔ حضرت ابوبکرہؓ حضرت عائشہؓ کی رائے سے پیچھے نہیں ہٹے، بلکہ انہوں نے اپنی فراست سے محسوس کرلیا کہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ موجود لوگ مغلوب ہوجائیں گے، کیونکہ انہوں نے اہل فارس کے تعلق سے نبی کریم ﷺ کی حدیث سن رکھی تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کسی نے بھی یہ بات نقل نہیں کی ہے کہ حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھ موجود لوگوں کا حضرت علیؓ سے اختلاف خلافت کے سلسلہ میں تھا، بلکہ ان لوگوں کو حضرت علیؓ سے شکایت یہ تھی کہ وہ قاتلین عثمان سے قصاص نہیں لے رہے

(۶۵) حافظ محمد انور، ولایۃ المرأۃ فی الفقہ الاسلامی، دار بلنسیۃ للنشر والتوزیع، ریاض، ایڈیشن اول، ۱۴۲۰ھ، ص: ۹۵ و ۱۰۱۔ عارف علی عارف، تولی المرأۃ منصب القضاء بین تراثنا الفقہی والواقع المعاصر، دار النفائس، عمان، ایڈیشن اول، ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹ء، ص: ۲۳ و ۲۴۔ الامین الحاج محمد احمد، حکم تولی المرأۃ الإمامۃ الکبری والقضاء أو أن تکون وزیرۃ، دار المطبوعات الحدیثۃ، جدہ، ایڈیشن اول، ۱۴۱۰ھ، ۱۹۸۹ء، ص: ۳۵ و ۴۲)۔

(۶۶) الشوکانی، نیل الاوطار، انصار السنۃ المحمدیہ، لاہور، (۸/ ۲۷۴)۔

ہیں''(٦٧)۔

امام بغوی لکھتے ہیں: ''تمام لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت نہ ہی امام بن سکتی ہے اور نہ ہی قاضی، کیونکہ امام کو جہاد کے لئے اور مسلمانوں کے امور و معاملات کی نگہبانی کے لئے باہر نکلنا ہوتا ہے''(٦٨)۔

ب- حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آ کر نبی کریم ﷺ کو خوشخبری دی کہ آپ کے لشکر کو کامیابی مل گئی ہے۔ آپ کا سر مبارک حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا، آپ اٹھ بیٹھے، اور سجدہ میں جا پڑے۔ جب آپ ﷺ سجدہ سے اٹھے تو اس شخص سے تفصیل بتانے کے لئے کہا، جو اس نے آپ کو بتائی۔ اس نے دشمن کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے یہ بھی کہا: ''ان کی سربراہ ایک عورت تھی''۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: جب مرد عورتوں کی اطاعت کرتے ہیں تو ہلاک ہو جاتے ہیں''(٦٩)۔

علامہ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، وہ اس حدیث کے تعلق سے حاکم کی تصحیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''حاکم نے بکار کی سوانح میں جو کچھ ذکر کیا ہے یہاں پھر وہ خود اس سے غافل ہو گئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس حدیث کی اصل وہ ہے جو بخاری میں ''**لن یفلح قوم**'' کے الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ جہاں تک مذکورہ بالا الفاظ کا تعلق ہے تو وہ ضعیف ہے، کیونکہ ان الفاظ کا راوی ضعیف ہے اور اس نے روایت کرنے میں خطا کی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان الفاظ کے معانی بھی علی الاطلاق درست نہیں ہیں، کیونکہ یہ بات صحیح حدیث سے

---

(٦٧) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، دار الریان للتراث، ابواب کی ترتیب: محمد فؤاد عبد الباقی، تصحیح و اخراج: محبّ الدین الطیب، مراجعہ: قصی الدین الطیب، قاہرہ، ایڈیشن اول، ١٤٠٧ھ، ١٩٨٧ء (١٣/ ٦٠ و ٦١)۔

(٦٨) بغوی، شرح السنہ، تحقیق: شعیب الارناؤوط، المکتب الاسلامی، بیروت، ایڈیشن اول، ١٤٠٣ھ، ١٩٨٣ء (١٠/ ٧٧)۔

(٦٩) حاکم، المستدرک علی الصحیحین، حاکم کا کہنا ہے: یہ حدیث سنداً صحیح ہے، ذہبی بھی ان سے متفق ہیں (٤/ ٢٩١)۔ مسند احمد (٥/ ٤٥)۔

ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کے دن حضرت ام سلمہؓ کی بات مانی (یعنی اطاعت کی) تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب نبی کریم ﷺ کے حکم کے بعد بھی صحابہ کرامؓ اپنے جانوروں کی قربانی نہیں کر رہے تھے، حضرت ام سلمہؓ نے آپ ﷺ کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے جانور کی قربانی کر دیں، جب صحابہ کرامؓ دیکھیں گے کہ آپ ﷺ نے قربانی کر دی ہے تو وہ بھی قربانی کر دیں گے۔ لہذا نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی کیا، اور اس کے بعد صحابہ کرامؓ نے بھی اپنے جانوروں کی قربانی کر دی (۷۰)۔

میں کہتا ہوں: اگر ہم یہ کہیں کہ ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ عورتوں کی قیادت وولایت ہلاکت کا سبب ہے نہ کہ محض ان کی اطاعت کرنا اور بات ماننا (۷۱)۔

۳۔ عقلی دلیل:

اللہ تعالی نے عورتوں اور مردوں کے مزاج اور طبیعت میں بہت فرق رکھا ہے۔ ریاست کی قیادت وصدارت کے لئے جسمانی قوت اور سخت قوت ارادی کی ضرورت ہوتی ہے، جو ایک عورت کے اندر نہیں پائی جاتی۔ عورت کے جسم کو تو سکون اور راحت کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ وہ بچوں کو جنم دیتی ہے اور پھر ان کی پرورش و پرداخت اور تربیت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ ماں ہونے کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں عورت پر عائد ہوتی ہیں وہ دیگر تمام ذمہ داریوں سے بڑھ کر ہیں۔ ریاست کی قیادت کے لئے فارغ اوقات اور مرد معاونین کی ضرورت پڑتی ہے۔

---

(۷۰) بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد، ص: ۲۱۷ و ۲۱۸، حدیث: ۲۷۳۱ و ۲۷۳۲۔ بیہقی، کتاب جماع ابواب الاحصار، باب من احصر بعدو وہو محرم (۵/ ۳۵۲ و ۳۵۳) حدیث: ۱۰۰۷۶ و ۱۰۰۷۷۔

(۷۱) البانی، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ، المکتب الاسلامی، ایڈیشن ۵، ۱۴۰۵ھ (۱/ ۴۳۴ و ۴۳۵)۔

ہر ملک اور حکومت کے کچھ دوست ملک ہوتے ہیں اور کچھ دشمن ملک۔ ہمارے دور کی عورت کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ ان دو مختلف ذمہ داریوں کو یکجا کر سکے اور انہیں بحسن وخوبی انجام دے سکے۔ اس سے عورت کے مقام ومرتبہ میں کمی واقع نہیں ہوتی، بلکہ درحقیقت ان ذمہ داریوں سے دور رکھ کر اس کی عزت وتکریم کی گئی ہے اور اس کے نسوانی جذبات کی رعایت کی گئی ہے۔

دوم: جواز کے قائلین:

چند لوگوں کا خیال ہے کہ عورت امامت عظمی کا عہدہ سنبھال سکتی ہے۔ اس رائے کے حاملین شبیبیہ فرقہ (۷۲) کے لوگ ہیں، جن کا تعلق خوارج سے ہے۔ بغدادی نے تحریر کیا ہے: ''شبیب (۷۳) اپنے متبعین کے ساتھ نکل (خارج ہو) گیا۔ وہ اور اس کے متبعین'' پہلے

(۷۲) ان لوگوں کو شبیبیہ اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی نسبت شبیب بن یزید کی طرف ہے، جس کی کنیت ابوصحاری تھی، ان لوگوں کو صالح بن مسدح الخارجی کی جانب منسوب کرتے ہوئے ''صالحیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ الفرق بین الفرق، تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید، دارالمعرفۃ، بیروت، ص: ۱۰۹ و ۱۱۰۔

(۷۳) ابوالضحاک شبیب بن یزید بن نعیم الشیبانی الخارجی نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں بغاوت کی تھی۔ اس وقت حجاج بن یوسف الثقفی عراق میں تھا۔ شبیب نے موصل میں بغاوت کی تھی۔ حجاج نے اس کی سرکوبی کے لئے پانچ سو لوگوں کا لشکر بھیجا جنہیں شبیب نے ایک ایک کر کے قتل کر دیا، اور پھر شبیب نے خلافت کا دعوی کر دیا۔ اس کے بعد حجاج اور شبیب کے درمیان کئی جنگیں ہوئیں جن میں حجاج کو شکست ہوئی۔ پھر عبدالملک نے شام سے حجاج کے پاس بہت بڑا لشکر بھیجا جس کے امیر سفیان بن الابرد تھے۔ وہ لشکر کے ساتھ کوفہ پہنچے، ان کے ساتھ حجاج بھی تھا، شبیب کے مقابلہ میں ان لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی، لہذا شبیب کو شکست ہوئی، اور غزالہ اور اس کی ماں قتل کر دی گئیں۔ شبیب نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ فوارس میں پناہ لی۔ سفیان نے شام کے لشکر کے ساتھ اس کا پیچھا کیا او راسے اہواز میں جالیا۔ شبیب پیچھے کی جانب مڑا، جب وہ دجیل کے پل پر پہنچا تو اس کا گھوڑا بدک گیا، اس پر بڑا بھاری لوہا تھا، گھوڑے نے اسے پانی میں ڈال دیا اور وہ اسی میں غرق ہوگیا۔ ابن خلقان، وفیات الاعیان، تحقیق: احسان عباس، دارصادر، بیروت (۲/ ۴۵۴ و ۴۵۵)۔

محکمہ'' کی رائے سے متفق تھے۔ یہ لوگ دیگر تمام خوارج سے اس سلسلہ میں منفرد ہیں کہ ان کے یہاں عورت کے لئے امامت عظمی کا عہدہ سنبھالنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ لوگوں کے امور ومعاملات کی نگہبانی کرے اور ان کے مخالفین سے بغاوت کرے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ شبیب کی موت کے بعد اس کی ماں غزالہ امام تھیں۔ جب شبیب کوفہ میں داخل ہوا تو اس نے وہاں کی جامع مسجد کے منبر پر اپنی والدہ کو چڑھایا اور انہوں نے خطبہ دیا۔ شبیب کا فتنہ چار سال تک باقی رہا، پھر ایک رات اس نے کوفہ پر حملہ بول دیا، اس حملہ میں اس کے ساتھ غزالہ (۷۴) اور اس کی بیوی جہیزہ (۷۵) تھیں، ان کے ساتھ مزید سو خوارج خواتین تھیں، ہر ایک کے ہاتھوں میں تلوار اور نیزے تھے، اس کے ساتھ قبیلہ بنوشیبان کے ایک ہزار مرد بھی تھے، ان لوگوں نے مسجد کے نگہبان کو قتل کر دیا، پھر شبیب کی ماں نے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا۔ اس واقعہ کے بعد حجاج شبیب کے مقابلہ کے لئے نکلا، اس نے دجلہ کے کنارے شبیب سے جنگ کی، شبیب دجلہ میں غرق ہو گیا'' (۷۶)۔

(۷۴) تراجم کی کتابوں میں مذکور ہے کہ غزالہ شبیب کی بیوی تھی نہ کہ ماں۔ یہی صحیح ہے۔ الفرق بین الفرق میں اس کے برعکس لکھا ہے۔ غزالہ شہسوار، بہادر اور صاحب بیان خاتون تھی۔ حجاج کے خلاف بہت سی جنگوں میں غزالہ شریک قتال رہی، ان میں سے بعض جنگوں میں حجاج بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ کسی نے حجاج کو اس واقعہ پر عار دلاتے ہوئے یہ اشعار بھی کہے:

أُسد عليّ وفي الحروب نعامة	فتحاء تنفر من صفير الصافر
هلا برزت إلى غزالة في الوغى	بل كان قلبك في جناحي طائر

دیکھئے: بغدادی، الفرق بین الفرق، ص: ۱۱۰ و ۱۱۱۔ عمر رضا کحالہ، اعلام النساء، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ایڈیشن ۱۰، ۱۴۱۲ھ، ۱۹۹۱ء (۴/ ۷، ۸)۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، تحقیق: احسان عباس (۲/ ۴۵۴)۔ احمد بن یعقوب (یعقوبی) تاریخ الیعقوبی، دار صادر، بیروت (۲/ ۲۷۴)۔

(۷۵) جہیزہ بہت بہادر اور ماہر شہسوار تھی، جنگوں میں شریک ہوا کرتی تھی، حماقت و بیوقوفی میں اس کی مثال دی جاتی تھی، لہذا کہا جاتا تھا: أحمق بن جہیزۃ۔ عمر رضا کحالہ، اعلام النساء (۱/ ۲۲۲)۔

(۷۶) بغدادی، الفرق بین الفرق، تحقیق: محمد محی الدین عبد الحمید، دار النفائس، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۳۹۴ھ،

موجودہ دور میں بعض لوگوں نے شذوذ کی راہ اختیار کرتے ہوئے امت کے فقہاء کی مخالفت کی ہے۔ان حضرات کا کہنا ہے کہ عورت عمومی ولایت کے منصب سے سرفراز ہوسکتی ہے۔ عورت خلیفہ اور ریاست کی صدر ہوسکتی ہے۔ان حضرات کا کہنا ہے کہ ان مناصب اور عہدوں کو سنبھالنے کے تعلق سے اسلام نے جس طرح مردوں کو اجازت دی ہے، اسی طرح عورتوں کو بھی اجازت دی ہے(۷۷)۔

کسی عورت کی جانب سے ریاست کی صدارت وقیادت کا عہدہ سنبھالنے کی بابت ڈاکٹر عبدالحمید متولی کا خیال ہے کہ ''اس مسئلہ پر بھی اسی طرح عمل کرنا چاہئے جس طرح حکومت کے دیگر نظاموں کے جزئیات پر عمل کیا جاتا ہے۔اس مسئلہ کا حل ہر زمان ومکان کے معاشرتی ماحول، رائے عامہ اور عوامی بھلائی کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے پیش کرنا چاہئے۔امت کی بھلائی کو سامنے رکھتے ہوئے ماحول وحالات اس مسئلہ کا جو بھی حل پیش کریں ہمیں اس راہ میں دین کی جانب سے کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کرنی چاہئے''(۷۸)۔

ظافر القاسمی نے اپنی کتاب ''**نظام الحكم فى الشريعة والتاريخ الاسلامى**'' میں اس رائے کی تائید کی ہے۔جو لوگ حدیث نبوی ''**لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة**''(۷۹)

۱۹۷۴ء،ص:۱۰۹و۱۱۰۔ظافر القاسمی،نظام الحکم فی الشریعۃ والتاریخ(۱/ ۳۴۳و۳۴۴)۔

(۷۷) دیکھئے: عبد الحمید متولی، مبادئ نظام الحكم فى الاسلام، منشأة المعارف، اسکندریہ، ایڈیشن ۴، دسمبر ۱۹۷۸ء، ص:۴۴۳۔محمد الغزالی، السنۃ النبویۃ بین أہل الفقہ واہل الحدیث، دار الشرق، ایڈیشن ۴، ۱۹۸۹ء،ص:۴۹و۵۲۔رفیع اللہ شہاب،منصب الحکومۃ والمرأۃ المسلمۃ، لاہور،۱۹۸۹ء، ص:۶۲۔

(۷۸) عبدالحمید متولی،مبادئ نظام الحکم فی الاسلام،ص:۴۴۳و۴۴۴۔

(۷۹) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی إلی کسری وقیصر،ص:۳۶۳، حدیث ۴۴۲۵، اور باب الفتن نمبر: ۱۸، حدیث:۷۰۹۹۔ جامع الترمذی، کتاب الفتن باب (۶۴) (۵۴۱/۶) حدیث:۲۳۶۵۔

سے استدلال کرتے ہیں ان پر رد کرتے ہوئے ظافر القاسمی لکھتے ہیں: ''علماء اصول فقہ نے استدلال کے قواعد وضوابط متعین کئے ہیں، استدلال کے ایک قاعدہ کے مطابق'' خصوصی سبب کا اعتبار کیا ہے نہ کہ لفظ کے عموم کا''، یعنی حدیث نبوی میں وارد حکم صرف اسی واقعہ تک محدود ہے جس کے سلسلہ میں وہ بات کہی گئی ہے۔ اگر چہ حدیث کے الفاظ عام ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کا حکم بھی عام ہو۔ لہذا یہ بات معلوم ہوئی کہ عورت کو ریاست کی صدارت کا عہدہ سنبھالنے سے باز رکھنے کے سلسلہ میں یہ حدیث حجت نہیں ہوسکتی'' (۸۰)۔

بعض حضرات نے ملک وریاست کا صدر اور وزیر اعظم کے درمیان فرق کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ صدر کا عہدہ سب سے اعلی ہے اور وزیر اعظم صدر کے ماتحت ہوتا ہے، لہذا اگر ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ شریعت نے عورت کو صدر کے عہدہ پر سرفراز ہونے کی اجازت نہیں دی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک عورت وزیر اعظم بھی نہیں ہوسکتی ہے۔ یہ رائے سیدہ زینب الغزالی کی ہے (۸۱)۔

لیکن یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ ہمارے دور کی حکومتوں کے وزراء اعظم بسا اوقات قانون سازی کرتے ہیں اور حاکم کے ساتھ مل کر دستور وضع کرتے ہیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ مذاہب اربعہ کے فقہاء اور دیگر فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت امامت عظمی کے عہدہ پر سرفراز نہیں ہوسکتی، اس منصب وعہدہ پر سرفراز ہونے کے لئے ''مرد ہونا'' بنیادی شرط ہے۔

جواز کے قائلین کے دلائل:

جواز کے قائلین کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

---

(۸۰) ظافر القاسمی، نظام الحکم فی الشریعۃ والتاریخ ص ۳۴۲۔

(۸۱) دیکھئے: زینب الغزالی، ہموم المرأۃ المسلمۃ والداعیۃ، مطبعۃ الاعتصام، قاہرہ، ص: ۲۴۲۔

۱- یہ حضرات آیت خلافت کے عموم سے استدلال کرتے ہیں، اللہ کا ارشاد ہے:
"**وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم في الأرض كما استخلف الذين من قبلهم**"(۸۲)(اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے)۔

۲-اللہ کا ارشاد ہے:"**والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلاة ويؤتون الزكاة ويطيعون الله ورسوله**"(۸۳)(مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں)۔

وجہ استدلال:

اللہ تعالی نے اپنے بندوں سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین پر خلیفہ بنائے گا اور انہیں حکومت سے سرفراز کرے گا۔ اس کے لئے اللہ نے ایمان اور عمل صالح کی شرط رکھی ہے۔ اگر کسی قوم میں یہ دو شرطیں پائی جاتی ہیں تو اللہ تعالی ان سے اپنا وعدہ پورا کرتا ہے،... ان تمام امور میں مرد و عورت یکساں ہیں، کیونکہ عورت سے بھی ایمان اور عمل صالح کا مطالبہ کیا گیا ہے(۸۴)۔

گذشتہ بات کی تردید اس طرح کی جاتی ہے کہ گرچہ عورت سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ

---

(۸۲) النور:۵۵۔

(۸۳) التوبہ:۷۱۔

(۸۴) دیکھئے: رفیع اللہ شہاب، منصب الحکومۃ والمرأۃ المسلمۃ، ص ۶۵ و ۶۶۔ جاوید جمال، حکومۃ المرأۃ فی الإسلام، جنگ پریس، لاہور، ایڈیشن اول، ۱۹۹۱ء، ص:۴۹۔

جو چیزیں اللہ نے اس پر فرض کردی ہیں وہ انہیں اسی طرح ادا کرے جس طرح ایک مرد ادا کرتا ہے لیکن حدیث وآثار میں ہمیں کہیں نہیں ملتا کہ کسی عورت کو کسی قوم کی امارت یا کسی ریاست کی ولایت حاصل ہو۔

۳- جواز کے قائلین قصہ سبا سے بھی استدلال کرتے ہیں، جسے اللہ نے ہدہد کی زبانی بیان کرتے ہوئے کہا ہے: ''**إني وجدت امرأة تملكهم وأوتيت من كل شيئ ولها عرش عظيم**'' (۸۵) (میں نے وہاں ایک عورت دیکھی جو اس قوم کی حکمراں ہے اس کو ہر طرح کا سروسامان بخشا گیا ہے اور اس کا تخت بڑا عظیم الشان ہے)۔

جواز کے قائلین کا کہنا ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں جس عورت کا ذکر کیا گیا ہے وہ اسلام قبول کرنے کے وقت تک حکمراں تھی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اس کی حکمرانی کے تعلق سے قرآن میں کچھ بھی نہیں کہا گیا ہے، نہ ہی قرآن کی کسی آیت سے ایسا پتہ چلتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس نے حکمرانی چھوڑ دی تھی، بلکہ قرآن نے اس سلسلہ میں مکمل سکوت اختیار کیا ہے۔ قرآن کے اس سکوت سے پتہ چلتا ہے کہ اس عورت کی حکمرانی درست تھی، کیونکہ قرآن نے اس پر کوئی نکیر نہیں کی ہے، بلکہ قرآن نے اس عورت کا ذکر مدح وتعریف کے ساتھ کیا ہے (۸۶)۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس واقعہ کے ذریعہ سے اس بات پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام میں عورت کی خلافت جائز ہے، کیونکہ اس واقعہ سے متعلق افراد کافر تھے جو سورج کی پرستش کرتے تھے، ہدہد کی زبانی اللہ کا ارشاد ہے: ''**وجدتها وقومها يسجدون للشمس من دون الله**'' (۸۷) (میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم اللہ کے بجائے سورج کے آگے سجدہ

---

(۸۵) النمل: ۲۳۔

(۸۶) رفیع اللہ شہاب، منصب الحکومۃ والمرأۃ المسلمۃ، ص: ۶۷ و ۶۸۔

(۸۷) النمل: ۲۴۔

کرتی ہے)۔ اور غیر مسلم قوم کے عمل کو بطور حجت ودلیل پیش نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں خود حضرت سلیمانؑ نے اس عورت کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا تھا، بلکہ اسے اور اس کی قوم کو مطیع وفرمانبردار بن کر اپنے پاس آنے کا حکم دیا تھا، قرآن میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے: ''**ألا تعلوا علیّ وأتونی مسلمین**'' (۸۸) (میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور مسلم ہوکر میرے پاس حاضر ہوجاؤ) (۸۹)۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت سلیمانؑ اس عورت کی حکمرانی کو درست نہیں سمجھتے تھے، اسی لئے انہوں نے اس کو اللہ کے حکم کی اطاعت کرنے کو کہا اور اپنے سفیر کو ہدایت دی کہ وہ اس عورت کے ہدایا قبول نہ کرے۔ پھر اللہ تعالی نے اس عورت کے قصہ کو اس کے اسلام قبول کرنے کے واقعہ پر ختم کردیا ہے۔ قرآن وحدیث کہیں سے بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ عورت اسلام قبول کرنے کے بعد بھی حکمراں باقی رہی تھی۔

۴- یہ حضرات واقعۂ جمل سے بھی استدلال کرتے ہیں، جس میں حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف معرکہ میں قیادت کی تھی۔ اس معرکہ میں ہزاروں صحابہؓ وتابعینؒ نے حضرت عائشہؓ کی قیادت میں جنگ کی تھی۔ کسی نے بھی حضرت عائشہؓ کی قیادت کے مشروع وجائز ہونے کے سلسلہ میں کوئی اعتراض نہیں کیا۔ لہذا معلوم ہوا کہ عورت کی قیادت جائز ہے۔

لیکن تاریخ کی کتابوں میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؓ سے معرکہ خلافت کے مطالبہ کے لئے نہیں کیا تھا۔ ان کا مقصد خلافت کا حصول نہیں تھا، بلکہ وہ تو حضرت عثمانؓ کے قاتلین سے بدلہ لینا اور مسلمانوں کے درمیان صلح وصفائی کرانا چاہتی تھیں۔ اس واقعہ کے بعد جب کبھی بھی حضرت عائشہؓ ''**وقرن فی بیوتکن**'' (۹۰) والی آیت پڑھتیں تو اس قدر

---

(۸۸) النمل:۳۱۔

(۸۹) حافظ محمد انور، ولایۃ المرأۃ فی الفقہ الاسلامی، ص: ۱۴۳ و ۱۴۴۔

(۹۰) الاحزاب:۳۳۔

روتیں کہ ان کی اوڑھنی بھیگ جاتی (۹۱)۔

۵-الجوی یہ تحریر کرتے ہیں کہ ''سیاسی حق کے سلسلہ میں شریعت نے مرد وعورت کے درمیان کسی طرح کی تفریق نہیں کی ہے'' (۹۲)۔ڈاکٹر عبدالحمید متولی نے بھی اسی طرح کی گفتگو کرتے ہوئے تحریر کیا ہے: ''عورت کے سیاسی حقوق کا مسئلہ نہ ہی دینی ہے اور نہ ہی فقہی وقانونی، بلکہ یہ تو ایک سیاسی معاشرتی مسئلہ ہے، کیونکہ کوئی ایک بھی ایسا شرعی حکم نہیں ہے جو عورت کو ان حقوق سے محروم کرتا ہو'' (۹۳)۔

مجھے ڈاکٹر عبدالحمید متولی کی بات میں کوئی قوت اور وزن محسوس نہیں ہوتا، خصوصاً اس صورتحال میں جبکہ دین اسلام نے عورت کو عزت وتکریم سے نوازا ہے، اور اسے اپنے گھر وخاندان کا حکمراں قرار دیا ہے۔عورت کی فطرت وطبیعت کے پیش نظر میں نہیں سمجھتی کہ وہ ملک کی حکمراں بن سکتی ہے۔اسی طرح ڈاکٹر عبدالحمید متولی کے اس دعوی کی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ اسلام میں ایسا کوئی حکم شرعی نہیں ہے جو عورت کو ان سیاسی حقوق سے محروم کرتا ہو۔ممانعت سے متعلق مشہور حدیث اس سے پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔

راجح قول:

وہ قول جس کے راجح ہونے پر دل مطمئن محسوس ہوتا ہے یہ ہے کہ عورت امامت عظمی کا عہدہ نہیں سنبھال سکتی ہے، اس کے مندرجہ ذیل اسباب ووجوہات ہیں:

۱-عورت کی خلافت اور امامت عظمی کے جواز والی بات حدیث کے صریح الفاظ کے

---

(۹۱) ابن سعد، الطبقات الکبری، دار صادر، بیروت (۸/۸۰)۔دیکھئے: سید سلیمان ندوی، سیرۃ السیدۃ عائشہ ام المومنین، تحقیق: محمد رحمت اللہ ندوی، دار القلم، دمشق، ایڈیشن اول، ۱۴۲۴ھ، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۸۳و۱۸۹۔جاوید جمال، حکومۃ المرأۃ فی الاسلام، ص: ۳۹۔

(۹۲) الجوی، المرأۃ بین الشرع والقانون، دار الکتاب، مراکش، ص: ۳۳و۳۵۔

(۹۳) عبدالحمید متولی، مبادئ نظام الحکم فی الاسلام، ص: ۴۵۲و۴۶۳۔

خلاف ہے۔ یہ بات فقہاء کے اقوال کے بھی خلاف ہے، فقہاء کا کہنا ہے کہ خلافت اور امامت عظمی کے لئے مردوں کی ضرورت ہوتی ہے، نہ کہ عورتوں کی۔ کیونکہ اس کے لئے شجاعت اور بہادری کی ضرورت ہوتی ہے، اور عورتوں کے لئے یہ بہت ہی مشکل ہے۔ خصوصاً موجودہ دور میں مختلف ملکوں کے مابین اختلافات محض سیاسی نوعیت کے ہوتے ہیں جن کے حل کے لئے مردوں کی طبیعت وفطرت ہی موزوں ومناسب ہے۔

۲- جواز کے سلسلہ میں شبیب کی بیوی غزالہ کی امامت کے واقعہ سے استدلال کرنا قابل اعتبار نہیں ہے۔ جمہور فقہاء کی آراء کے سامنے اس واقعہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ البغدادی کے مطابق اس فرقہ نے عورت کی حکمرانی وقیادت کے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ لوگوں کے امور ومعاملات کی نگہبانی کرسکتی ہو اور اسلحہ کی طاقت کے بزور ان کے مخالفین سے بغاوت کرسکتی ہو۔ اس پر اعتراض کرتے ہوئے البغدادی لکھتے ہیں: ''خارجی فرقہ شبیبیہ سے یہ کہنا چاہئے کہ تم لوگوں نے تو ام المومنین حضرت عائشہ پر اس وقت اعتراض کیا تھا جب وہ اپنے لشکر کو لے کر بصرہ کی طرف نکلی تھیں، حالانکہ لشکر کے سارے لوگ ان کے لئے محرم تھے، کیونکہ قرآن کے مطابق وہ ام المومنین ہیں۔ تم لوگوں نے یہ دعوی کیا کہ وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے کافر ہوگئیں، اور تم نے اس وقت یہ آیت تلاوت کی تھی: ''وقرن في بيوتكن'' (۹۴)، تم لوگوں نے غزالہ کے سلسلہ میں یہ آیت کیوں نہیں تلاوت کی'' (۹۵)۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ اگر عورت کے لئے امامت عظمی اور خلافت کا عہدہ جائز نہیں ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حاکم اس کی رائے سے استفادہ بھی نہیں کرسکتا، اس سے مشورہ نہیں کرسکتا اور حکومت وریاست کے معاملات میں اس سے مدد بھی حاصل نہیں کرسکتا۔ واللہ اعلم۔

---

(۹۴) الاحزاب: ۳۳۔

(۹۵) البغدادی، الفرق بین الفرق، تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید، ص: ۱۱۳۔ دیکھئے: مجید محمود ابوحجیر، المرأة والحقوق السياسية في الإسلام، ص: ۱۳۷ و ۱۵۴۔

مبحث سوم:

انتخابات میں ووٹ ڈالنے اور بطور امیدوار کھڑے ہونے سے متعلق عورت کا حق

اس مبحث میں پارلیمنٹ اور مجلس شوری کے انتخابات میں عورت کی جانب سے ووٹ ڈالنے اور اس میں بطور امیدوار کھڑے ہونے سے متعلق گفتگو کی جائے گی، اور اس بات پر غور کیا جائے گا کہ عورت کی پارلیمنٹ میں شرکت ولایت عظمی کے ضمن میں آتی ہے یا نہیں؟

اول: انتخاب اور ترشح (بطور امیدوار کھڑا ہونا) کے معنی:

الف- انتخاب کے معنی:

انتخبه کے معنی ہیں اختیار کرنا ومنتخب کرنا۔ **نخبة القوم** کے معنی ہیں قوم کے چیدہ ومنتخب لوگ۔ **أنخبه** کے معنی نزع کے بھی ہیں، لہذا **الانتخاب** کے معنی منتخب کرنے اور چھانٹنے کے ہوئے۔

اسی سے لفظ **النخبة** ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں ایک ایسی جماعت جس کے افراد کا انتخاب مردوں کے درمیان سے کیا جائے۔ **النخبة** (ضمہ کے ساتھ) کے معنی منتخب اور چیدہ لوگ کے ہیں (۹۶)۔

---

(۹۶) دیکھئے: الفیر وزآبادی، القاموس المحیط، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۰۶ھ، ۱۹۸۶ء، ص: ۱۷۵۔ ابن منظور، لسان العرب (۱۴/۷۹)۔ الزبیدی، تاج العروس، تحقیق: عبدالحلیم الطحاوی (۴/۲۴۶)۔

علماء قانون کے یہاں انتخاب کے معنی یہ ہیں: عوام وافراد آزادانہ طور پر پارلیمنٹ کے اراکین کا انتخاب کریں تا کہ وہ اراکین عوام کی قائم مقامی کرتے ہوئے ایک متعینہ مدت کے دوران حکومت وریاست کے مختلف امور کی انجام دہی کریں (۹۷)۔

''انتخاب'' کی ایک تعریف یہ بھی بیان کی جاتی ہے: مختلف امیدواروں کے درمیان سے ووٹروں کا کسی ایک یا ایک سے زائد لوگوں کو منتخب کرنا تا کہ وہ حکومت میں ان کی نمائندگی کریں'' (۹۸)۔

ولایت انتخاب کا مقصود یہ ہے کہ'' امت کو ایسے نمائندوں کے انتخاب کا حق حاصل ہو جو قانون سازی اور حکومت کی نگہبانی ونگہداشت کے عمل میں ان کی قائم مقامی کرسکیں'' (۹۹)۔

ب-ترشح (یعنی بطور امیدوار کھڑا ہونا) کے معنی (۱۰۰):

تاج العروس میں تحریر ہے: اس لفظ کا استعمال مجازی طور پر ہوتا ہے۔ لسان العرب میں اس کا معنی اس طرح تحریر ہے: کسی چیز کے لئے تربیت اور تیاری کرنا۔ **رشح للأمر** کے معنی ہیں: فلاں کی فلاں کام کے لئے تربیت کی گئی اور اس کے لئے اہل بنایا گیا۔ کہا جاتا ہے: **فلان یرشح**

---

(۹۷) دیکھئے: داود الباز، الشوری والدیمقراطیۃ النیابیۃ: دراسۃ تحلیلیۃ وتأصیلیۃ لجوہر النظام النیابی، ''البرلمان'' مقارنۃ بالشریعۃ الاسلامیۃ، دارالنہضۃ العربیہ، ص: ۸۲ و ۸۳۔

(۹۸) دیکھئے: ماجد راغب الحلو، الاستفتاء الشعبی بین الأنظمۃ الوضعیۃ والشرعیۃ الإسلامیۃ، مکتبۃ المنار الإسلامیۃ، کویت، ایڈیشن اول، ۱۴۰۰ھ، ۱۹۸۰، ص: ۱۰۳۔

(۹۹) مصطفیٰ السباعی، المرأۃ بین الفقہ والقانون، المکتب الاسلامی، بیروت، ایڈیشن ۶، ۱۴۰۴ھ، ۱۹۸۴ء، ص: ۱۵۵۔

(۱۰۰) دیکھئے: زبیدی، تاج العروس (۱۶/ ۳۱۶)۔ مجھے ڈاکٹر عبد اللہ العثیمین صدر جائزۃ الملک فیصل الدولیۃ ورکن مجلس شوری، سعودیہ عربیہ نے یہ بات بتائی کہ اصل لفظ ''ترشح'' ہے، لیکن لوگوں کے درمیان ''ترشیح'' مشہور ہے۔ لفظ الترشح اور الانتخاب تقریباً ہم معنی ہیں۔

للخلافة، یعنی فلاں کو ولی عہد بنایا گیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ والی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: إنه رشح ولده لولاية العهد یعنی انہوں نے اس کو ولی عہد بننے کا اہل بنایا۔ فلان یرشح للوزارة یعنی فلاں کو وزارت کے لئے اہل بنایا جارہا ہے اور اس کے لئے تربیت دی جارہی ہے (۱۰۱)۔

لہذا "الترشیح" کے معنی ہوئے کسی شخص کو کسی ایسے کام کے لئے تیار کرنا جو اس کے سپرد کیا جانے والا ہو، خواہ وہ کام سیاسی ہو یا علمی یا کوئی اور۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ یہاں پر ہماری گفتگو سیاست کے پس منظر میں ہورہی ہے۔ موجودہ دور میں لوگوں کی زبان پر "الانتخاب والترشیح" کا لفظ عام ہے، حالانکہ لغت کی رو سے اصل لفظ "الانتخاب والترشح" ہے، لفظ "الترشیح" لفظ "الانتخاب" کے تقریبا ہم معنی ہے۔ لفظ الترشح کے معنی یہ ہیں: ایسا شہری جو تمام شرائط کو مکمل کررہا ہو، وہ بذریعہ ووٹنگ ملک کی پارلیمنٹ کا رکن منتخب ہونے کے لئے اپنے مطلوبہ دستاویزات کو پیش کرنے کا فیصلہ کرے۔

اول: پارلیمنٹ اور مجلس شوری میں عورت کے ووٹ ڈالنے کا حکم:

پارلیمنٹ اور مجلس شوری کی رکنیت کے امیدواروں کے حق میں عورت کے ووٹ ڈالنے کے حکم کے سلسلہ میں معاصر فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل دو قول پائے جاتے ہیں:

پہلا قول: بعض معاصر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ عورت پارلیمنٹ اور مجلس شوری کی رکنیت کے امیدواروں کے حق میں ووٹ ڈال سکتی ہے۔

دوسرا قول: ازہر سے متعلق ادارہ لجنة فتوى كبار العلماء اور بعض دیگر معاصر فقہاء کا خیال ہے کہ عورت پارلیمنٹ اور مجلس شوری کی رکنیت کے امیدوار کو ووٹ نہیں دے سکتی ہے۔

---

(۱۰۱) دیکھئے: ابن منظور، لسان العرب (۵/۲۱۸)۔

عورت کے ووٹ ڈالنے سے متعلق معاصر فقہاء کے اقوال:

ڈاکٹر منیر البیاتی تحریر کرتے ہیں: ''انتخاب درحقیقت ووٹ دینے والے کی جانب سے یہ شہادت ہے کہ جس شخص کا وہ انتخاب کر رہا ہے اس کے اندر حکومت وریاست سے متعلق مفوضہ کام کو انجام دینے کی اہلیت وصلاحیت موجود ہے، لہذا صلاحیت واہلیت سے متعلق شرائط ووٹ دینے والے کے لئے بھی ضروری ہوں گے، اور یہ بات معروف ہے کہ قرآن کریم نے عورت کی شہادت کو بالجملہ قبول کیا ہے، اللہ کا ارشاد ہے: ''**فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء**'' (۱۰۲) (تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں جن کی گواہی تمہارے درمیان مقبول ہو) (۱۰۳)۔

عورتوں کی بیعت کے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے الحجوی کہتے ہیں کہ جب عورت نبی کریم ﷺ سے بیعت کرسکتی ہے تو وہ کسی دوسرے سے بھی بیعت کرسکتی ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم**'' (۱۰۴) (اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں)۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی'' (۱۰۵)۔

---

(۱۰۲) البقرہ:۲۸۲۔

(۱۰۳) منیر البیاتی، الدولۃ القانونیۃ، الدار العربیۃ للطباعۃ، بغداد، ایڈیشن اول، ۱۳۹۹ھ، ۱۹۷۹ء، ص:۴۷۵، ۴۷۶۔

(۱۰۴) النساء:۵۹۔

(۱۰۵) اس حدیث کو مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''**من أطاعنى فقد أطاع الله ومن عصانى فقد عصى الله، ومن أطاع أميرى فقد أطاعنى ومن عصى أميرى فقد عصانى**'' موسوعۃ الحدیث الشریف، الکتب الستۃ، ص:۱۰۰۷، حدیث:۴۷۴۹۔

آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کے ذریعہ مقرر کردہ امیر کی حیثیت اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے امیر کی حیثیت یکساں ہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ بات زیادہ بہتر محسوس ہوتی ہے کہ عورت کی بیعت کو قبول کرلیا جائے، کیونکہ عورت سے بھی سمع وطاعت کا مطالبہ اسی طرح سے کیا گیا ہے جس طرح سے ایک مرد سے کیا گیا ہے، شریعت کے خطاب میں دونوں ہی شامل ہیں، لہذا عورت پر بھی بیعت کے ذریعہ سمع وطاعت واجب ہے، اگر عورت سے بیعت کا مطالبہ نہ ہوتا تو اس سے سمع وطاعت کا مطالبہ بھی نہ کیا جاتا۔

بیعت سے متعلق آیت "**ولا یعصینک فی معروف**" (۱۰۶) کے پیش نظر یہ بات کہی جاتی ہے کہ جس طرح سے نبی کریم ﷺ سے بیعت کی جاسکتی ہے اسی طرح کسی دوسرے سے بھی کی جاسکتی ہے، کیونکہ اللہ تعالی کو تو یہ معلوم ہی تھا کہ نبی صرف معروف ہی کا حکم دیتے ہیں، البتہ نبی ﷺ کے علاوہ دیگر امراء کے سلسلہ میں یہ امکان ہے کہ وہ کسی منکر کے کرنے کا حکم دے دیں، تو اس صورت میں جبکہ اس کام کو کرنے سے خالق کی معصیت لازم آرہی ہو، کسی مخلوق کے کسی حکم کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ لہذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی اور سے بیعت کرسکتی ہے اور یہ بیعت درست ہوگی۔ یہ بات اس آیت کے معنی ومفہوم سے ماخوذ ہے۔

جب عورت نبی کریم ﷺ اور خلیفہ سے بیعت کرسکتی ہے تو اسے اس بات کا بھی حق حاصل ہے کہ پارلیمنٹ کے رکن کے انتخاب کے لئے ووٹ ڈالے، کیونکہ خلافت کا مسئلہ تو پارلیمنٹ کے رکن کے انتخاب کے مسئلہ سے کہیں زیادہ اہم ہے (۱۰۷)۔

---

(۱۰۶) الممتحنۃ: ۱۲۔

(۱۰۷) دیکھئے: الجوی، المرأۃ بین الشرع والقانون، ص: ۷۵، ۷۶۔ مجید محمود ابو جمیر، المرأۃ والحقوق السیاسیۃ فی الإسلام، ص: ۴۴۱ و ۴۴۴۔

علامہ مصطفیٰ السباعی تحریر فرماتے ہیں: ''انتخاب درحقیقت یہ ہے کہ امت کے افراد ایسے نمائندوں کا انتخاب کریں جو قانون سازی اور حکومت کی نگہبانی ونگہداشت کے عمل میں ان کی قائم مقامی کریں۔ لہذا انتخاب کا عمل درحقیقت وکیل بنانے کا عمل ہے۔ معاشرہ کے ایک شہری ہونے کی حیثیت سے اسلام میں عورت کو اس بات سے روکا نہیں گیا ہے کہ وہ اپنے حقوق کے دفاع اور اپنی مرضی ومنشا کے بیان کے لئے کسی شخص کو اپنا وکیل بنائے'' (۱۰۸)۔

ڈاکٹر خالد المذکور (۱۰۹) اس بات میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے کہ عورت ووٹ ڈالے، البتہ وہ اس بات کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ عورت کے ووٹ ڈالنے سے قبل ووٹ کی جگہ پر ایسے امور کو یقینی بنانا چاہئے جن کے بعد یہ یقین ہو کہ مرد وخواتین کے درمیان اختلاط نہیں ہوگا اور کوئی ناپسندیدہ بات سامنے نہیں آئے گی۔ عورتوں کے لئے ووٹ ڈالنے کی جگہ بھی مردوں سے الگ رکھنی چاہئے (۱۱۰)۔

ڈاکٹر عجیل النشمی (۱۱۱) لکھتے ہیں: ''میں نہیں سمجھتا کہ ہمیں انتخاب کے سلسلہ میں حکم بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بات محل اختلاف ہے ہی نہیں یا (یوں کہئے کہ) یہ مسئلہ ایسا ہی ہونا چاہئے۔ کیونکہ عورت کا انتخابات میں ووٹ ڈالنا ''شہادت''، ''توکیل'' اور ''تزکیہ'' کے مسئلہ کی طرح ہے، اور جمہور فقہاء کے یہاں عورت ان تمام باتوں کی اہل ہے'' (۱۱۲)۔

---

(۱۰۸) دیکھئے: مصطفیٰ السباعی، المرأۃ بین الفقہ والقانون، ص: ۱۵۵۔

(۱۰۹) آپ کویت یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ والدراسات الإسلامیۃ کے سابق ڈین اور کویت کی اللجنۃ الاستشاریۃ العلیا للعمل علی استکمال تطبیق أحکام الشریعۃ الاسلامیہ کے صدر ہیں۔

(۱۱۰) روزنامہ الوطن، پیر، ۱۷/ ۵/ ۱۹۹۹ء، عدد ۲۷۹۷۔

(۱۱۱) کویت یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعۃ والدراسات الإسلامیۃ کے سابق ڈین اور موجودہ استاذ فقہ۔

(۱۱۲) روزنامہ الوطن، اتوار، ۶/ ۳/ ۲۰۰۵ء، عدد ۲۷۹۷۔

پہلے قول کے دلائل:

پارلیمنٹ اور مجلس شوری کی رکنیت کے امیدوار کے حق میں عورت کی جانب سے ووٹ ڈالنے کے جواز کے قائلین مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں:

اول: قرآن کریم:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**يا أيها النبى إذا جاءک المؤمنات يبايعنک على أن لا يشركن بالله شيئاً ولا يسرقن ولا يزنين ولا يقتلن أولادهن ولا يأتين ببهتان يفترينه بين أيديهن وأرجلهن ولا يعصينک فى معروف فبايعهن واستغفر لهن الله، إن الله غفور رحيم**'' (۱۱۳) (اے نبی جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لئے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی، اور کسی امر معروف میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی، تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کرو، یقیناً اللہ درگذر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے)۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لئے نبی کریم ﷺ سے بیعت کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح مردوں کے لئے جائز تھا (۱۱۴)۔

---

(۱۱۳) الممتحنہ: ۱۲۔

(۱۱۴) دیکھئے: تفسیر طبری، تعلیق: محمود شاکر (۸۸، ۸۹/ ۲۸)۔ ابن جوزی، زاد المسیر فی علم التفسیر، المکتب الاسلامی، بیروت، ایڈیشن ۳، ۱۴۰۴ھ، ۱۹۸۴ء (۸/ ۲۴۴ و ۲۴۵)۔ الجصاص، احکام القرآن، ضبط وتخریج: عبد السلام شاہین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۱۵ھ ۱۹۹۴ء (۳/ ۵۸۴ و ۵۸۵)۔

شیخ محمود شلتوت لکھتے ہیں: ''یہ بیعت اس بات کی دلیل تھی کہ عورتیں ذمہ داریوں کے سلسلہ میں مستقل بالذات ہیں، لہذا نبی کریم ﷺ نے ان سے عمومی وخصوصی چیزوں پر بیعت لی'' (۱۱۵)۔

مذکورہ بالا آیت کی تشریح کرتے ہوئے محمد عزہ دروزہ لکھتے ہیں: روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس عورتیں آئیں اور انہوں نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ وہ ان سے بھی اسی طرح بیعت لیں جیسے انہوں نے مردوں سے بیعت لی ہے۔ عورتوں کے اس مطالبہ کو قرآن کریم نے اس آیت کے ذریعہ تسلیم کیا۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے تسلیم کیا کہ ریاست میں مسلم عورت کی شخصیت مستقل بالذات ہوتی ہے۔ قرآن نے یہ حکم دیا کہ اسلام، اللہ کی وحدانیت، جرائم کا ارتکاب نہ کرنے، اللہ کے نبی کی اطاعت کرنے اور اس کی نافرمانی سے بچنے پر بیعت کرنے کی بابت ان خواتین کی جو رغبت وخواہش ہے اسے پورا کیا جائے۔

مختلف اسالیب میں قرآن کریم کی آیات میں عمومی طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ ریاست میں مسلم عورت کی شخصیت مستقل بالذات ہے، ساتھ ہی قرآن نے مردوں سے جدا عورت کی علاحدہ مکمل شہری اہلیت کو تسلیم کیا ہے۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ عمومی اعمال اور تکالیف شرعیہ کے سلسلہ میں قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی مؤمنین اور مسلمین کو خطاب کیا گیا ہے (یعنی جمع مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے) اس میں عورتیں بھی شامل ہیں، کیونکہ کوئی ایسا قرینہ نہیں پایا جاتا جس سے معلوم ہوا کہ وہ صیغے صرف مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں (۱۱۶)۔

---

(۱۱۵) محمود شلتوت، من توجیہات الإسلام، دار الشروق، مصر، ایڈیشن ۷، ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء، ص: ۱۹۶۔

(۱۱۶) محمد عزہ دروزہ، الدستور القرآنی فی شؤون الحیاۃ، دار احیاء الکتب العربیۃ، عیسی البابی الحلبی، قاہرہ، ۱۳۷۶ھ، ۱۹۵۶ء، ص: ۸۴ و ۸۵۔

دوم: حدیث نبوی:

۱- جواز کے سلسلہ میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیعت عقبہ میں عورتوں سے بھی بیعت لی تھی۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: جب مومن خواتین ہجرت کر کے نبی کریم ﷺ کے پاس آتیں تو ان کا امتحان لیا جاتا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**یا أیها النبی إذا جاء ک المؤمنات یبایعنک علی أن لا یشرکن بالله شیئاً ولا یسرقن ولا یزنین**'' (۱۱۷) (آخری آیت تک)۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جو مومن خاتون بھی ان باتوں کو تسلیم کر لیتی وہ امتحان میں پوری اترتی۔ جب خواتین زبانی ان باتوں کو تسلیم کر لیتیں تو نبی کریم ﷺ ان سے کہتے: ''جاؤ میں نے تم سے بیعت لے لی''۔ خدا کی قسم آپ ﷺ کے ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ سے کبھی بھی مس نہیں ہوئے۔ آپ ﷺ عورتوں سے زبانی بیعت لیا کرتے تھے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: خدا کی قسم اللہ کے رسول عورتوں سے صرف انہی باتوں پر بیعت لیا کرتے تھے جن کا حکم اللہ نے انہیں دیا تھا۔ آپ ﷺ کی ہتھیلی کبھی بھی کسی عورت کی ہتھیلی سے مس نہیں ہوئی۔ بیعت لینے کے بعد آپ ﷺ عورتوں سے کہتے: ''میں نے تم سے زبانی بیعت لے لی'' (۱۱۸)۔

۲- ایک دوسری روایت میں حضرت عروہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے عورتوں کی بیعت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے انہیں بتایا: کبھی بھی نبی کریم ﷺ کے ہاتھ

---

(۱۱۷) الممتحنہ: ۱۲۔

(۱۱۸) دیکھئے: نووی، المنہاج فی شرح صحیح مسلم بن حجاج (اختصار کے ساتھ: شرح صحیح مسلم)، اشراف: علی عبدالمجید بلطہ جی، دار الخیر للطباعۃ والنشر بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۴ء (۱۳/ ۱۱ و ۱۲)۔ عسقلانی، فتح الباری (۷/ ۱۷۴ و ۱۷۵)۔

کسی بھی عورت کے ہاتھ سے مس نہیں ہوئے، آپ ﷺ صرف بیعت لے لیتے تھے۔ آپ ﷺ عورت سے بیعت لینے کے بعد اس سے کہتے: جاؤ، میں نے تم سے بیعت لے لی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں سمع وطاعت کے سلسلہ میں بیعت کرسکتی ہیں۔ اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت کسی اجنبی عورت کی گفتگو سننا جائز ہے، عورت کی آواز بھی 'عورت' (ستر) نہیں ہے (۱۱۹)۔

اس بات کی میرے نزدیک بڑی اہمیت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عورتوں سے بھی اسی طرح بیعت لی جس طرح آپ ﷺ نے مردوں سے بیعت لی۔ آپ ﷺ سب سے بہتر انسان تھے۔ آپ ﷺ کی عملی سنت اور آپ ﷺ کا عملی طریقہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ عورت پارلیمنٹ کی رکنیت کے امیدوار کے حق میں ووٹ ڈال سکتی ہے، بشرطیکہ کسی طرح کے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

سوم: آثار صحابہ:

جواز کے قائلین نے آثار صحابہ سے بھی استدلال کیا ہے۔ ابن تیمیہؒ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ تین دن تک لوگوں سے مشورہ کرتے رہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے برابر کسی کو قرار نہ دیں، حتی کہ انہوں نے باحجاب کنواری لڑکیوں سے بھی مشورہ کیا (۱۲۰)، ابن کثیر کے الفاظ میں: حتی کہ وہ اس سلسلہ میں باحجاب خواتین تک بھی پہنچے' (۱۲۱)۔

---

(۱۱۹) نووی، صحیح مسلم بشرح النووی، اشراف: علی عبدالحمید ابوالخیر (۱۳/ ۱۲)۔

(۱۲۰) اسی لئے امام احمد نے تحریر کیا ہے: ''لوگ جس طرح حضرت عثمانؓ کی بیعت پر متفق تھے اس طرح کبھی کسی اور کی بیعت پر متفق نہیں ہوئے، مسلمانوں نے تین دن مشورہ اور باہمی اتحاد واتفاق سے انہیں خلیفہ بنایا''۔ ابن تیمیہ، منہاج السنۃ النبویہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت (۳/ ۲۳۳ و ۲۳۴)۔

(۱۲۱) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، مکتبۃ المعارف، بیروت (۷/ ۱۴۶)۔

دوسرا قول:

از ہر سے متعلق ادارہ **لجنة فتوى كبار العلماء** اور بعض دیگر معاصر فقہاء کا خیال ہے کہ عورت پارلیمنٹ اور مجلس شوری کی رکنیت کے امیدوار کو ووٹ نہیں دے سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

اول: قرآن کریم:

۱- اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**ولهن مثل الذى عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة**" (۱۲۲) (عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں، جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں، البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے)۔

۲- سورہ نساء میں اللہ کا ارشاد ہے: "**الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض**" (۱۲۳) (مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے)۔

۳- سورہ احزاب میں اللہ کا ارشاد ہے: "**وقرن فى بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى**" (۱۲۴) (اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو)۔

مندرجہ بالا آیتوں کی دلالت:

مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا گھر ہی میں رہنا واجب ہے، وہ صرف

---

(۱۲۲) البقرہ:۲۲۸۔

(۱۲۳) النساء:۳۴۔

(۱۲۴) الاحزاب:۳۳۔

کسی ضرورت کے تحت ہی گھر سے نکل سکتی ہے۔ ساتھ ہی ان آیات سے مرد کی قوامیت کا بھی علم ہوتا ہے۔

علامہ کبیسی لکھتے ہیں: ''ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو اپنے گھر اور اپنے بچوں کی قوامیت اور قیادت حاصل ہے۔ جہاں تک معاشرہ میں اس کے نکلنے کی بات ہے تو وہ ایک استثنائی مسئلہ ہے جو کسی ضرورت کے وقت ہوتا ہے، عورت خود اس ضرورت کا اندازہ لگا سکتی ہے۔ انتخابات اور سیاسی سرگرمیوں میں شرکت کے لئے گھر سے عورت کے نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں محسوس ہوتی، نہ ہی اس پر کوئی کلی حقیقی مصلحت ومنفعت موقوف ہے، علاوہ ازیں یہ بات قیادت کے سلسلہ میں مرد کی بلندی درجات اور اس کی قوامیت سے بھی متصادم ہے'' (۱۲۵)۔

دوم: حدیث نبوی:

۱- جب نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا کہ اہل فارس نے کسری کی بیٹی کو اپنا حکمراں بنالیا ہے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**لن یفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة**'' (۱۲۶)۔

علامہ کبیسی اور چند دیگر معاصر علماء کا خیال ہے کہ یہ حدیث اس سلسلہ میں نص شرعی ہے کہ عورت کسی بھی طرح کی ''عمومی ولایت'' کی اہل نہیں ہے، اور ووٹ ڈالنا بھی ایک طرح کی ''عمومی ولایت'' ہی ہے (۱۲۷)۔

---

(۱۲۵) حمد کبیسی، الشوری فی الاسلام، المجمع الملکی لبحوث الحضارۃ الإسلامیۃ کی مطبوعات کا حصہ، مؤسسۃ آل البیت، عمان، ۱۹۸۹ء (۳/۱۰۸۵)۔

(۱۲۶) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی إلی کسری وقیصر، ص: ۳۶۳، حدیث ۴۴۲۵، اور باب الفتن نمبر: ۱۸، حدیث: ۷۰۹۹۔ جامع الترمذی، کتاب الفتن باب (۶۴) (۶/۵۴۱) حدیث: ۲۳۶۵۔

(۱۲۷) دیکھئے: حمد کبیسی، الشوری فی الاسلام (۳/۱۰۸۶)۔

۲- اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ''...اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے، اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا'' (۱۲۸)۔

معلوم ہوا کہ عورت کے لئے اس کے گھر سے متعلق امور اور ان کی انجام دہی انتخابات میں حصہ لینے اور مشغول ہونے سے زیادہ اہم ہے (۱۲۹)۔

۳- امام بخاری نے ایک باب کا عنوان اس طرح قائم کیا ہے: ''**لا یخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم**'' (۱۳۰)۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ کبیسی لکھتے ہیں: مرد کو عورت سے خلوت میں ملنے سے منع کیا گیا ہے۔ اسی طرح عورت کو کسی بھی طرح کی ''عمومی ولایت'' کی ذمہ داری دینے سے منع کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اسے مردوں سے خلوت میں ملنے سے منع کیا گیا ہے۔ ان ساری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت ووٹ نہیں ڈال سکتی ہے (۱۳۱)۔

سوم: ازہر کا فتوی:

انتخابات میں عورت کی جانب سے حصہ لینے اور ووٹ ڈالنے کے تعلق سے ازہر کی فتوی کمیٹی نے جو کچھ تحریر کیا ہے، اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ''سقیفہ بن ساعدہ کے قصہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ان کے پہلے خلیفہ کے انتخاب کے سلسلہ میں بہت شدید اختلافات ہو گئے تھے۔ بالآخر یہ طے پایا کہ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوں گے، لہذا سقیفہ میں انہی کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت لی۔ اس پورے معاملہ میں عورت کو نہیں بلایا گیا، نہ ہی

---

(۱۲۸) بخاری، کتاب العتق، باب کراہیۃ التطاول علی الرقیق، ص: ۲۰۱، حدیث: ۲۵۵۴۔ مسلم، کتاب الإمارۃ، باب فضیلۃ الإمام العادل وعقوبۃ الجائر، ص: ۱۰۰۶، حدیث: ۴۷۲۴۔

(۱۲۹) دیکھئے: محمد عطیہ خمیس، الحرکات النسائیۃ، ص: ۳۲ و ۳۳ و ۱۰۹۔

(۱۳۰) ترمذی (۴۷۶/۳)، امام ترمذی نے اس حدیث کے تعلق سے کہا ہے: حدیث حسن غریب۔

(۱۳۱) دیکھئے: حمد کبیسی، الشوری فی الاسلام (۱۰۸۶/۳)۔

اسے عمومی بیعت میں شرکت کرنے کے لئے بلایا گیا''۔

ایک دوسری جگہ پر کمیٹی لکھتی ہے: ''...جس کسی کو انتخابات میں حصہ لینے اور شریک ہونے کا حق حاصل ہوتا ہے اسے اس بات کا بھی حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ خود کو پارلیمنٹ کے امیدوار کے طور پر پیش کر سکے، بشرطیکہ پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے بیان کردہ قانونی شرائط اس میں پائے جاتے ہوں۔ یہ بات بڑی مشکل اور عجیب سی محسوس ہوتی ہے کہ عورت کو ووٹ دینے کا حق قانونی طور پر دے دیا جائے، اور پھر اسے اس کی انوثت کے سبب اس بات سے روک دیا جائے کہ وہ خود کو پارلیمنٹ کی رکنیت کے امیدوار کے طور پر پیش کر سکے۔ عورت اس بات سے مطمئن بھی نہیں ہوگی کہ اسے کسی چیز سے اس کی انوثت کی وجہ سے روک دیا جائے، وہ تو ہر چیز میں مرد کے مساوی ہونا چاہتی ہے۔

لہذا عورت کے لئے ووٹ ڈالنے کا دروازہ کھولنا درست نہیں ہے، قانون وشریعت کے اس اصول پر عمل کرتے ہوئے کہ کسی چیز کے وسیلہ اور ذریعہ پر بھی اصل کا حکم لاگو کیا جاتا ہے۔ لہذا جو چیز کسی سبب یا کسی ضرر یا فساد کی وجہ سے ممنوع ہو تو اس چیز تک پہنچنے کا وسیلہ بھی اسی سبب کی وجہ سے ممنوع ہوگا۔ عقلی اور شرعی طور پر یہ بات درست محسوس نہیں ہوتی ہے کہ کسی چیز کو اس کی مضرت کے سبب سے ممنوع قرار دیا جائے اور ساتھ ہی ان وسائل کو جائز قرار دیا جائے جن کے بارے میں علم ہو کہ وہ اس مضرت تک پہنچنے کا سبب بنیں گے'' (۱۳۲)۔

راجح قول:

میری رائے یہ ہے کہ عورت انتخابات میں ووٹ ڈال سکتی ہے، خواہ انتخابات ملکی سطح کے ہوں یا مقامی سطح کے، بشرطیکہ عورت شرعی اصول وضوابط کی پابندی کرے، مثلاً وہ ایسی جگہ

(۱۳۲) دیکھئے: محمد عبد الفتاح الفنانی (صدر کمیٹی)، حکم الشریعۃ الاسلامیۃ فی اشتراک المرأۃ فی الانتخاب للبرلمان، قاہرہ، رمضان ۱۳۷۱ھ، جون ۱۹۵۲ء، ص: ۱۲۳ و ۱۲۴۔

پر ووٹ ڈالے جو صرف عورتوں کے لئے مخصوص کر دی گئی ہو۔ اس سلسلہ کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

حضرت شعیبؑ کی بیٹیوں کی زبانی اللہ تعالی نے فرمایا: "**قالت إحداهما يا أبت استأجره إن خير من استأجرت القوى الأمين**" (۱۳۳) (ان دونوں عورتوں میں سے ایک نے اپنے باپ سے کہا "اباجان، اس شخص کو نوکر رکھ لیجئے، بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہوسکتا ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو)۔

علامہ ابوحجیر تحریر فرماتے ہیں: "اس آیت کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ عمومی کاموں (ولایت عامہ) کے لئے عورت ایک باصلاحیت مرد منتخب کرسکتی ہے۔ انتخابات میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے، لہذا عورت اس بات کی اہل ہے کہ وہ پارلیمنٹ اور مجلس شوری کے لئے صالح لوگوں کا انتخاب کرے" (۱۳۴)۔

جدید دور میں عورت کو ریاست میں بڑے بڑے عہدے ملنے لگے ہیں، لہذا یہ بات درست نہیں محسوس ہوتی ہے کہ ہم اسے پارلیمنٹ اور مجلس شوری سے علاحدہ رکھیں۔

جدید دور کی عورت کے اندر اچھے و برے کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ اگر وہ کچھ نہیں جانتی ہے تو بآسانی کسی سے معلوم کرسکتی ہے۔ آج کے دور میں جدید ذرائع ابلاغ کے ظہور میں آنے کے بعد تو کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں رہ گئی ہے، جدید ذرائع ابلاغ نے زندگی کے مختلف گوشوں کو کھول کر سامنے پیش کر دیا ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر موجودہ دور کی عورت پارلیمنٹ کے اراکین کو منتخب کرنے کی اہل ہے۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ووٹ ڈالنے میں چند سیکنڈ لگتے ہیں اور اس کی وجہ سے گھر کے کام اثر انداز نہیں ہوتے ہیں۔

---

(۱۳۳) القصص:۲۶۔

(۱۳۴) دیکھئے: مجید ابوحجیر، المرأۃ والحقوق السیاسیۃ فی الإسلام، ۴۵۴ و ۴۵۵۔

دوم: پارلیمنٹ اور مجلس شوری کی رکنیت کے لئے عورت کا خود کو بطور امیدوار پیش کرنے کا حکم:

اس موضوع سے متعلق آراء وافکار کو بھی مندرجہ ذیل دو اقوال میں تقسیم کر کے بیان کیا جاسکتا ہے:

پہلا قول: یہ حضرات اس مسئلہ کی حرمت کے قائل نہیں ہیں، انہوں نے اس مسئلہ کو چند شرعی اصول وضوابط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے(۱۳۵)۔

دوسرا قول: اس قول کے حامی لوگوں کی رائے ہے کہ پارلیمنٹ اور مجلس شوری میں عورت کی شرکت کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔

اس کی تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

پہلا قول:

یہ حضرات اس مسئلہ کی حرمت کے قائل نہیں ہیں، انہوں نے اس مسئلہ کو چند شرعی اصول وضوابط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔ مندرجہ ذیل علماء کرام اس نقطہ نظر کے حامی ہیں۔

شیخ محمود شلتوت، عبدالحلیم ابوشقہ، ڈاکٹر جمیل النشمی، ڈاکٹر ہبہ عبدالرؤف عزت، ڈاکٹر خالد المذکور، ڈاکٹر محمد سلیمان الاشقر، ڈاکٹر محمد بلتاجی، ڈاکٹر عیسی ذکی عیسی۔ ذیل میں ان حضرات کے اقوال اور دلائل پیش کئے جاتے ہیں:

شیخ محمود شلتوت تحریر کرتے ہیں:

قرآنی آیت "**بعضکم من بعض**" کی الٰہی تعبیر پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے عورت کا بہت بلند مقام بیان کیا ہے۔ اللہ تعالی نے قرآن میں بیان کیا کہ عورت مرد

---

(۱۳۵) دیکھئے: حافظ محمد انور، ولایۃ المرأۃ فی الفقہ الإسلامی، ص: ۳۷۰۔

ہی کا ایک حصہ ہے۔ مساوات کے معنی کو اس سے زیادہ واضح اور سہل انداز میں نہیں بیان کیا جا سکتا تھا، مرد وعورت کی طبیعت وفطرت کو سامنے رکھتے ہوئے اس جملہ میں مساوات کو بیان کیا گیا ہے، یہ مساوات مرد وعورت کی مشترک زندگی میں نمایاں نظر آتی ہے۔ کسی ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت وبرتری نہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن''(١٣٦)۔

جس طرح اسلام نے مرد کے لئے عقائد کا جاننا اور دیگر باتیں واجب قرار دی ہیں بالکل اسی طرح ان باتوں کو عورت کے لئے بھی اسلام نے واجب قرار دیا ہے۔ تکالیف شرعیہ یا اہلیت کے سلسلہ میں مرد وعورت کے درمیان صرف اسی قدر فرق ہے کہ عورت مرد سے پہلے مکلّف ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ اپنی طبیعت وفطرت کے سبب '' تکلیف شرعی'' کے مناط (یعنی بلوغت) تک مرد سے پہلے پہنچ جاتی ہے(١٣٧)۔

عبدالحمید متولی کا خیال ہے کہ عورت کو سیاسی حقوق سے محروم قرار دینے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اجتہاد کے دروازہ کو بند کر دیا گیا ہے، اور اسی کے نتیجہ میں امت جمود کا شکار ہوگئی ہے(١٣٨)۔

علامہ عبدالحلیم ابوشقہ کا کہنا ہے کہ اگر عورت سیاسی سرگرمیوں سے منسلک ہونے کا ارادہ رکھتی ہے تو اس صورت میں چند اہم نکات پر نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ یہ نکات ذیل میں بیان کئے جا رہے ہیں:

---

(١٣٦) النساء:٣٢۔

(١٣٧) محمود شلتوت، الاسلام عقیدۃ وشریعۃ، مطبوعات الادارۃ العامۃ للثقافۃ الإسلامیۃ بالأزہر، ١٩٥٩ء، ص:١٩٥۔

(١٣٨) دیکھئے: عبدالحمید متولی، أزمۃ الفکر السیاسی الإسلامی، المکتب المصری الحدیث للطباعۃ والنشر، ١٩٧٠، ص:٣٥و٤٤۔

پہلا نکتہ:

مسلم مرد ہی کی طرح مسلم عورت کو بھی اس بات کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ اپنے معاشرہ کے سیاسی امور کی جانب توجہ دے ساتھ ہی اسے اس بات کی بھی دعوت دی گئی ہے کہ وہ اپنے حالات کے پیش نظر اور اپنی طاقت وصلاحیت کے بقدر معاشرہ کی اصلاح اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے کام میں حصہ لے۔ یہ جہاد کی وہ قسم ہے جس پر اجر ملے گا کیونکہ اس کا مقصد حکومت وسلطنت کی صحیح رہنمائی کرنا اور اسے راہ راست پر رکھنا ہے۔

اپنے معاشرہ کے سیاسی امور میں دلچسپی لینے سے متعلق دلائل یہ ہیں:

حضرت ام سلمہؓ کہا کرتی تھیں: "إني من الناس" (۱۳۹) (میں بھی لوگوں میں سے ہوتا ہے)، حضرت ام سلمہ کا خیال تھا کہ جب امام "لوگوں" کہہ کر مخاطب کرتا ہے تو اس میں مرد وعورت دونوں ہی شامل ہوتے ہیں، اس کے مفہوم میں صرف مرد ہی نہیں آتے۔ حضرت فاطمہ بنت قیس کہتی ہیں: "لہذا جو لوگ مسجد گئے ان کے ساتھ میں بھی گئی"، امام کی پکار پر لبیک کہتے ہیں حضرت فاطمہ بنت قیس بھی مردوں کے ساتھ مسجد گئیں (۱۴۰)۔

معاشرہ کی اصلاح اور حکومت کی صحیح رہنمائی کرنے اور اسے راہ راست پر رکھنے میں عورت کی شرکت وحصہ داری سے متعلق دلائل یہ ہیں:

اللہ تعالی فرماتے ہیں: "**والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلاة ويؤتون الزكاة ويطيعون الله ورسوله أولئك سيرحمهم الله إن الله عزيز حكيم**" (۱۴۱) (مومن مرد اور مومن

(۱۳۹) مسلم، کتاب الفضائل، باب باثبات حوض نبینا محمد ﷺ وصفاتہ، ص: ۱۰۸۴، حدیث: ۵۹۷۴۔

(۱۴۰) مسلم، کتاب الفتن وأشراط الساعۃ، باب خروج الدجال ومکثہ فی الأرض، ص: ۱۱۸۸، حدیث: ۷۳۸۶۔

(۱۴۱) التوبہ: ۷۱۔

عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہوکر رہے گی، یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم ودانا ہے)۔

حضرت تمیم الداری روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''دین خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے پوچھا: کس کے لئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ، اس کی کتاب، اس کے رسول، مسلمانوں کے ائمہ اور ان کے عام لوگوں کے لئے'' (۱۴۲)۔

مذکورہ بالا حدیث کے مفہوم میں عموم پایا جاتا ہے جس میں مرد وعورت دونوں ہی شامل ہیں۔ خیر خواہی کسی ایک جنس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، لہذا عورت پر بھی واجب ہے کہ وہ موقع ومحل کی مناسبت سے اور اپنی طاقت وصلاحیت کے بقدر مسلمانوں کے ائمہ اور ان کے عوام کے لئے خیر خواہی کے جذبات اپنے دل میں رکھے اور انہیں نصیحت کرے۔ اسلامی تاریخ ایسی خواتین کے قصوں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے حکام کو نصیحت کی۔ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو صولی دینے کے بعد حجاج بن یوسف الثقفی نے حضرت اسماء کو بلا بھیجا، حضرت اسماءؓ نے آنے سے انکار کردیا۔ حجاج نے ان کے پاس اپنا قاصد دوبارہ بھیجا اور کہلا بھیجا کہ آپ آجائیں ورنہ میں آپ کو چوٹیوں سے کھنچوا کر بلالوں گا، انہوں نے پھر بھی آنے سے انکار کردیا اور کہا: خدا کی قسم میں تمہارے پاس نہیں آؤں گی الا یہ کہ تم مجھے چوٹیوں کے ذریعہ کھنچوا کر اپنے پاس بلالو۔ یہ سن کر حجاج نے کہا: میرے جوتے کہاں ہیں، اس نے اپنے جوتے پہنے اور تیزی سے چلتے ہوئے حضرت اسماءؓ کے پاس گیا اور کہا: میں نے اللہ کے دشمن کے ساتھ جو کچھ کیا اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ حضرت اسماء نے جواب دیا: صولی دے کر تم

---

(۱۴۲) بخاری، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ: "الدین النصیحة لله ولرسوله ولأئمة المسلمین وعامتهم" ص:۷، مسلم، کتاب الایمان، باب بیان أن الدین النصیحة، ص:۶۸۹، حدیث:۱۹۶۔

نے اس کی دنیا خراب کردی اور اپنی آخرت خراب کرلی، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اسے ''ذات النطاقین'' (یعنی دوازار بند والی) کا بیٹا کہہ کر مخاطب کرتے تھے، خدا کی قسم میں ذات النطاقین ہوں، ازار بند کے ایک حصہ سے میں اللہ کے نبی اور ابوبکر کا کھانا جانور پر باندھتی تھی، اور دوسرا حصہ وہ تھا جو میں ازار بند کے طور پر استعمال کرتی تھی۔ سنو، نبی کریم ﷺ نے ہم سے بیان کیا تھا: ''قبیلہ ثقیف میں ایک جھوٹا اور ایک ہلاک کرنے والا پیدا ہوگا''۔ ''جھوٹے'' کو تو ہم نے دیکھ لیا، اور ''ہلاک کرنے والے'' کے تعلق سے میرا خیال ہے کہ وہ تم ہی ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ سب سن کر حجاج ان کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا اور دوبارہ ان کے پاس نہیں گیا'' (۱۴۳)۔

مندرجہ بالا قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت نے ظالم حکمرانوں کا مقابلہ کیا ہے، انہیں اتنے شدید الفاظ سے مخاطب کیا ہے جو ان کے لئے کوڑے سے بھی زیادہ سخت اور تکلیف دہ تھے، اور ان سب کا مقصد یہ تھا کہ ظالم حکمراں کے ظلم وتشدد سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا جاسکے۔

دوسرا نکتہ:

کبھی کبھی عورت کے لئے سیاسی سرگرمی فرض ہوتی ہے، سیاسی میدان میں عورتوں پر جو امور بطور فرض کفایہ واجب ہیں ان کی انجام دہی عورت کے لئے ضروری ہے۔ اس سلسلہ کے چند فرائض ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں:

۱- وہ کام کرنا جس کا ہدف حکومت وسلطنت کی اصلاح کرنا اور اسے راہ راست پر رکھنا ہو، اور جسے بہتر انداز سے انجام دینے کے لئے مردوں کے ساتھ عورتوں کی محنت ومشقت کی بھی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً پارلیمنٹ کے لئے صالح لوگوں کے انتخاب میں عورت کی شرکت، ریفرینڈم اور عوامی رائے شماری کے سلسلہ میں ووٹ دینے میں عورت کی حصہ داری تاکہ معروف

(۱۴۳) مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ عنہم، باب ذکر کذاب ثقیف ومبیر ہا، ص: ۱۱۲۴، حدیث: ۶۴۱۹۶۔

کومعاشرہ میں پروان چڑھایا جاسکےاورمنکر پرنکیر کی جاسکے۔

۲- خواتین کے درمیان سیاسی بیداری کی فضا عام کرنا اور ان سے سیاسی امور ومعاملات سے متعلق گفتگو کرنااوران کی ذہن سازی کرنا۔

۳- انتخاب کے عمل کومنظّم کرنے اور اسے نافذ کرنے کی نگرانی کرنا، تاکہ پوری شفافیت کے ساتھ انتخابات ہوسکیں۔خواتین اس کام کے لئے ان جگہوں پر ذمہ دار ہوں گی جو جگہیں عورتوں کے لئے مخصوص کردی گئی ہوں۔

تیسرا نکتہ:

تعلیم کے دوران مسلم بچیوں کو سیاسی معاشرہ سے متعلق بنیادی معلومات فراہم کرنی چاہئے، ساتھ ہی ان کے اندر سیاسی امور سے دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔انہیں یہ بھی بتانا چاہئے کہ سیاسی میدان میں ان کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔اس تربیت کے لئے ان سے عمومی مسائل میں اپنی رائے بیان کرنے کا مطالبہ کرنا چاہئے،خواہ لکھ کر یا زبانی یا لیکچرس دے کر یا سمینار میں شرکت کرکے(۱۴۴)۔

ڈاکٹر عجیل النشمی اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: انتخابات میں بطور امیدوار عورت کے کھڑے ہونے کو بعض لوگ جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض اسے ناجائز کہتے ہیں۔لیکن اس سلسلہ میں دونوں ہی کے دلائل اس درجہ کو پہنچے ہوئے نہیں ہیں جس سے معلوم ہو کہ یہ موضوع قطعی نصوص کے دائرہ میں آتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے: جولوگ انتخابات میں بطور امیدوار کھڑے ہونے سے عورت کو منع کرتے ہیں ان کی سب سے مضبوط دلیل وہ صحیح حدیث ہے جو اگر اپنے مطلوب ومقصود پر دلالت میں پورے طور پر کافی ہوتی تو اس مسئلہ کو ناجائز قرار دینے والوں کو پھر کسی اور دلیل کی

---

(۱۴۴) عبدالحلیم ابوشقہ،تحریرالمرأۃ فی عصرالرسالۃ،دارالقلم،کویت(۲/ ۴۲۳و۴۲۶)۔

ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، لہذا ان حضرات کی رائے اجتہاد و مصالح پر مبنی ہے۔

میرا خیال ہے کہ جس حدیث کے ذریعہ یہ حضرات دلیل پیش کرتے ہیں وہ اپنی دلالت میں غیر قطعی ہے۔ یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہے، جس سے متعدد معانی اخذ کئے جاسکتے ہیں، کسی ایک معنی و مفہوم کو متعین نہیں کیا جاسکتا۔ حدیث کے مختلف الفاظ یہ ہیں: **"لن يفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة"** اور **"لن يفلح قوم تملكهم امرأة"** اور **"ما أفلح قوم يلي أمرهم امرأة"** اور **"ما أفلح قوم تلي أمرهم امرأة"**۔ یہ ساری احادیث اور الفاظ حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہیں اور سب ہی صحیح احادیث ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ لفظ **"ولّوا"** لفظ **"تملكهم"** سے مختلف ہے، لفظ **"ولّوا"** کے اندر اپنی رضا اور اختیار سے کسی کو ولایت دینے کا مفہوم پایا جاتا ہے، جبکہ **"تملكهم"** کے اندر زور و زبردستی کے معنی و مفہوم کا احتمال ہے، لفظ **"تلي"** کے اندر بھی اسی معنی و مفہوم کا احتمال ہے۔ لفظ **"قوم"** کے اندر اس معنی کا احتمال ہے کہ اس سے صرف کوئی متعین قوم ہی مراد ہو، اس کی وضاحت اس وقت ہوتی ہے جب ہم حدیث کے ورود کے سبب کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ امام احمد، نسائی اور ترمذی نے حضرت ابوبکرہؓ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ معرکہ جمل میں اللہ تعالی نے مجھے ایک جملہ کے ذریعہ فائدہ پہنچایا جو جملہ آپ ﷺ نے اس وقت کہا تھا جب آپ ﷺ کو خبر ملی تھی کہ اہل فارس نے کسری کی بیٹی کو اپنا حکمراں بنالیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: **"لن يفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة"** (۱۴۵)۔ لہذا اس بات کا احتمال ہے کہ لفظ **"قوم"** سے صرف اہل فارس ہی مراد ہوں۔ ساتھ ہی اس لفظ کے اندر **"عموم"** پایا جاتا ہے، اور یہ اصول ہے کہ عموم کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ کسی مخصوص سبب کا۔ لیکن چونکہ اس لفظ میں احتمال پایا جاتا ہے لہذا بنیادی اور اولین طور پر اس

---

(۱۴۵) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی إلی کسری وقیصر، ص: ۳۶۳، حدیث ۴۴۲۵، اور باب الفتن نمبر: ۱۸، حدیث: ۷۰۹۹۔ جامع الترمذی، کتاب الفتن باب (۶۴) (۵۴۱/۶) حدیث: ۲۳۶۵۔

میں اہل فارس کی ناکامی کے معنی ومفہوم کومراد لیا جائے گا، پھر دوسرے نمبر پر اس کے عمومی معنی کو مانا جائے گا۔

اسی طرح لفظ "یفلح" بھی مجمل اور غیر واضح ہے، اس سے کس طرح کی ناکامی مراد ہے، سیاست میں ناکامی؟ فوج کی ناکامی؟ ملک کے انتظام وانصرام میں ناکامی؟ یا مال ودولت کی ناکامی؟ لفظ "ولّوا" بھی اپنے معنی کے سلسلہ میں مجمل اور غیر واضح ہے، گرچہ اس سے بظاہر "عمومی ولایت" (یعنی ریاست کی قیادت وصدارت یا سیاسی ولایت) مراد ہے، لیکن اس کا بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد کوئی مخصوص جزئی ولایت ہو۔

حدیث کے الفاظ کے سلسلہ میں مذکورہ بالا تاویلات اور احتمالات کے پیش نظر یہ بات قطعی طور پر نہیں کہی جاسکتی کہ مذکورہ بالا حدیث میں عورت کو پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے بطور امیدوار کھڑے ہونے سے منع کیا گیا ہے، گرچہ حدیث اجمالی طور پر اس معنی ومفہوم پر دلالت کررہی ہے۔

اسی طرح جو حضرات عورت کو پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے بطور امیدوار کھڑا ہونے کی اجازت دیتے ہیں ان کے دلائل بھی تاویل اور اجمال سے محفوظ نہیں ہیں۔ ان حضرات کی سب سے مضبوط دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے: "**والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر**" (۱۴۶)، اس آیت میں مرد وعورت دونوں ہی سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس آیت کے الفاظ عام ہیں، لہذا اس میں معاشرہ کی سیاست میں اور تشریعی (قانون سازی)، عدالتی اور تنفیذی تینوں ہی اختیارات میں شرکت کا مفہوم شامل ہے۔ مذکورہ بالا تینوں اختیارات ہی اوامر ونواہی پر مبنی ہیں، لہذا اس آیت کی رو سے ان اختیارات کی ولایت مرد وعورت دونوں ہی پر واجب ہے۔

یہ حضرات تاریخ اسلامی کے متعدد واقعات سے بھی استدلال کرتے ہیں، مثلاً جنگ

---

(۱۴۶) التوبہ:۷۱۔

جمل میں حضرت عائشہؓ کا لشکر کی قیادت کرنا، اس جنگ میں لشکر کے قائدین مثلاً حضرت طلحہؓ وزبیرؓ ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر بن خطابؓ کے عہد میں حضرت شفاء بنت عبداللہؓ بازار کی نگہبانی اور دیکھ بھال کی ذمہ دار تھیں۔ اس کے علاوہ کچھ اور بھی اس نوعیت کے واقعات تاریخ اسلامی میں ملتے ہیں۔

مذکورہ بالا دلائل بھی اس درجہ کو نہیں پہنچے ہوئے ہیں کہ قطعی طور پر یہ بات کہی جا سکے کہ عورت کی ولایت یا پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے خود کو بطور امیدوار پیش کرنا علی الاطلاق جائز ہے۔ مومن مرد اور مومن عورت کی ولایت عام بھی ہے اور مخصوص بھی۔ یعنی دونوں پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر اپنی طبیعت وفطرت کے لحاظ سے واجب ہے، جو چیز ایک جنس کے لئے درست ہو ضروری نہیں ہے کہ وہ دوسری جنس کے لئے بھی درست ہو، لہذا ناجائز کہنے والے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''عمومی ولایت'' عورت کی فطرت اور طبیعت سے مناسبت نہیں رکھتی ہے۔

گذشتہ گفتگو سے ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں اس پر دونوں ہی فریق متفق ہیں، یا یوں کہہ لیجئے کہ اس پر دونوں ہی فریق کو متفق ہو جانا چاہئے۔ وہ متفقہ بات یہ ہے کہ پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے عورت کا خود کو بطور امیدوار پیش کرنا نصوص کے دائرہ میں داخل نہیں ہے، خواہ اس کا تعلق اس مسئلہ کو علی الاطلاق ناجائز قرار دینے سے ہو یا علی الاطلاق جائز قرار دینے سے ہو، کیونکہ ہر فریق یہ تسلیم کرتا ہے کہ اس کے دلائل مجمل ومطلق ہیں یا عام ہیں یا خاص ہیں، اور ہر دلیل محل اجتہاد اور محل غور وفکر ہے۔ البتہ ہر فریق اپنی رائے اور دلیل کو ہی راجح سمجھتا ہے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ فقہاء اس قاعدہ کلیہ کے سلسلہ میں متفق ہیں کہ ''مختلف فیہ پر نکیر نہیں کی جاتی بلکہ متفق علیہ پر نکیر کی جاتی ہے''۔ متقدمین ومتاخرین فقہاء کے یہاں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عورت کی ''عمومی ولایت'' کا مسئلہ محل اجتہاد ہے، فقہاء اس مسئلہ کو ناجائز یا جائز قرار دینے کے سلسلہ میں متفق نہیں ہیں، لہذا جو شخص اس مسئلہ کے جواز کا قائل نہیں ہے وہ اس پر نکیر نہیں کر سکتا جو اس کے جواز کا قائل ہے، اسی طرح جو اس مسئلہ کے جواز کا قائل ہے وہ اس پر نکیر نہیں کر سکتا جو

اس کے جواز کا قائل نہیں ہے، نہ ہی ان میں سے کوئی دوسرے کی رائے کو غلط قرار دے سکتا ہے، کیونکہ اجتہادی مسائل میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے عورت کا خود کو بطور امیدوار پیش کرنے کا مسئلہ چونکہ اجتہاد کے دائرہ میں آتا ہے اس لئے اس میں مجتہدین کے درمیان اختلاف کی گنجائش ہے۔ یہ مسئلہ ایک عمومی قضیہ یعنی تشریعی وریگولیٹری اختیار سے متعلق ہے، جس میں عوام کی نمائندگی کی جاتی ہے۔ اس منصب کا لوگوں کے عمومی وخصوصی حالات پر بہت اثر پڑتا ہے، کیونکہ ولی امر اور حاکم کو دو رایوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے، بشرطیکہ اس کے اندر غور وفکر اور اجتہاد کرنے کی صلاحیت ہو، اگر اس کے اندر یہ صلاحیت موجود نہ ہو تو وہ اپنی مدد کے لئے کسی ایسے شخص کا انتخاب کرسکتا ہے جس کے اندر یہ صلاحیت موجود ہو (مثلاً شرعی ادارے اور اس سے متعلق افراد)، چونکہ شرعی پہلو کے علاوہ بھی اس موضوع کے دیگر بہت سے پہلو ہیں (مثلاً قانونی، سیاسی اور عرف وعادت وغیرہ) لہذا ولی امر کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ ان مختلف پہلوؤں سے متعلق افراد کو یکجا کرے تاکہ وہ ان کی آراء سے استفادہ کرسکے۔

چونکہ یہ مسئلہ پارلیمنٹ کے دائرہ اختیار میں ہے، لہذا پارلیمنٹ کے ہر رکن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شرعی دلائل کی روشنی میں جس رائے کو راجح سمجھتا ہے اسے اختیار کرلے۔

اگر حاکم یا پارلیمنٹ عورت کو پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے بطور امیدوار پیش کرنے کی اجازت دے دیتی ہے تو یہ اس کا حق ہے، لیکن یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اس مسئلہ کو علی الاطلاق جائز قرار نہ دیا جائے، بلکہ اس کے لئے چند اصول وضوابط بھی وضع کئے جائیں جس کی پابندی عورت کے لئے لازم ہوتا کہ ان ذرائع اور وسائل پر روک لگائی جاسکے جو اس مسئلہ کی تطبیق میں کسی بھی طرح کی برائی وفساد کا سبب بن سکتے ہوں، ساتھ ہی اس سلسلہ میں شرعی اصول وضوابط کی پابندی کو لازم قرار دیا جائے اور معاشرتی عرف وعادات کی بھی رعایت کی جائے، عرف وعادت کی رعایت کرنا اہم شرعی ضابطہ ہے، کہا جاتا ہے: ''**العرف أحد**

أصول الشرع''۔لہذا اگر اس سلسلہ میں اصول وضوابط کو وضع کرنا اور انہیں نافذ کرنا ممکن ہو (جس میں مجھے شک ہے) تب تو اس مسئلہ کو جائز قرار دینا چاہئے، بصورت دیگر اس دروازہ کو بند رکھنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ منافع کے حصول سے زیادہ اہم مفاسد کو دور کرنا ہے(۱۴۷)۔

اس مسئلہ کی بابت ڈاکٹر ہبہ عبدالرؤوف عزت کی رائے بہت اہم ہے، وہ لکھتی ہیں:

''ایک جانب فقہاء نے ذاتی ولایت اور متعدی ولایت (خواہ وہ متعدی علی المال ہو یا ولایت متعدی علی الغیر مثلاً حضانت ہو) کے سلسلہ میں عورت کی کامل اہلیت کو تسلیم کیا ہے (بجز بعض جزئیات میں اختلاف کے)، وہیں سیاسی سرگرمیوں میں شریک ہونے سے متعلق عورت کی اہلیت کے سلسلہ میں انہوں نے اپنی رائے کو محفوظ رکھا ہے، گویا کہ فقہاء اس میدان میں عورت کی اہلیت کو ناقص سمجھتے ہیں''(۱۴۸)۔

اس کے بعد وہ لکھتی ہیں: عورت کی سیاسی اہلیت کے مسئلہ کو مکمل طور پر اسی وقت سمجھا جاسکتا ہے جب ان باتوں کو سامنے رکھا جائے کہ اہلیت کی کتنی قسمیں ہیں؟ عورتیں کتنی طرح کی ہوتی ہیں؟ تکالیف شرعیہ کی نوعیت کیا ہے؟ اور اس بات کی تعیین کی جائے کہ کون سی عورت؟ اور کس میدان میں؟ اگر ان باتوں کو سامنے رکھا جائے تو اس مسئلہ سے متعلق احکام کو سمجھنے اور انہیں منطبق کرنے میں سہولت ہوگی۔

اگر اسلامی نقطہ نظر سے عورت کو سیاسی اہلیت حاصل ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ عورت کا علم اور اس کی ثقافت اور عمومی امور ومعاملات سے اس کی دلچسپی اس درجہ کی ہو کہ وہ ان امور ومعاملات کو بہتر انداز سے سمجھنے اور ان کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ ہر شخص اپنی عقلی وذہنی

---

(۱۴۷) روزنامہ الوطن، اتوار ۶/ ۳/ ۲۰۰۵ء۔

(۱۴۸) دیکھئے: ہبہ عبدالرؤوف، المرأۃ والعمل السیاسی، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، واشنگٹن، ایڈیشن اول، ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۵، ص: ۱۰۰۔

استعداد اور علم وثقافت کے لحاظ سے مسلم مسائل کا ادراک رکھتا ہے۔اس سلسلہ میں عورت کا حال بھی مرد ہی کی طرح ہے۔معاشرہ کی اصلاح کے میدان میں عورت سے جس کردار اور رول کے ادا کرنے کی توقع ہے، وہ بہت وسیع ہے۔لہذا عورت کے سیاسی سلوک کو معاشرتی نظم سے علاحدہ کر کے نہیں سمجھا جا سکتا۔

ڈاکٹر ہبہ اپنی بات کی تائید کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے صحابہ کرامؓ کا استدراک کیا، تاکہ اگر کوئی صحابی اللہ کے نبی کی کوئی بات بھول گیا ہو تو اس کی حفاظت کی جا سکے۔ روایت حدیث کے میدان میں آپ بہت ساری محدث خواتین (خواہ وہ صحابیہ ہوں یا تابعیات) کا ذکر دیکھ سکتے ہیں (۱۴۹)۔

ڈاکٹر ہبہ مزید لکھتی ہیں: معاشرتی نظم سے علاحدہ کر کے عورت کے سیاسی سلوک کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔اسلامی نقطہ نظر کے لحاظ سے عورت کی سیاسی نقل وحرکت اس کی معاشرتی نقل وحرکت سے جدا نہیں ہے۔کبھی کبھی عورت کے معاشرتی نقل وحرکت کو سمجھنا، اسلامی معاشرہ میں اس کے سیاسی عمل کو سمجھنے کے لئے نہایت ضروری گردانا جاتا ہے (۱۵۰)۔

...امت کی سطح پر عورت کے سیاسی عمل کی بابت اسلامی نقطہ نظر مغربی نقطۂ نظر سے مختلف ہے۔مغربی نقطۂ نظر میں فیصلہ لینے کے اوپر توجہ مرکوز کی جاتی ہے تاکہ معاشرہ کے مختلف گروہوں (جس میں خواتین بھی شامل ہیں) کے مصالح ومنافع کے درمیان ہم آہنگی قائم کی جا سکے اور سیاسی نظام کو مستحکم کیا جا سکے۔جبکہ اسلامی نقطۂ نظر میں شرعی مصلحت ومنفعت کو سیاسی عمل کا مناط

---

(۱۴۹) دیکھئے: ہبہ عبدالرؤوف عزت، المرأۃ والعمل السیاسی: رؤیۃ إسلامیۃ، ص:۱۰۶ و ۱۰۷۔اس موضوع سے متعلق مزید کے لئے دیکھئے: بدرالدین زرکشی، الاجابۃ لایراد ما استدرکتہ عائشۃ علی الصحابۃ، تحقیق: سعید افغانی، المکتب الإسلامی، بیروت، ایڈیشن ۴، ۱۹۸۵ء۔عین الإصابۃ فیما استدرکتہ عائشۃ علی الصحابۃ، تحقیق: عبداللہ درویش، مکتبۃ العلم، قاہرہ، ۱۹۸۸ء۔

(۱۵۰) ہبہ عبدالرؤوف، المرأۃ والعمل السیاسی، ص:۱۰۶۔

قرار دیا گیا ہے، اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق امت ہی اصل وبنیادی محرک ہے اور ادارے تو مصلحت ومنفعت کو حاصل کرنے کے ذرائع ہیں۔لہذا سیاسی عمل شریعت، اس کے احکام اور امت کی مصلحت ومنفعت کے گرد گردش کرتا ہے''(۱۵۱)۔

ڈاکٹر محمد بلتاجی (۱۵۲) تحریر کرتے ہیں: ''جو بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ عورت کو اس کی اجازت دینے میں کوئی شرعی مانع نہیں ہے۔اس سلسلہ میں اس فقہی قاعدہ پر عمل کیا جائے گا کہ تمام شرعی احکام میں مرد وعورت یکساں ہیں، بجز ان مقامات کے جہاں پر نص شرعی سے ثابت ہے کہ کوئی مخصوص حکم کسی متعین جنس کے ساتھ خاص ہے۔قرآن کریم اور (میری معلومات کے مطابق کسی بھی صحیح) حدیث میں کوئی ایسی شرعی نص موجود نہیں ہے جو عورت کو اس سے باز رکھتی ہو، بلکہ فقہ اسلامی پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو کسی شخص کا ''وکیل'' بننے کی اجازت دی گئی ہے،اور پارلیمنٹ کی رکنیت درحقیقت ''توکیل'' ہی ہے''۔

ڈاکٹر محمد بلتاجی مزید تحریر کرتے ہیں: ''کیا عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مردوں کے ساتھ شریک ہو کر کسی ایسے شخص کا انتخاب کرے جو پارلیمنٹ میں ان سب کی قائم مقامی اور نمائندگی کرے؟ جو شخص بھی فقہ اسلامی کے نصوص اور قواعد پر نظر رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ انسان (خواہ مرد ہو یا عورت) جن کاموں کو خود انجام دے سکتا ہے اور جن کے سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے وہ ان کاموں کے تعلق سے کسی کو اپنا قائم مقام اور وکیل بنا سکتا ہے۔ابن رشد بیان کرتے ہیں کہ فقہاء اس سلسلہ میں متفق ہیں کہ غائب، مریض اور عورت کسی کو اپنا وکیل منتخب کر سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ اپنے امور ومعاملات کے مالک ہوں''(۱۵۳)۔

اس مسئلہ کے پیش نظر ہماری رائے یہ ہے کہ اسلام میں عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ

---

(۱۵۱) ہبہ عبدالرؤف، المرأۃ والعمل السیاسی، ص:۱۱۹۔
(۱۵۲) قاہرہ یونیورسٹی کے کلیۃ دارالعلوم کے سابق ڈین۔
(۱۵۳) ابن رشد، بدایۃ المجتہد، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر (۲/۲۷۱)۔

پارلیمنٹ میں کسی کو اپنا قائم مقام منتخب کرے (یعنی انتخابات میں ووٹ ڈالے)، اسی طرح اس کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ خود بہت سے مردوں وعورتوں کی وکیل ہو جو اسی غرض سے اس کا انتخاب کریں اور اسے پارلیمنٹ کا رکن بنائیں۔ اس سلسلہ میں عورتوں اور مردوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، یہ معاملہ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ ان دونوں کے شخصی مقومات ان کی اہلیت کو برقرار رکھیں۔

جو لوگ عورت کو ان حقوق سے دور رکھنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے کمزور دلائل پیش کرتے ہیں (مثلاً عورت ذہنی طور پر کمزور ہوتی ہے، وہ زندگی کے امور و معاملات سے صحیح طور پر واقف نہیں ہوتی، اس کی شرکت کی وجہ سے معاشرتی واخلاقی فساد کا خدشہ رہتا ہے وغیرہ) انہیں صدر اسلام کے ان واقعات سے بھی تجاہل برتنا چاہئے جو ثابت شدہ اور قطعی ہیں اور جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ روز مرہ کی زندگی میں عورت بھی شریک رہتی تھی اور اتنے اچھے مشورہ دیتی تھی کہ بسا اوقات مرد ویسے مشورہ نہیں دے پاتے تھے (۱۵۴)۔

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی (۱۵۵) بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ فقہاء کے ایک گروپ کے درمیان اس بات پر گفتگو ہوئی کہ شریعت نے انتخابات میں ووٹ ڈالنے اور بطور امیدوار کھڑے ہونے کے سلسلہ میں عورت کے حق کو کس حد تک تسلیم کیا ہے۔ کافی بحث ومباحثہ اور مختلف نقطہائے نظر پر غور وفکر کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اسلام عورت کو اس حق سے محروم نہیں کرتا ہے۔ انتخاب درحقیقت اس بات کا نام ہے کہ امت کے افراد اپنے لئے ایسے وکیلوں کا انتخاب کریں جو قانون سازی اور حکومت کی نگہبانی ونگہداشت میں ان کی نیابت ونمائندگی کریں۔ لہذا انتخاب کا

(۱۵۴) محمد بلتاجی، مکانۃ المرأۃ فی القرآن الکریم والسنۃ الصحیحۃ، دار السلام للطباعۃ والنشر، قاہرہ، ۱۴۰۰ھ، ۲۰۰۰ء، ص: ۲۷۷ و ۲۷۹۔

(۱۵۵) دمشق یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ کے سابق ڈین، مؤلف کتاب المرأۃ بین الفقہ والقانون، المکتب الإسلامی، بیروت، ایڈیشن ۶، ۱۴۰۴ھ، ۱۹۸۴ء، ص: ۱۵۵ و ۱۵۶۔

عمل درحقیقت ''توکیل'' (یعنی وکیل بنانے) کا عمل ہے۔ایک شخص ووٹ ڈالنے کی جگہ پر جاتا ہے اور اپنا ووٹ ان لوگوں کے حق میں ڈالتا ہے جنہیں وہ پارلیمنٹ میں اپنا قائم مقام بنانا چاہتا ہے، لہذا وہ نمائندے پارلیمنٹ میں اس کی جانب سے بولتے ہیں اور اس کے حقوق کی حفاظت کرتے ہیں۔معاشرہ کا ایک شہری ہونے کی حیثیت سے اسلام نے عورت کو اس بات سے روکا نہیں ہے کہ وہ اپنے حقوق کے دفاع اور اپنے قصد وارادہ کے اظہار کے لئے کسی کو اپنا وکیل بنائے۔پھر آپ تحریر فرماتے ہیں: ''اسلام کے اصول ومبادیات عورت کو ووٹ ڈالنے سے نہیں روکتے لیکن کیا وہ اسے امت کی نیابت اور پارلیمنٹ کا رکن بننے سے روکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب دینے سے قبل ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ہم امت کی نیابت کی نوعیت سے واقف ہوجائیں۔امت کی نیابت میں دو بنیادی کام کرنے پڑتے ہیں:

۱-تشریع: قانون سازی اور قوانین وضوابط کی تشکیل۔

۲-نگہبانی: تنفیذی وانتظامی اداروں کے کاموں کی نگہبانی۔

جہاں تک قانون سازی کا تعلق ہے تو اسلام میں عورت کو اس سے منع نہیں کیا گیا ہے، کیونکہ قانون سازی کے لئے علم کی ضرورت ہوتی ہے اور معاشرہ کی ضرورتوں وحاجتوں سے واقف ہونا پڑتا ہے، اسلام نے مرد عورت دونوں کو علم حاصل کرنے کا حق یکساں طور پر دے رکھا ہے۔اسلامی تاریخ میں بے شمار ایسی خواتین کے نام مل جائیں گے جو حدیث، فقہ، ادب اور دیگر علوم میں اپنے وقت کی جلیل القدر عالمائیں تھیں۔

جہاں تک انتظامی اداروں کی نگہبانی کا تعلق ہے تو اس میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ضرورت پڑتی ہے، اور اس سلسلہ میں اسلام نے مرد وعورت دونوں ہی کو یکساں قرار دیا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر**''(۱۵۶)۔

(۱۵۶) التوبہ:۷۱۔

لہذا اسلام کے صریح نصوص میں کوئی بھی ایسی دلیل نہیں ملتی جس کی بنیاد پر امت کی نیابت کرنے کی عورت کی اہلیت کو اس سے سلب کرلیا جائے۔لیکن ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی نے اس سلسلہ میں اپنی رائے محفوظ رکھی ہے کہ آیا عورت اپنے اس حق کا استعمال کرسکتی ہے یا نہیں۔ درحقیقت شام میں اس حق کے غلط استعمال اور معاشرتی مصلحت کے پیش نظر ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی نے اس سلسلہ میں اپنی رائے محفوظ رکھی ہے،''انہوں نے درحقیقت اپنے وقت کے شامی معاشرہ کی عادات وتقالید کو سامنے رکھ کر مصلحت کو جاننے کے سلسلہ میں یہ اجتہاد کیا تھا، اور معاشرتی مصلحت ومنفعت ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ میں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں بدلتی رہتی ہے،اور اسی کے پیش نظر اجتہادات بھی مختلف ہوجاتے ہیں''(۱۵۷)۔

ڈاکٹر سباعی کے قول پر تعقیب کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد بلتاجی لکھتے ہیں:''ڈاکٹر سباعی کی گفتگو میں ایک ایسا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے ہمارے وہ بھائی خائف ہوسکتے ہیں جو اس مسئلہ میں ہم سے مختلف رائے رکھتے ہیں، اس لفظ کی وجہ سے ان کی مخالفت مزید شدید ہوسکتی ہے، وہ لفظ''قانون سازی'' کا ہے۔ ہمارے بھائیوں کو اس لفظ میں شرکیہ معانی کی بو آسکتی ہے، کیونکہ قانون سازی کا حق اصلاً صرف اللہ ہی کو حاصل ہے، اسی کو تمام تر اختیارات حاصل ہیں۔ایک مجتہد کا مقام ومرتبہ فقہ میں کتنا ہی بلند وبالا کیوں نہ ہو، اسلام میں اس کا کا صرف اسی قدر ہے کہ وہ نصوص شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ کے احکام کو لوگوں کے سامنے بیان کرے۔لہذا جب پارلیمنٹ کے اراکین قوانین وضوابط مستنبط کرتے ہیں اور انہیں اسلامی معاشرہ میں نافذ کرتے ہیں تو ان کا یہ عمل اللہ کے حکم کے منافی نہیں ہے، بایں طور کہ اللہ نے جو شریعت بنادی ہے اور جو کچھ مشروع قرار دیا ہے یہ لوگ اس کی مخالفت نہیں کرتے اور نہ ہی وہ اس حق میں اللہ کے ساتھ کوئی حصہ داری کرتے ہیں۔ان کا کام تو صرف اس قدر ہے کہ شرعی نصوص کو سامنے رکھ کر قوانین وضوابط کو بیان کرنے میں اجتماعی طور پر اپنی پوری کوششیں صرف کردیں۔(اسلامی ریاست میں)

(۱۵۷) تحریر المرأۃ فی عصر الرسالہ(۴۴۸/۲)۔

کسی بھی ادارہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی بھی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ اسلامی حکم کو محل نظر قرار دے۔ البتہ اسے اس نقطۂ نظر سے محل نظر قرار دیا جا سکتا ہے کہ اسے نافذ کرنے کا سب سے بہتر طریقہ کیا ہو سکتا ہے۔ اسے علماء اصول فقہ ''تحقیق مناط'' کہتے ہیں، یعنی اس بات کو یقینی بنانا کہ مجتہد فیہ واقعہ میں حکم شرعی کا مناط متحقق ہے.... یہیں پر اسلام کے ادارے دوسرے مذاہب وادیان کے اداروں سے مختلف ہوتے ہیں، کیونکہ اسلام میں کچھ بنیادی واولین پابندیاں ہیں جن سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا، اسلامی نصوص اور قواعد وضوابط سے کوئی مفر نہیں۔ جبکہ دیگر مذاہب سے متعلق ادارے اور پارلیمنٹ کسی مقدس نصوص کے پابند نہیں ہیں جن کے ذریعہ سے قوانین وضوابط مستنبط کئے گئے ہوں'' (۱۵۸)۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی کا خیال ہے کہ پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے عورت کا خود کو بطور امیدوار پیش کرنے کے سلسلہ میں مخالفین نے جن شبہات کو ہوا دی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ پارلیمنٹ کے رکن کا مقام حکومت بلکہ ریاست کے صدر سے بھی بلند ہوتا ہے، اس طرح پارلیمنٹ کے رکن کی حیثیت سے ایک عورت کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ حکومت وریاست اور اس کے صدر کا محاسبہ کرے۔ لہذا اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک جانب تو ہم عورت کو ''ولایت عمومی'' سے منع کرتے ہیں اور دوسری جانب ایک دوسرے طریقہ سے اسے ولایت عمومی عطا کر دیتے ہیں۔

ان شبہات کے پس منظر میں اس بات کی سخت ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مجلس شوری اور پارلیمنٹ کی رکنیت کے معنی ومفہوم کو تفصیل سے بیان کیا جائے۔ یہ بات معروف ہے کہ جدید جمہوری نظام میں پارلیمنٹ کے فرائض کے دو پہلو ہیں: ایک محاسبہ، دوسرا قانون سازی۔ ان دونوں پہلوؤں کے تحلیل وتجزیہ سے مندرجہ ذیل باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں:

شرعی مفاہیم کے پیش نظر لفظ ''محاسبہ'' کے تحلیل وتجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق

(۱۵۸) محمد بلتاجی، مکانۃ المرأۃ فی القرآن والسنۃ الصحیحۃ، ص: ۲۸۲ و ۲۸۳۔

اسلامی اصطلاحات "الامر بالمعروف والنهی عن المنکر" اور "النصیحة فی الدین" سے ہے۔ لہذا مسلمانوں کے ائمہ اور عوام کا محاسبہ واجب ہے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ امر و نہی اور نصیحت مرد و عورت ہر ایک سے مطلوب ہے، قرآن کریم میں پوری وضاحت کے ساتھ کہا گیا ہے: "والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر" (۱۵۹)۔ جب تک عورت کو یہ حق حاصل رہے گا کہ وہ نصیحت کرے، جس رائے کو وہ صحیح سمجھتی ہے اس کا مشورہ دے، معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے اور انفرادی طور پر یہ کہے کہ یہ صحیح ہے اور یہ غلط، اس وقت تک کوئی بھی ایسی شرعی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی جو عورت کو کسی ایسے ادارہ کی رکنیت سے باز رکھے جو ان امور کو انجام دیتی ہو۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ عادات و معاملات میں اصل چیز اباحت ہے، الا یہ کہ کسی چیز یا بات کی ممانعت میں کوئی صحیح اور صریح نص آئی ہو۔ یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ گذشتہ پوری اسلامی تاریخ میں یہ نہیں ملتا ہے کہ عورت مجلس شوری کا حصہ رہی ہو، لیکن اس بات کو شرعی دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو زمان و مکان کے بدلنے سے بدل جاتا ہے۔ گذشتہ زمانوں میں شوری کا نظام بہت منظّم نہیں تھا، نہ ہی مردوں کے لئے اور نہ ہی عورتوں کے لئے۔ درحقیقت یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے تعلق سے نصوص مجمل اور مطلق ہیں، اس کی تفصیل اور تقیید کو مسلمانوں کے اجتہاد پر چھوڑ دیا گیا ہے، اس مسئلہ میں مجتہدین اپنے زمان و مکان اور معاشرتی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اجتہاد کر سکتے ہیں۔

پارلیمنٹ کے فرائض کا دوسرا پہلو قانون سازی ہے۔ بعض پرجوش حضرات قانون سازی کے کام کو بہت ہی بڑا بنا کر پیش کرتے ہیں، اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ کام ولایت اور امارت سے زیادہ اہم اور نازک ہے، کیونکہ اس کام کا تقاضا یہ ہے کہ حکومت و ریاست کے لئے قوانین و ضوابط بنائے جائیں، لہذا عورت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اتنے اہم اور نازک کام

(۱۵۹) التوبہ: ۷۱۔

کی انجام دہی کرے۔ حالانکہ حقیقت میں یہ مسئلہ نہایت ہی سادہ اور سہل ہے، بایں طور کہ بنیادی قانون سازی کا حق تو صرف اللہ ہی کو حاصل ہے، قانون سازی کے اصول بھی اللہ تعالی ہی نے بنائے ہیں، ہم انسانوں کا کام تو صرف یہ ہے کہ جن مسائل کے سلسلہ میں کوئی نص نہیں ہے ان کے احکام مستنبط کریں یا جن کے سلسلہ میں عمومی نصوص ہیں ان کی تفصیل بیان کریں۔ بالفاظ دیگر ہمارا کام ''اجتہاد'' کرنا ہے، اور اسلامی شریعت میں اجتہاد کا دروازہ مرد وعورت ہر ایک کے لئے کھلا ہوا ہے، علماء اصول فقہ میں سے کسی نے بھی اجتہاد کے شرائط کے ضمن میں ''مرد ہونے'' کا تذکرہ نہیں کیا ہے، نہ ہی یہ ذکر کیا ہے کہ عورت کو اجتہاد سے روک دیا گیا ہے''(۱۶۰)۔

ڈاکٹر محمد سعید البوطی تحریر کرتے ہیں: ''....اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام سیاسی سرگرمیاں جنہیں ایک عورت انجام دے سکتی ہے اور جو ریاست کی صدارت کے علاوہ ہیں، دو شرطوں کے ساتھ اباحت کے حکم کے عموم میں داخل ہیں: پہلی شرط یہ ہے کہ اپنے تجربہ اور اختصاص کی بنیاد پر عورت اس کام کی اہلیت رکھتی ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اپنے مظہر اور سلوک میں دینی اوامر، قوانین اور آداب کی پابند ہو۔ حقیقی بات یہ ہے کہ ان میں سے کوئی کام بھی ایسا نہیں جو اللہ کے احکام کی پابندی کے سلسلہ میں ایک عورت کے لئے مانع ہو...''(۱۶۱)۔

ڈاکٹر محمد سلیمان الاشقر (۱۶۲) کی ایک تحریر ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

---

(۱۶۰) محمد بلتاجی، مکانۃ المرأۃ فی القرآن والسنۃ الصحیحۃ، ص: ۲۸۴ و ۲۸۵۔ دیکھئے: یوسف قرضاوی، فتاوی معاصرہ، دار الوفاء، ایڈیشن ۳، ۱۴۱۵ھ، ۱۹۹۴ء (۲/ ۷۷۳ و ۸۲۳)۔

(۱۶۱) محمد سعید البوطی، ردود علی أوہام حول حقوق المرأۃ فی الإسلام، ص: ۶، یہ تحقیقی مقالہ کویت یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعۃ والدراسات الإسلامیۃ کی جانب سے منعقد کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا، کانفرنس کا عنوان ''إشکالیۃ المرأۃ المعاصرۃ فی المجتمعات العربیۃ والإسلامیۃ'' تھا، یہ کانفرنس کویت میں ۱۷-۲۱/ ۳/ ۲۰۰۱ء میں منعقد ہوئی تھی۔

(۱۶۲) روزنامہ الوطن، کویت، عدد ۱۰۱۷۰، سال ۴۲۔ ہفتہ، ۱۰/ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ، ۲۹/ مئی ۲۰۰۴ء۔

صدارتی عہدوں اور پارلیمنٹ میں عورت کی شرکت سے متعلق شرعی دلائل پر ایک نظر:

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اسلام نے عورت کو اعلی مناصب اور بڑے میدانوں میں شرکت سے منع کیا ہے ان کی سب سے مضبوط اور اہم دلیل وہ حدیث ہے جسے امام بخاری (۴۴۲۵و۷۰۹۹) اور امام احمد (۲۰۳۸و۲۰۴۰۲و۲۰۴۵۵) نے بیان کیا ہے۔ ان دونوں حضرات نے ہی یہ حدیث حضرت ابوبکرہؓ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''**لن يفلح قوم أسندوا أمرهم إلى امرأة**'' (۱۶۳)، یہ بخاری کے الفاظ ہیں، امام احمد نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے: ''**لا يفلح قوم تملكهم امرأة**'' (۱۶۴)۔ اس موضوع پر گفتگو کرنے والے ہر شخص کے لئے یہ حدیث نہایت اہم ہے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ حدیث حضرت ابوبکرہؓ کے علاوہ کسی بھی دیگر صحابی سے مروی نہیں ہے....۔

''ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے تب بھی یہ صرف اس سلسلہ میں حجت ہوگی کہ عورت کو سلطنت کا سربراہ ہونے اور ریاست کی صدارت وقیادت کرنے سے باز رکھا جائے۔ اس سلسلہ میں یہ حدیث حجت نہیں ہوسکتی کہ عورت کو قضا کا عہدہ سنبھالنے اور کسی گاؤں یا شہر کا امیر بننے سے باز رکھا جائے۔ اگر کسی مرد کے تعلق سے یہ کہا جائے کہ وہ کسی مملکت کا سربراہ نہیں ہوسکتا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ قاضی، کسی شہر یا گاؤں کا امیر، کسی ادارہ کا صدر، وزیر، وزیر اعظم یا پارلیمنٹ کا رکن بھی نہیں ہوسکتا۔ جو شخص بھی اس حدیث سے اس نوعیت کا استدلال کرتا ہے وہ درحقیقت بڑی غلطی پر ہے، بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ ایسے شخص کے پاس صحیح شعور اور سمجھ نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کا اگر یہی مفہوم مراد لیا جائے تو اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ اگر عورت کسی ملک کی حکمراں ہے تو وہ ملک کسی بھی حال میں کامیاب نہیں ہوسکتا، اور اگر کسی

---

(۱۶۳) مسند ابوداؤد الطیالسی (۳/۱۱۸) حدیث ۸۷۸، ایڈیشن اول، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدرآباد، دکن، ہندوستان، ایڈیشن اول، ۱۳۲۱ھ۔ مسند احمد (۵/۳۸و۴۷)۔

(۱۶۴) مسند احمد (۵/۴۳)۔

ملک کی حکمراں عورت ہونے کے باوجود وہ ملک اپنے دنیوی امور میں کامیاب ہوجاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ (نعوذ باللہ) یہ حدیث غلط اور جھوٹ ہے۔ جدید دور میں بہت سے ایسے ممالک ہیں جن کی صدارت کا عہدہ کسی خاتون کے پاس تھا اور ان ممالک نے ان خواتین کی صدارت میں بڑی کامیابیاں حاصل کی ہیں، مثال کے طور پر ہندوستان کی اندرا گاندھی، بریطانیہ کی مارگریٹ تھیچر۔ ہم نے اپنی گذشتہ گفتگو میں ''کامیابیوں'' کے ساتھ ''دنیوی امور'' کی بات کی ہے، کیونکہ یہ حدیث دنیوی امور میں کامیابی ہی سے متعلق ہے۔

بخاری میں حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے کہ ''جب نبی کریم ﷺ کو خبر ملی کہ اہل فارس نے کسری کی بیٹی کو اپنا حکمراں بنالیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''**لن يفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة**''(۱۶۵)۔

بلکہ میں کہتا ہوں کہ قرآن کریم نے ایک ایسی قوم کا ذکر کیا ہے جس کی حکمراں ایک عورت تھی، قرآن کریم نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ عورت بہت کامیاب تھی، وہ یمن کی ملکہ تھی جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ حضرت سلیمان کے پاس ان کا پرندہ ہدہد آیا اور اس نے کہا: ''**وجئتک من سبأ بنبأ يقين، إني وجدت امرأة تملكهم وأوتيت من كل شيئ ولها عرش عظيم**''(۱۶۶)(میں سبا کے متعلق یقینی اطلاع لے کر آیا ہوں، میں نے وہاں ایک عورت دیکھی جو اس قوم کی حکمراں ہے، اس کو ہر طرح کا سروسامان بخشا گیا ہے اور اس کا تخت بڑا عظیم الشان ہے)۔ اس کے بعد حضرت سلیمانؑ نے اسے ایک خط لکھ کر اسلام کی دعوت دی، اور اسلام قبول کرکے اپنے پاس آنے کے لئے کہا۔

---

(۱۶۵) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی إلی کسری وقیصر، ص: ۳۶۳، حدیث ۴۴۲۵، اور باب الفتن نمبر: ۱۸، حدیث: ۷۰۹۹۔ جامع الترمذی، کتاب الفتن باب (۶۴) (۵۴۱/۶) حدیث: ۲۳۶۵۔

(۱۶۶) النمل: ۲۲-۲۳۔

خط ملنے کے بعد اس عورت نے بہت بہتر انداز سے تدبیر کی۔ اس نے اپنی سلطنت کے افراد سے مشورہ لیا اور اس طرح اس نے پالیسیوں کے تئیں ان افراد کی اطاعت وفرمانبرداری کو یقینی بنایا، پھر اس نے حضرت سلیمانؑ کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس ایک ہدیہ بھیجا، جسے قبول کرنے سے حضرت سلیمانؑ نے انکار کردیا۔ انہوں نے بار بار اس ملکہ سے یہی کہا کہ وہ اور اس کی قوم ان کی مطیع وفرمانبردار ہوجائے، لہذا انجام کار وہ اور اس کے افراد قدس شہر میں حضرت سلیمانؑ کے پاس چل کر آئے۔ اس قصہ کا اگلا حصہ ذکر کرتے ہوئے قرآن نے کہا:

"قيل لها ادخلي الصرح فلما رأته حسبته لجة وكشفت عن ساقيها قال إنه صرح ممرد من قوارير قالت ربي إني ظلمت نفسي وأسلمت مع سليمان لله رب العالمين" (۱۶۷) (اس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو۔ اس نے جو دیکھا تو سمجھی کہ پانی کا حوض ہے اور اترنے کے لئے اس نے پائینچے اٹھالئے، سلیمانؑ نے کہا: یہ شیشہ کا چکنا فرش ہے، اس پر وہ پکار اٹھی اے میرے رب (آج تک) میں اپنے نفس پر بڑا ظلم کرتی رہی، اور اب میں نے سلیمانؑ کے ساتھ اللہ رب العالمین کی اطاعت قبول کرلی)۔

اللہ تعالی نے اس عورت کی بڑی تعریف کی ہے، اور اس کی کامیابی کو بڑا سراہا ہے جس تک وہ اپنی دانشمندی اور حسن تدبیر سے پہنچی تھی۔ اپنی دانشمندی کا استعمال کرتے ہوئے اس عورت نے اپنے ملک اور اپنی قوم کو جنگ کی ہلاکتوں سے محفوظ کرلیا تھا۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں حضرت قتادہؓ کا قول نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: اللہ اس عورت پر رحم کرے اور اس سے راضی ہو، وہ اسلام اور شرک کے مسئلہ میں بڑی دانشمند تھی، اس نے اپنی قوم کو سورج کی پرستش سے دور کیا اور ایک اللہ کی عبادت کی جانب لے کر آئی۔

پارلیمنٹ میں عورت کی شرکت کے مسئلہ میں بہت سی اچھی باتیں بھی ہیں۔ وہ پارلیمنٹ عمومی امور کے سلسلہ میں ہونے والے مشورہ میں بہتر طریقہ سے حصہ لے سکتی ہے۔ یہ

---

(۱۶۷) النمل: ۴۴۔

بات پیش نظر رہے کہ گھر، خاندان اور بچوں سے متعلق امور میں مردوں سے زیادہ بہتر نظر عورتوں کی ہوتی ہے۔ البتہ یہ پارلیمنٹ کی ذمہ داری ہے کہ عورتوں کو پارلیمنٹ میں ووٹ ڈالنے اور بطور امیدوار کھڑے ہونے کا حق دینے سے پہلے شرعی قوانین وضوابط کو یقینی بنائیں تا کہ حتی الامکان شریعت کی مخالفت سے بچا جا سکے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ملک کے حق میں کام کرنے والوں کو اپنی توفیق سے نوازے اور انہیں لغزشوں سے محفوظ رکھے'' (۱۶۸)۔

ڈاکٹر محمد علی الحاج حسین (۱۶۹) لکھتے ہیں: ''انتخابات میں حصہ لینے، ووٹ ڈالنے، پارلیمنٹ اور میونسپل کارپوریشن کی رکنیت کے لئے خود کو بطور امیدوار کھڑا کرنے اور سیاسی نمائندگی سے متعلق عورت کے حقوق کو اسلام نے تسلیم کیا ہے۔ میرے علم میں کوئی بھی ایسی شرعی نص موجود نہیں ہے جو عورتوں کو ان حقوق سے محروم کرتی ہو، بشرطیکہ وہ اسلامی نظام اور تعلیمات کی پابند ہو اور باحیاء و پاکباز ہو۔ جو لوگ عورت کو ان حقوق سے محروم رکھتے ہیں ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ عورت کو قانون سازی کا حق حاصل نہیں ہے۔ ہم اس بات کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اسلامی دائرہ میں قانون سازی کی بات کی جائے تو مرد وعورت میں سے کسی کو بھی قانون سازی کا حق حاصل نہیں ہے، قانون ساز تو صرف اللہ تعالی کی ذات ہے، البتہ لوگوں کو اجتہاد کرنے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں استنباط کرنے کی اجازت حاصل ہے، اور استنباط عورت کے لئے ناجائز نہیں ہے، بلکہ استنباط واجتہاد کے سلسلہ میں مرد وعورت دونوں ہی یکساں ہیں، کسی نے بھی یہ بات نہیں کہی ہے کہ شرعی ودنیوی مسائل کے سلسلہ میں اجتہاد کرنے کا حق عورت کو حاصل نہیں ہے'' (۱۷۰)۔

---

(۱۶۸) ڈاکٹر محمد الاشقر نے نیل المآرب للشیبانی کے حاشیہ (۲/ ۳۸۵) میں اس حدیث پر تعقیب کی ہے....، مکتبۃ الفلاح، کویت، ایڈیشن اول، ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء۔

(۱۶۹) کویت فائنانس ہاؤس کے شرعی جنرل آڈیٹر۔

(۱۷۰) دیکھئے: محمد علی الحاج حسین، حقوق المرأۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ، مطابع الخط، کویت، ۱۹۹۹ء، ص: ۵۴۔

شیخ محمد عزۃ دروزۃ لکھتے ہیں: ''حکومت اور معاشرہ میں شراکت وحصہ داری کو قرآن کریم نے مرد وعورت دونوں کے لئے ہی یکساں طور پر تسلیم کیا ہے، البتہ عورت کی جنسی خصوصیات کے پیش نظر اس سلسلہ میں بعض استثناءات بھی پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم نے مرد ہی کی طرح عورت کو بھی مختلف سیاسی ومعاشرتی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی اجازت دی ہے۔

معاشرتی سرگرمیوں کی مثال: استعداد بہتر بنانے اور اہلیت کا استعمال کرنے کی خاطر مختلف علوم وفنون کا حاصل کرنا۔

سیاسی سرگرمی کی مثال: کسی ادارہ کی ایسی رکنیت جس کے نتیجہ میں ایک انسان عوام کے مختلف طبقات کی نمائندگی کرتا ہے، قوانین بناتا ہے، اور مختلف امور ومعاملات اور مختلف قومی، معاشرتی اور اصلاحی کاوشوں کی نگرانی کرتا ہے۔

..... یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ عورت کم علم اور غافل ہوتی ہے، لہذا اسے گھر کے علاوہ کسی اور کام میں لگانا درست نہیں ہے۔ غور وفکر کرنے والے اور اہل دانش جانتے ہیں کہ عرب واسلامی ممالک میں موجود مردوں کے سواد اعظم کا حال یہ ہے کہ وہ کم علم اور غافل ہیں، اس کے باوجود کسی نے آج تک یہ بات نہیں کہی کہ اس سبب کی بنیاد پر ان مردوں کو سیاسی ومعاشرتی حقوق سے محروم کردینا چاہئے۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ سیاسی ومعاشرتی میدان میں کام کرنے کے لئے تمام عورتیں نکل کر نہیں آجاتی ہیں، بلکہ اس کام کے لئے چند عورتیں ہی آگے آتی ہیں، جیسا کہ مردوں کے ساتھ بھی ہوتا ہے، لہذا اس بات کا خدشہ باقی نہیں رہ جاتا ہے کہ عورتیں گھر کے کام سے لاپرواہ ہوجائیں گی'' (۱۷۱)۔

(۱۷۱) دیکھئے: محمد عزۃ دروزۃ، الدستور القرآنی فی شئون الحیاۃ، ص: ۸۷ و ۸۹۔

جب میں نے ڈاکٹر عیسی زکی عیسی (۱۷۲) سے اس موضوع سے متعلق سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا: سب سے پہلے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ حقوق کا مصدر اور سرچشمہ کیا ہے، کیونکہ حق اسی وقت ثابت ہوگا جب اسے دینے والی ذات ایسی ہو جسے حقوق دینے اور سلب کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ بلاشبہ حقوق کو دینے کا بنیادی سرچشمہ ''اسلامی شریعت'' ہے جس نے انسان کے فطری حقوق کو تسلیم کیا ہے اور ان حقوق کے استعمال کے لئے چند اصول وضوابط بھی متعین کئے ہیں۔ اختصار کے ساتھ میں یہ کہوں گا کہ جو فطری حقوق مرد وعورت کے درمیان مشترک ہیں انہی میں سے ایک حق وہ ہے جو زندگی کے مختلف امور ومعاملات میں سہولت پیدا کرنے اور انہیں منظّم کرنے کے لئے اصول وضوابط بنانے سے متعلق ایک انسان کو حاصل ہوتا ہے، سیاسی امور ومعاملات بھی اسی ضمن میں آجاتے ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا حق کو'' فطری حق'' کے طور پر بیان کیا ہے، کیونکہ ان اصول وضوابط کا لوگوں کی زندگی پر بڑا اثر پڑتا ہے، لہذا لوگوں کی زندگی کے تعلق سے جو بھی فیصلہ صادر ہوتا ہے اس میں تمام لوگوں کی شرکت ضروری ہے۔ یہاں پر دوبارہ میں یہ بات کہہ رہا ہوں کہ دیگر حقوق کی طرح اس حق کے استعمال کے وقت بھی شرعی اصول وضوابط کی پابندی ضروری ہے، لہذا اس حق کو استعمال کرتے وقت شرعی ثوابت کی پابندی کی جائے گی اور راجح شرعی مصلحت ومنفعت کی رعایت کی جائے گی۔

قدیم اسلامی معاشرہ میں سیاسی فیصلوں کے لینے کے عمل میں عورت بھی شریک رہی ہے، عورت کبھی بھی سیاسی زندگی سے مکمل طور پر غائب نہیں رہی ہے، (اس کی مختلف مثالیں ہیں) مثلاً حضرت ام سلمہؓ کا نبی کریم کو مشورہ دینا کہ وہ صحابہ کرام کے سامنے اپنے بال اتروائیں، کیونکہ صحابہ کرامؓ کو اس میں تردد ہو رہا تھا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مشرکین نے صحابہؓ کو عمرہ کی تکمیل سے روک دیا تھا۔ ایک عورت کا حضرت عمر بن خطابؓ کا محاسبہ کرنا اور خواتین کا جہاد اور جنگوں میں

(۱۷۲) الہیئۃ العامۃ للتعلیم التطبیقی والتدریب کے قسم الدراسات الإسلامیۃ کے کلیۃ التربیۃ الأساسیۃ میں استاذ فقہ، اور مشیر الموسوعۃ الفقہیہ۔

شریک ہونا بھی اسی ضمن کی مثالیں ہیں۔ اسلام نے عورت کے لئے سیاسی حق کے استعمال کی کسی متعین شکل کو لازم قرار نہیں دیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی زندگی میں عورت کی شرکت کی تعیین مصلحت کے پیش نظر اس طرح سے کی جائے گی کہ عورت کا یہ حق محفوظ رہے اور وہ اپنے اس حق کے استعمال سے محروم نہ ہو۔

سابقہ گفتگو کی روشنی میں یہ بات پیش نظر رہے کہ عورت کے لئے سیاسی حق کے استعمال کی یہ شکل کہ وہ پارلیمنٹ کے انتخابات میں ووٹ ڈالے اور اس کی رکنیت کے لئے خود کو بطور امیدوار پیش کرے اور اس موضوع کے گرد فقہی بحث ومناقشہ کو اس نظر سے دیکھنا چاہئے کہ یہ اختلافات قابل اعتبار ہیں اور ان کی وجہ سے انسانوں کو مختلف آراء کے درمیان کسی ایک کو اختیار کرنے کے سلسلہ میں سہولت اور وسعت حاصل ہو جاتی ہے، بلکہ اس کی وجہ سے ولی امر کو یہ سہولت حاصل ہوتی ہے کہ دونوں رایوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دے کر اسے لازمی قانون کی شکل دے دے۔ حاکم کا حکم اختلافات کو ختم کر دیتا ہے، خصوصاً اس صورت میں جبکہ اس اختلاف کا فقہی مناط پارلیمنٹ کی طبیعت وماہیت کی تکییف سے متعلق ہے، یعنی کیا پارلیمنٹ اس عمومی ولایت کے ضمن میں آتا ہے جس کے بارے میں سبھی کا اتفاق ہے کہ وہ کسی عورت کو حاصل نہیں ہوسکتی، یا پارلیمنٹ کا تعلق ''خصوصی ولایت'' سے ہے جو ایک عورت کو بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ علاوہ ازیں اس مناط کا انحصار ''عمومی ولایت'' کی تفسیر پر بھی ہے، آیا ''عمومی ولایت'' ایک مطلق ولایت ہے جس میں ولی کو آزادانہ تصرفات کا مکمل حق حاصل ہوتا ہے، لہذا وہ دوسروں پر احکام صادر کرتے ہوئے ان کی رضا اور ان کے اختیار کی رعایت کا پابند نہیں ہوتا۔ یا ''عمومی ولایت'' اختیارات (سلطۃ) میں محض شرکت کا نام ہے، مثلاً پارلیمنٹ کا اختیار بایں طور کہ پارلیمنٹ ایک تشریعی اختیار ہے اور یہ اختیار پارلیمنٹ کو ایک اعتباری شخصیت عطا کرتا ہے۔

مذکورہ بالا گفتگو سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس موضوع سے متعلق فقہی اختلاف

درحقیقت ایک معتبر اختلاف ہے، امت کے افراد ان میں سے کسی بھی رائے پر عمل کر سکتے ہیں۔

لیکن میرا خیال ہے کہ اس موضوع سے متعلق ایک پہلو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے اور وہ ہے مصلحت کی رعایت۔ یعنی اس بات پر غور کیا جانا چاہئے کہ سیاست میں عورت کے آنے کی وجہ سے معاشرہ سے متعلق اس کی دیگر ضروری واصل ذمہ داریوں پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ ابھی تک ہم نے اس کا بھی جائزہ نہیں لیا ہے کہ لیبر مارکٹ (ملازمت) کے مختلف شعبوں میں عورت کے آنے کے بعد معاشرہ سے متعلق اس کی اصل ذمہ داریوں پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں، اس کے باوجود ہم عورت پر ایک مزید بوجھ (یعنی سیاست میں اترنے کا بوجھ) ڈالنا چاہتے ہیں۔ مصلحت کو جاننے کے لئے ان اثرات کا جائزہ لینا نہایت اہم ہے، کیونکہ مصلحت جاننے کے بعد مختلف فقہی آراء اور نقطہائے نظر کے درمیان ترجیح میں آسانی ہوجاتی ہے۔ اس بات کا امکان ہے کہ معاصر دور کے بہت سے اجتہادی مسائل میں ہونے والا اختلاف درحقیقت معتبر اختلاف ہو، لہذا مصلحت کے پیش نظر مختلف آراء کے درمیان کسی ایک کو ترجیح دی جاسکتی ہے، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے مصلحت کا صحیح طور پر تجزیہ کرلیا جائے اور ساتھ ہی اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ سیاست میں عورت کی شرکت کا حق محفوظ ہے، مصلحت کے پیش نظر سیاست میں شرکت کی شکل کچھ بھی ہوسکتی ہے، ضروری نہیں ہے کہ اس کی شکل پارلیمنٹ میں شرکت ہی ہو۔

کویت کی وزارت برائے اوقاف واسلامی امور کا شعبۂ فتوی اس موضوع کے تعلق سے اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ:

''اس مسئلہ کا تعلق اختلافی مسائل سے ہے، اور فقہاء نے یہ فقہی قاعدہ بیان کیا ہے کہ اجتہادی مسائل میں حاکم کا حکم اختلاف کو ختم کردیتا ہے، بشرطیکہ حاکم کی رائے اور فیصلہ سے ایسی مصلحت کی تکمیل ہورہی ہو جسے شریعت نے معتبر تسلیم کیا ہو۔ اور حاکم وہ ہوتا ہے جسے شرعی قوانین کی روشنی میں فیصلوں وقوانین کو منظور کرنے اور انہیں نافذ کرنے کا اختیار حاصل ہو۔

واللہ تعالی اعلم''(۱۷۳)۔

پہلے قول کے دلائل:

جواز کے قائلین مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں:

اول: قرآن کریم:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**إن الله اصطفى آدم ونوحا وآل إبراهيم وآل عمران على العالمين ذرية بعضها من بعض**''(۱۷۴)(اللہ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر (اپنی رسالت کے لئے) منتخب کیا تھا۔ یہ ایک سلسلہ کے لوگ تھے جو ایک دوسرے کی نسل سے پیدا ہوئے تھے)۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**وإذ قالت الملائكة يا مريم إن الله اصطفاك وطهّرك واصطفاك على نساء العالمين**''(۱۷۵)(پھر وہ وقت آیا جب مریم سے فرشتوں نے آ کر کہا: اے مریم، اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا اور پاکیزگی عطا کی اور تمام دنیا کی عورتوں پر تجھ کو ترجیح دے کر اپنی خدمت کے لئے چن لیا)۔

سورہ احزاب میں اللہ تعالی فرماتا ہے: ''**إن المسلمين والمسلمات والمؤمنين والمؤمنات والقانتين والقانتات والصادقين والصادقات والصابرين والصابرات والخاشعين والخاشعات والمتصدقين والمتصدقات والصائمين والصائمات والحافظين فروجهم والحافظات والذاكرين الله كثيرا**

---

(۱۷۳) فتوی نمبر ۵۵/۲۰۰۵ء، مطابق ۲۹/صفر ۱۴۲۶ھ، ۱۹/مارچ ۲۰۰۵ء، وزارت برائے اوقاف واسلامی امور، کویت۔

(۱۷۴) آل عمران: ۳۳-۳۴۔

(۱۷۵) آل عمران: ۴۲۔

والذاكرات أعد الله لهم مغفرة وأجراً عظيما" (۱۷۶) (بالیقین جومرداور جوعورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں، اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے)۔

سورہ بقرہ میں اللہ کا ارشاد ہے: "ولهن مثل الذى عليهن بالمعروف" (۱۷۷) (عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں)۔

مندرجہ بالا آیت کے تعلق سے تفسیر منار میں تحریر ہے:

"یہ جملہ بہت ہی جامع ہے، اس میں اختصار کے ساتھ ان معانی کو ادا کر دیا گیا ہے جنہیں تفصیل کے ساتھ ایک ضخیم کتاب کی شکل میں ہی بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہاں یہ بات بتائی گئی ہے کہ عورت تمام حقوق میں مردوں کے مساوی ہے۔ اس میں یہ بھی بتا دیا گیا کہ معاشرت، معاملات اور اہلیت کے سلسلہ میں مردوں کے عورتوں پر اور عورتوں کے مردوں پر معروف طریقے پر کیا حقوق ہیں۔ معروف وہ ہے جو لوگوں کے عرف اور عادت میں شامل ہے اور جو لوگوں کی شریعت، عقائد، آداب اور عادات کے مطابق ہے" (۱۷۸)۔

قرآن کریم نے مرد و عورت کی مطلق ولایت کو تسلیم کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اللہ کا ارشاد ہے: "والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر" (۱۷۹)۔

مذکورہ مسئلہ کے جواز کے قائلین کے مطابق مذکورہ بالا آیت دو امور پر مشتمل ہے:

---

(۱۷۶) الاحزاب: ۳۵۔

(۱۷۷) البقرہ: ۲۲۸۔

(۱۷۸) محمد رشید رضا، تفسیر القرآن الحکیم، تفسیر المنار، دار المعرفۃ، بیروت، ایڈیشن دوم (۲/ ۳۷۵)۔ المرأۃ والإسلام فی رأی الإمام محمد عبدہ، تحقیق: محمد عمارۃ، القاہرۃ للثقافۃ العربیۃ، ۱۹۷۵ء، ص: ۱۶۔

(۱۷۹) التوبہ: ۷۱۔

۱-مومن مردوں اور مومن عورتوں کے درمیان ولایت، یہ ولایت اخوت، دوستی اور تعاون علی الخیر پر مشتمل ہوتی ہے۔

۲-معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا۔ یہ ایسا فریضہ ہے جس میں اصلاح کی تمام قسمیں شامل ہوتی ہیں، خواہ اس کا تعلق زندگی کے کسی بھی گوشہ (بشمول سیاست) سے ہو۔

مذکورہ بالا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ معاشرہ کی سیاست میں مرد وعورت دونوں ہی یکساں طور پر شریک ہیں۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ تشریعی (قانون سازی)، عدالتی اور انتظامی اختیارات کے ذریعہ درحقیقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی کا کام کیا جاتا ہے، کبھی قانون سازی اور احکام کو جاننے کے لئے اجتہاد کرنے کے ذریعہ، کبھی تنازعات کا فیصلہ سنانے کے ذریعہ اور کبھی احکامات وقوانین کو نافذ کرنے اور ان پر عمل کو لازم قرار دینے کے ذریعہ (۱۸۰)۔

لہذا اسلام میں ایسا نہیں ہے کہ ساری ذمہ داریاں صرف مرد پر ڈال دی گئی ہوں۔ مرد کا اپنا ایک دائرہ کار ہے اور عورت کا اپنا ایک دائرہ کار ہے۔ زندگی صحیح راہ پر اسی صورت میں گامزن رہ سکتی ہے جبکہ دونوں جنس کو ایک ساتھ امت کی تعمیر وترقی کی ذمہ داری سونپی جائے (۱۸۱)۔

جس آیت میں اللہ نے دین ودنیا کے تمام معاملات میں مرد وعورت کے مکلّف ہونیکا ذکر کیا ہے اس آیت کا آغاز اللہ تعالی نے نر (مرد) اور مادہ (عورت) کی قسم کھا کر کیا ہے، اللہ کا ارشاد ہے: "**وما خلق الذكر والأنثى إن سعيكم لشتى فأما من أعطى واتقى وصدق بالحسنى فسنيسره لليسرى، وأما من بخل واستغنى وكذب بالحسنى فسنيسره للعسرى**" (۱۸۲)، (قسم ہے اس ذات کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا، درحقیقت

---

(۱۸۰) دیکھئے: البہی الخولی، المرأۃ بین البیت والمجتمع، ص:۱۳۶۔ محمد رشید رضا، نداء الجنس اللطیف، طبعۃ المنار، ۱۹۶۷ء، ص:۷۔ عبد الحمید الشورابی، الحقوق السیاسیۃ للمرأۃ فی الإسلام، ص:۸۶ و ۸۸۔

(۱۸۱) الإسلام عقیدۃ وشریعۃ، ص:۱۹۶۔

(۱۸۲) اللیل:۳-۱۰۔

تم لوگوں کی کوششیں مختلف قسم کی ہیں، تو جس نے (راہ خدا میں) مال دیا اور (خدا کی نافرمانی سے) پرہیز کیا اور بھلائی کو سچ مانا اس کو ہم آسان راستے کے لئے سہولت دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور (اپنے خدا سے) بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا، اس کو ہم سخت راستے کے لئے سہولت دیں گے"۔

سورۂ اعراف میں اللہ تعالی فرماتا ہے: "**هو الذى خلقكم من نفس واحدة**" (۱۸۳) (وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا)۔

مذکورہ بالا آیت میں یہ بنیادی نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ مرد وعورت ایک دوسرے کے جوڑے ہیں، ایک سے دوسرے کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے سیاسی زندگی میں بھی دونوں ایک ہی درجہ اور مقام پر ہیں (۱۸۴)۔

دوم: حدیث نبوی:

نبی کریم ﷺ کے عہد سے لے کر صحابہ کرامؓ وتابعین کے عہد تک بہت سی ایسی مثالیں اور دلائل مل جائیں گے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں سیاسی زندگی میں بھی شریک رہی ہیں، ذیل میں اس سلسلہ کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱-عورتوں کا نبی کریم ﷺ سے بحیثیت امام المسلمین بیعت کرنا:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**يا أيها النبى إذا جاءك المؤمنات يبايعنك على أن لا يشركن بالله شيئا ولا يسرقن ولا يزنين ولا يقتلن أولادهن ولا يأتين ببهتان يفترينه بين أيديهن وأرجلهن ولا يعصينك فى معروف فبايعهن**

---

(۱۸۳) الاعراف:۱۸۹۔

(۱۸۴) احمد ابراہیم مہنا، الإنسان فی القرآن الکریم، مطبوعات مجمع البحوث الإسلامیۃ، ص:۲۶۱۔

واستغفرلهن الله إن الله غفور رحيم" (۱۸۵) (اے نبی ﷺ، جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لئے آئیں اور اس بات کا عہدہ کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی، اور کسی امر معروف میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی، تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کرو، یقیناً اللہ درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے)۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ میں سے ہر ایک کے ساتھ عید کی نماز میں شریک رہا ہوں، یہ تمام ہی حضرات پہلے نماز پڑھاتے تھے، پھر خطبہ دیتے تھے۔ نبی کریم ﷺ ایک جانب اترے، گویا کہ میں آج بھی اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھ رہا ہوں کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے مردوں کو بیٹھنے کے لئے کہہ رہے ہیں، پھر آپ ﷺ مردوں کی صفوں میں سے گزرتے ہوئے حضرت بلالؓ کے ساتھ عورتوں تک پہنچے اور ان کے سامنے یہ آیت مکمل تلاوت کی: "يا أيها النبى إذا جائک المؤمنات يبايعنک"، آیت کی تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے عورتوں سے کہا: کیا تم سب اس سے اتفاق کرتی ہو؟ عورتوں میں سے ایک نے آپ ﷺ کو جواب دیتے ہوئے کہا: ہاں، اے اللہ کے رسول ﷺ۔ حضرت حسن کو پتہ نہیں کہ وہ خاتون کون تھیں۔ پھر آپ ﷺ نے عورتوں سے کہا: تم سب صدقہ کیا کرو۔ حضرت بلالؓ نے اپنا کپڑا پھیلا دیا، خواتین اس میں اپنی انگوٹھیاں اور زیورات ڈالنے لگیں (۱۸۶)۔

نبی کریم ﷺ سے عورتوں کی بیعت کے واقعے سے مندرجہ ذیل باتوں کا علم ہوتا ہے:

---

(۱۸۵) الممتحنہ: ۱۲۔

(۱۸۶) بخاری، کتاب العیدین، باب موعظۃ الإمام النساء یوم العید، ص: ۷۶، حدیث ۹۷۰۔ مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، ص: ۸۱۵، حدیث ۲۰۴۴۔

اول: عورت کی شخصیت مستقل بالذات ہے، وہ صرف مرد کی تابع ہی نہیں ہے، بلکہ وہ بھی اسی طرح سے بیعت کرسکتی ہے جس طرح سے ایک مرد بیعت کرتا ہے۔

دوم: عورتوں کی بیعت درحقیقت نبی کریم ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کی بیعت ہے، اور اس سلسلہ میں مرد وعورت دونوں ہی یکساں ہیں۔ بسا اوقات مرد بھی نبی کریم ﷺ سے اسی طرح بیعت کرتے تھے جس طرح عورتیں کرتی تھیں۔ حضرت عبادۃ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے اپنے گرد بیٹھے ہوئے صحابہ کرامؓ سے کہا: ''آؤ، تم سب مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کروگے، چوری نہ کروگے، زنا نہ کروگے، اپنی اولاد کو قتل نہ کروگے، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لاؤگے، اور کسی امر معروف میں میری نافرمانی نہ کروگے... حضرت عبادہؓ کہتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ سے ان باتوں پر بیعت کی (۱۸۷)۔

بیعت کی ایک قسم وہ ہے جو صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے، وہ بیعت جہاد اور جنگ سے متعلق ہے، مثلاً حدیبیہ کی بیعت رضوان۔

سوم: نبی کریم ﷺ سے عورتوں کی بیعت کی دو بنیادیں ہیں: اول: نبی کریم ﷺ اللہ کے رسول اور اس کی جانب سے متعین مبلغ ہیں، دوم: نبی کریم ﷺ مسلمانوں کے امام ہیں۔ دوسری بنیاد کی تائید آیت کے اس حصہ سے ہوتی ہے: ''**ولا یعصینک فی معروف**''۔ امام کی اطاعت کے تعلق سے خود نبی کریم ﷺ کا قول یہ ہے: ''**إنما الطاعة فی المعروف**'' (۱۸۸)۔

اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے مجھے بیعت عقبہ ثانیہ کی یاد آگئی جس میں مردوں کے

---

(۱۸۷) بخاری، کتاب الایمان، باب علامۃ الإیمان حب الانصار، ص: ۳، حدیث ۱۷۔

(۱۸۸) بخاری، کتاب الاحکام، باب السمع والطاعۃ مالم تکن معصیۃ، ص: ۵۹۵، حدیث ۷۱۴۵۔ مسلم، کتاب الإمارۃ، باب وجوب طاعۃ الأمراء فی غیر معصیۃ، ص: ۱۰۰۸، حدیث ۴۷۶۵۔

ساتھ چند خواتین بھی شریک تھیں۔ حضرت کعب بن مالکؓ کہتے ہیں: ہم اپنی قوم کے مشرکین کے ساتھ حج کے لئے نکلے، ہم نے عبادت کی، ہمارے ساتھ براء بن معرور بھی تھے، وہ ہمارے سردار اور ہم میں سب سے بڑے تھے،... حضرت کعبؓ کہتے ہیں: عقبہ کے پاس ہم تہتر مرد جمع ہوئے، ہمارے ساتھ دو عورتیں بھی تھیں، ان میں سے ایک ام عمارہ بنت کعب تھیں جن کا تعلق قبیلہ بنو مازن سے تھا، اور دوسری اسماء بنت عمرو بن عدی تھیں جن کا تعلق قبیلہ بنو سلمہ سے تھا (۱۸۹)۔ یہ حدیث ابن اسحاق نے بیان کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۲-اسلام کے دفاع کی خاطر جہاد میں عورت کی شرکت:

حضرت ربیع بنت معوذؓ فرماتی ہیں: ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوات میں جاتے تھے، ہم مجاہدین کو پانی پلاتے تھے، ان کی خدمت کرتے تھے، زخمیوں کا علاج کرتے تھے اور زخمیوں اور مقتولین کو واپس مدینہ بھیجتے تھے" (۱۹۰)۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے اس حال میں پیش کئے گئے کہ وہ سمندروں میں سوار ہو کر اللہ کی راہ میں غزوہ کر رہے تھے، وہ تخت شاہی پر بادشاہ ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت ام حرام نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ، آپ میرے لئے اللہ سے دعا فرمادیں کہ میں بھی ان مجاہدین و غازیوں کے ساتھ شامل رہوں، لہذا آپ نے ان کے لئے دعا فرمادی....(۱۹۱)۔

---

(۱۸۹) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، کتاب المناقب، باب وفود الانصار إلی النبی ﷺ بمکۃ، ص:۱۷۵۔ دیکھئے: عبدالحلیم ابوشقہ، تحریر المرأۃ فی عصر الرسالۃ، ص:۴۲۵ و ۴۲۶۔

(۱۹۰) بخاری، کتاب الجہاد، باب رد النساء الجرحی والقتلی، ص:۲۳۲، حدیث ۲۸۸۲۔ مسند احمد (۳۹۶/۱۳)، حدیث ۲۶۸۹۶۔

(۱۹۱) بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب الدعاء بالجہاد والشہادۃ للرجال والنساء، ص:۲۲۴ و ۲۲۵، حدیث ۲۷۸۸۔ مسلم، کتاب الإمارۃ، باب فضل الغزو فی البحر، ص:۱۰۱۹، حدیث ۴۹۳۴۔

۳-ایک عورت کا نبی کریم ﷺ سے بحیثیت امام المسلمین محبت کا اعلان کرنا:

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں: ''ہند بنت عتبہ آئیں اور انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ، روئے زمین پر جتنے خیمے والے (یعنی متبعین) ہیں ان میں سب سے زیادہ ذلت ورسوائی مجھے آپ کے خیمے والوں (یعنی آپ کے متبعین) کے لئے پسند تھی، لیکن اب مجھے آپ کے قبیلہ والوں کی عزت سے بڑھ کر کسی کی عزت پسند نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں بھی اتنی ہی محبت کرتا ہوں'' (۱۹۲)۔

۴-عورت کا مردوں کو پناہ دینا اور امام کی جانب سے اس پناہ کی تائید:

ام ہانی بنت ابی طالبؓ کہتی ہیں: فتح مکہ کے سال میں نبی کریم ﷺ کے پاس گئی، اس وقت آپ ﷺ غسل فرما رہے تھے، آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ نے آپ کا پردہ کیا ہوا تھا۔ میں نے آپ کو سلام کیا، تو آپ ﷺ نے پوچھا: کون ہے؟ میں نے کہا: میں ابوطالب کی بیٹی ام ہانی ہوں، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: خوش آمدید ام ہانی۔ غسل سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے آٹھ رکعتیں پڑھیں، اس وقت آپ ﷺ صرف ایک چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ، فلاں ابن ہبیرہ کو میں نے پناہ دے رکھی ہے اور میرا بھائی علیؓ کہتا ہے کہ وہ اس سے لڑے گا، یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اے ام ہانی جسے تم نے پناہ دے دی اسے ہم نے بھی پناہ دے دی (۱۹۳)۔

---

(۱۹۲) بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ذکر ہند بنت عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہما، ص: ۳۱۰، حدیث ۳۸۲۵، مسلم کتاب قضیۃ ہند، ص ۹۸۱، حدیث ۴۴۷۷۔

(۱۹۳) بخاری، کتاب الجزیۃ، باب أمان النساء وجوارہن، ص: ۲۵۶، حدیث ۳۱۷۱۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرہا، باب استحباب صلاۃ الضحی وأن أقلہا رکعتان وأکملہا ثمان، ص: ۷۹۱، حدیث ۱۶۶۹۔

۵-سیاسی امور میں عورت کی دلچسپی:

مختلف مقامات پر عورت نے سیاسی امور ومعاملات میں دلچسپی لی ہے، ہمیں ان مقامات پر تھوڑا توقف کر کے غور وفکر کرنا چاہئے۔

حضرت ام سلمہؓ نے جب منبر سے امام المسلمین کی ندا سنی تو اس ندا پر لبیک کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ حضرت عبداللہ بن رافعؒ کہتے ہیں کہ ان سے حضرت ام سلمہؓ نے بتایا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا (اس وقت وہ اپنے بالوں میں کنگھا کروا رہی تھیں): ''اے لوگو'' (أیہا الناس)۔ یہ سن کر انہوں نے کنگھا کرنے والی سے کہا: ''میرا جوڑا بنا دو''۔ ایک دوسری روایت میں ہے: ''میں نے باندی سے کہا: ذرا پیچھے ہٹنا، اس پر باندی نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے مردوں کو بلایا ہے عورتوں کو نہیں، تو میں نے کہا: میرا شمار بھی ''لوگوں'' میں ہوتا ہے...''۔

جس دن جنگ کے لئے قبیلہ بنو قریظہ کی طرف نکلنے کا حکم دیا گیا اس دن بھی حضرت ام سلمہؓ امام المسلمین کے خطبہ کو بغور سن رہی تھیں۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس حضرت جبرئیلؑ آئے، اس وقت آپ ﷺ کے پاس حضرت ام سلمہؓ تھیں۔ آپ ﷺ سے حضرت جبرئیلؑ گفتگو کرنے لگے، پھر وہ اٹھ کر چلے گئے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے پوچھا: یہ کون تھے؟ انہوں نے جواب دیا: وہ تو دحیہؓ تھے۔ حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں: خدا کی قسم میں تو سمجھ رہی تھی کہ وہ دحیہ ہیں، حتی کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا جس میں وہ لوگوں کو حضرت جبرئیلؑ کی آمد کے بارے میں بتا رہے تھے (۱۹۴)۔

---

(۱۹۴) بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الإسلام، ص: ۹۲۵، حدیث ۳۶۳۳۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃؓ، باب من فضائل ام سلمۃ أم المؤمنینؓ، ص: ۱۱۰۸ و ۱۱۰۹، حدیث ۶۳۱۵۔

جب حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے امام المسلمین کی جانب سے عمومی اجتماع کی خبر سنی تو اس میں شریک ہونے کے لئے وہ بھی چل پڑیں۔ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کہتی ہیں:...جب میری عدت کے ایام ختم ہوگئے تو ایک دن میں نے نبی کریم ﷺ کے منادی کو یہ آواز لگاتے ہوئے سنا: "**الصلاة جامعة**" لہذا میں بھی مسجد کی طرف نکل پڑی، میں نے نبی کریم ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ میں عورتوں کے صف میں تھی جو مردوں کی صفوں کے بعد تھی۔

ایک دوسری روایت میں ہے: جولوگ (مسجد کی طرف) جارہے تھے میں بھی ان کے ساتھ چل پڑی۔ میں عورتوں کی سب سے پہلی صف میں تھی جو مردوں کی سب سے آخری صف کے بعد تھی۔ نماز سے فارغ ہوکر نبی کریم ﷺ منبر پر تشریف لے گئے، اس وقت آپ ﷺ تبسم فرمارہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ہر شخص اپنی جگہ پر ہی رہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جانتے ہو میں نے تم لوگوں کو کس لئے جمع کیا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا: اس کا علم تو اللہ اور اس کے رسول کو ہی صحیح سے ہوسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم میں نے تم لوگوں کو کسی امید والی بات یا کسی خدشہ وخوف والی بات کے لئے جمع نہیں کیا ہے (۱۹۵)۔

حضرت زینب بنت المہاجر کے واقعہ کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ امت مسلمہ کے مستقبل کے تعلق سے کافی فکرمند تھیں۔ حضرت قیس بن ابو حازم کہتے ہیں: حضرت ابوبکرؓ قبیلہ احمس کی ایک خاتون کے پاس گئے جن کا نام زینب بنت المہاجر تھا، انہوں نے دیکھا کہ وہ خاتون بول نہیں رہی ہیں تو سوال کیا، کیا بات ہے، یہ بات نہیں کررہی ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے خاموش رہ کر حج کرنے کی نذر مانی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس خاتون سے کہا: تم بات کرو، خاموش رہنا درست نہیں ہے، یہ تو دور جاہلیت کا عمل ہے، اس کے بعد انہوں نے بات کرنی شروع کردی، اور (فوراہی) یہ سوال کیا: آپ کون ہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، میرا تعلق

(۱۹۵) مسلم، کتاب الفتن وأشراط الساعة، باب خروج الدجال ومکثہ فی الأرض،، ص:۱۱۸۸، حدیث ۷۳۸۶۔

مہاجرین سے ہے، خاتون نے پوچھا: کون سے مہاجر؟ انہوں نے جواب دیا: میرا تعلق قریش سے ہے۔ پھر اس نے پوچھا: قریش کے کس گھرانے سے آپ کا تعلق ہے؟ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا: تم بہت سوال کرتی ہو، میں ابوبکرؓ ہوں۔ اس عورت نے سوال کیا: ہم اس نیک کام (یعنی دین) پر جس سے اللہ نے ہمیں جاہلیت کے بعد نوازا ہے، کب تک قائم رہیں گے؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: تم لوگ اس دین پر اس وقت تک قائم اور باقی رہو گے جب تک تمہارے ائمہ درست رہیں گے۔ اس نے سوال کیا: یہ ائمہ کیا ہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: کیا تمہاری قوم میں سربراہ وحکمراں نہیں ہیں جو عوام کو حکم دیتے ہیں تو عوام ان کی فرمانبرداری کرتی ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: وہی لوگوں کے ائمہ ہوتے ہیں (۱۹۶)۔

مندرجہ ذیل واقعہ سے علم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ امراء کے حالات دریافت کیا کرتی تھیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن شماسہؒ کہتے ہیں: میں ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لئے حضرت عائشہؓ کے پاس گیا، تو انہوں نے پوچھا: تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟ میں نے کہا: میرا تعلق مصر سے ہے۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا: غزوات میں تمہارے امیر وسربراہ کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا رہتا ہے؟ میں نے کہا: ہم نے تو ان کی جانب سے کوئی غلط بات محسوس نہیں کی ہے، اگر ہم میں سے کسی کا اونٹ مرجاتا ہے تو وہ اونٹ دے دیتے ہیں، اگر غلام فوت ہوجاتا ہے تو وہ غلام دے دیتے ہیں اور کسی کو نفقہ کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ نفقہ دے دیتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا: سنو، میرے بھائی محمد بن ابوبکرؓ نے میرے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہے وہ بات مجھے تم کو نبی کریم ﷺ کی اس حدیث کو بیان کرنے سے نہیں روک سکتی جو میں نے اسی گھر میں نبی کریم ﷺ سے سنی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ، جس شخص کو کسی بھی شکل میں میری امت کی ولایت اور ذمہ داری

(۱۹۶) بخاری، کتاب المناقب، باب أیام الجاہلیۃ، ص: ۳۱۱، حدیث: ۳۸۳۴۔

ملے اور پھر وہ ان پر زیادتی وسختی کرے تو آپ بھی اس پر سختی کیجئے، اور جس کسی کو کسی بھی شکل میں میری امت کی ولایت اور ذمہ داری ملے اور پھر وہ ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے تو آپ بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں (۱۹۷)۔

ان مختلف واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی امور ومسائل کے سلسلہ میں عورت نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ سیاسی امور کے سلسلہ میں عورتیں مردوں کو مشورہ بھی دیا کرتی تھیں، اس ضمن کی چند مثالیں ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

حضرت مسور بن مخرمہؓ اور حضرت مروانؒ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے زمانہ میں نبی کریم ﷺ نکلے، ... پھر سہیل بن عمرو آئے اور انہوں نے کہا: آیئے ہم اپنے اور آپ کے درمیان ایک معاہدہ لکھ لیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے کاتب کو بلایا اور کہا: لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سہیل نے کہا: جہاں تک الرحمٰن کا تعلق ہے تو خدا کی قسم ہمیں پتہ نہیں کہ یہ کیا ہے، لہذا آپ اس طرح لکھئے جس طرح پہلے لکھا کرتے تھے باسمک اللھم۔ یہ سن کر مسلمانوں نے کہا: خدا کی قسم ہم تو صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی لکھیں گے۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ باسمک اللھم ہی لکھ دو.... نبی کریم ﷺ نے سہیل سے کہا: شرط یہ ہے کہ تم ہمیں خانۂ کعبہ جا کر طواف کرنے دو گے، سہیل نے کہا: خدا کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا، ورنہ عرب کہنے لگیں گے کہ ہم دباؤ میں آ گئے، ہاں آئندہ سال آ کر آپ طواف کر سکتے ہیں۔ یہ بات بھی معاہدہ میں لکھ دی گئی۔ پھر سہیل نے کہا: اس میں یہ شرط بھی شامل ہے کہ اگر کوئی مرد ہمارے پاس سے آپ کے پاس چلا جاتا ہے تو آپ اسے ہمارے پاس واپس کر دیں گے خواہ وہ آپ کے دین کا متبع ہی کیوں نہ ہو۔ مسلمانوں نے کہا: سبحان اللہ، جو شخص مسلمان ہوکر آ رہا ہے اسے مشرکین کے پاس کس طرح واپس کیا جاسکتا ہے؟ حضرت عمر بن الخطابؓ کہتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کے پاس گیا اور ان سے کہا: کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا، بالکل، میں برحق نبی

(۱۹۷) مسلم، کتاب الإمارۃ، باب فضیلۃ الأمیر العادل وعقوبۃ الجائر، ص: ۱۰۰۵ و ۱۰۰۶، حدیث: ۱۸۲۸۔

ہوں۔ میں نے پھر کہا: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا، بالکل۔ میں نے کہا: پھر ہم اپنے دین کے سلسلہ میں رسوائی کیوں قبول کریں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں، میں اس کی نافرمانی نہیں کرسکتا اور وہی میری مدد کرے گا۔ میں نے کہا: کیا آپ ہم سے کہا نہیں کرتے تھے کہ ہم خانۂ کعبہ جا کر طواف کریں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: بالکل، لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اسی سال طواف کریں گے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: نہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم خانہ کعبہ جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے،... معاہدہ لکھنے کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے کہا: جاؤ، جانوروں کی قربانیاں کردو اور اپنے بال اتروالو۔ راوی کہتے ہیں: خدا کی قسم کوئی بھی مرد اپنی جگہ سے نہیں اٹھا۔ آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ کہی، اس کے بعد بھی جب کوئی اپنی جگہ سے نہیں اٹھا تو آپ ﷺ حضرت ام سلمہؓ کے پاس چلے گئے اور ان سے لوگوں کے رویہ کا ذکر کیا۔ حضرت ام سلمہؓ نے کہا: اے اللہ کے نبی ﷺ، اگر آپ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی بات مان لیں تو آپ ابھی باہر نکلئے، کسی سے کچھ بھی گفتگو نہ کیجئے اور سب سے پہلے اپنا جانور ذبح کرئے اور پھر حجام کو بلوا کر اپنے بال اتروا دیجئے۔ لہذا نبی کریم ﷺ ان کے پاس سے نکلے، کسی سے کوئی گفتگو نہیں کی حتی کہ آپ ﷺ نے اپنے جانور کی قربانی کردی اور حجام کو بلوا کر اپنے بال اتروالئے۔ جب صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو وہ سب بھی اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے، انہوں نے اپنے جانوروں کی قربانیاں کیں اور پھر ایک دوسرے کے بال اتارنے لگے(۱۹۸)۔

غزوہ حنین میں حضرت ام سلیمؓ نے نبی کریم ﷺ کو مندرجہ ذیل مشورہ دیا تھا:

---

(۱۹۸) بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد، ص:۲۱۷و۲۱۸، حدیث:۲۷۳۱و۲۷۳۲۔ بیہقی، کتاب جماع أبواب الإحصار، باب من أحصر بعدو وہو محرم (۵/ ۳۵۲و۳۵۳)، حدیث:۱۰۰۷۶ و۱۰۰۷۷۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلیمؓ نے ''حنین'' کے دن ...کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ، آپ ان لوگوں کو قتل کیوں نہیں کر دیتے جنہیں آپ نے چھوڑ دیا ہے(۱۹۹)، اس طرح وہ شکست کھا جائیں گے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ام سلیم، اللہ ان کے لئے کافی ہے، وہی ان کے ساتھ بہتر کرسکتا ہے(۲۰۰)۔

حضرت حفصہؓ اپنے والد حضرت عمر بن الخطابؓ کے تعلق سے اپنے بھائی حضرت عبداللہؓ سے مندرجہ ذیل گفتگو کرتی ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں: میرے پاس حضرت حفصہؓ آئیں اور انہوں نے کہا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے والد کسی کو اپنا خلیفہ نامزد کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں؟ حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں، میں نے کہا: نہیں، وہ ایسا نہیں کریں گے۔ انہوں نے کہا: وہ ایسا ہی کرنے والے ہیں۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں: میں نے قسم کھائی کہ اس سلسلہ میں اپنے والد سے ضرور بات کروں گا۔ پھر میں خاموش ہوگیا اور دوسری صبح اپنے والد کے پاس گیا لیکن ان سے کچھ بات نہیں کی۔ حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں: مجھے ایسا محسوس ہورہا تھا گویا میں نے پہاڑ اٹھا رکھا ہو، پھر دوبارہ لوٹ کر میں اپنے والد کے پاس گیا، انہوں نے لوگوں کے حالات دریافت کئے جو میں نے ان کو بتا دیا۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں: پھر میں نے ان سے کہا: میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے ہوئے سنا ہے، سوچا وہ بات آپ کو بتاؤں، لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کسی کو بطور خلیفہ منتخب کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں۔ (سوچئے) اگر آپ کے اونٹوں اور بکریوں کا چرواہا اگر انہیں

---

(۱۹۹) ان لوگوں کو اس حدیث میں طلقاء کہا گیا ہے، طلقاء وہ لوگ تھے جنہیں نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن چھوڑ دیا تھا، ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا، لیکن ان کا اسلام کمزور تھا، لہذا ام سلیم کو یہ خیال گذرا کہ یہ لوگ کافر ہیں، لہذا وہ قتل اور شکست کے مستحق ہیں، لہذا نبی کریم ﷺ نے ان کو جواب دیتے ہوئے کہا: **يا أم سليم، إن الله قد كفى وأحسن۔**

(۲۰۰) مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب غزوۃ النساء مع الرجال، ص: ۷۵۵، حدیث: ۱۸۰۹۔

بے یارومددگار چھوڑ کر آپ کے پاس آجائے تو آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ جانور ضائع نہ ہوجائیں گے۔اس کے مقابلہ میں لوگوں کی حفاظت ونگہبانی تو زیادہ اہم ہے۔حضرت عبداللہ کہتے ہیں: انہیں میری بات مناسب لگی، انہوں نے تھوڑی دیر کے لئے اپنا سر جھکایا، پھر سر اٹھا کر کہا: اللہ اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے، اگر میں کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں کرتا ہوں تو نبی کریم ﷺ نے بھی نہیں کیا تھا، اور اگر کسی کو اپنا خلیفہ نامزد کرتا ہوں تو حضرت ابوبکرؓ نے ایسا کیا تھا۔حضرت عبداللہ کہتے ہیں: جیسے ہی میں نے ان کی زبان سے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کا ذکر سنا تو میں سمجھ گیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کے برابر کسی کو قرار نہیں دیں گے، لہذا وہ کسی کو اپنا خلیفہ نامزد کرنے والے نہیں ہیں (۲۰۱)۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان تحکیم والے دن حضرت ام سلمہؓ نے اپنے بھائی حضرت عبداللہؓ کو مشورہ دیا:

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں: میں حضرت حفصہؓ کے پاس گیا، اس وقت ان کی چوٹیوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے (گویا کہ انہوں نے غسل کیا تھا)۔میں نے ان سے کہا: آپ لوگوں کے حالات تو دیکھ ہی رہی ہیں۔مجھے ان تمام معاملات میں کچھ بھی حق نہیں دیا گیا، حضرت حفصہؓ نے کہا: بات صحیح ہے، لوگ تمہارا انتظار کررہے ہیں، مجھے اندیشہ ہے کہ اگر تم ان کے پاس نہیں گئے تو تفرقہ ہوجائے گا، حضرت حفصہؓ مسلسل ان سے گفتگو کرتی رہیں یہاں تک کہ حضرت عبداللہؓ چلے گئے (۲۰۲)۔

حافظ ابن حجرؒ تحریر کرتے ہیں: ''آپ لوگوں کے حالات تو دیکھ ہی رہی ہیں'' سے حضرت عبداللہؓ کا اشارہ صفین میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان ہونے والی جنگ کی

---

(۲۰۱) مسلم، کتاب الإمارۃ، باب الاستخلاف وترکہ، ص: ۱۰۰۵، حدیث: ۴۷۱۴۔مسند احمد، مسند المبشرین بالجنۃ، أول مسند عمر بن الخطاب (۱/ ۷۷)، حدیث: ۳۳۴۔

(۲۰۲) بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق، وہی الأحزاب، ص: ۷۳۳، حدیث: ۴۱۰۸۔

طرف تھا، اس دن لوگوں کو حکومت کے سلسلہ میں اتفاق کرنا تھا لیکن وہ اختلاف کا شکار ہو گئے...

لہذا حضرت عبد اللہ نے اپنی بہن سے مشورہ کیا کہ انہیں ان لوگوں کے پاس جانا چاہئے یا نہیں۔ حضرت حفصہؓ نے انہیں لوگوں کے پاس جانے کا مشورہ دیا، کیونکہ انہیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ ان کی غیر موجودگی میں ایسا اختلاف ظہور پذیر نہ ہو جائے جس کی وجہ سے یہ فتنہ مزید طویل ہو جائے....(۲۰۳)۔ عبد الرزاق نے حسن کی سند سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: جس دن حضرت معاویہؓ دومۃ الجندل میں اپنے لوگوں کے ساتھ اکٹھا ہوئے مجھ سے حضرت حفصہؓ نے کہا: یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے کہ تم اس صلح سے پیچھے رہ جاؤ جس کے ذریعہ اللہ تعالی محمد ﷺ کی امت کے معاملہ کو درست کر دے گا، تم تو اللہ کے رسول ﷺ کے برادر نسبتی اور عمر بن الخطابؓ کے بیٹے ہو(۲۰۴)۔

دوسرا قول:

ان حضرات کا خیال ہے کہ عورت پارلیمنٹ میں شریک نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس کا شمار اصحاب حل وعقد میں نہیں ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ کی رکنیت تو صرف مردوں کے لئے ہی مخصوص ہے۔ پارلیمنٹ کے رکن ہونے کے لئے ایک لازمی شرط ''مرد ہونا'' ہے۔ البتہ عورتوں سے متعلق مخصوص مسائل کے سلسلہ میں ان سے مشورہ لیا جا سکتا ہے، لیکن عورتیں ان اداروں میں شامل نہیں ہو سکتی ہیں۔ اس رائے کے مؤیدین کے اقوال ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں:

علامہ جمال الدین افغانی تحریر کرتے ہیں: ''گھر، شوہر اور بچوں کے تئیں عورت کے

---

(۲۰۳) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ایڈیشن ۴، ۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۸ء (۷/ ۳۲۳)۔

(۲۰۴) مصنف عبد الرزاق، کتاب المغازی، غزوۃ القادسیۃ وغیرہا (۵/ ۴۸۳ و ۴۸۴) حدیث: ۹۷۷۹۔ دیکھئے: عبد الحلیم ابوشقۃ، تحریر المرأۃ فی عصر الرسالۃ، ص: ۴۲۵ و ۴۳۱۔ آمنۃ فتنت سیکہ بر، واقع المرأۃ فی ظل الإسلام، الشرکۃ العالمیۃ للکتاب، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۹۹۶ء، ص: ۴۰۵ و ۴۱۵۔

فرائض، واجبات اور کام مردوں کے کاموں سے کہیں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ اگر عورت اپنی مملکت (یعنی گھر) کو چھوڑ دیتی ہے اور روزی کمانے کے لئے مردوں کے ساتھ لگ کر محنت ومشقت بھرے کام کرتی ہے، تو بلاشبہ اس سے تھوڑا مالی ومادی فائدہ تو ہوسکتا ہے، لیکن گھر چھوڑنے کی وجہ سے اسے زبردست خسارہ ہوگا۔ اور بلاشبہ اس تھوڑے سے منفعت کے مقابلہ میں بچہ کی تربیت بہت اہم اور ضروری ہے'' (۲۰۵)۔

علامہ محمد عبدہ نے لکھا ہے: ''اللہ نے عورت کو پیدا کیا... تاکہ وہ گھر کے امور کا انتظام وانصرام کرے۔ یہ ایک محدود دائرہ کار ہے جس میں اس کا شوہر اس کا معاون ہوتا ہے۔ لہذا عورتوں کو اسی قدر عقل دی جاتی ہے جس قدر انہیں ان امور کو انجام دینے کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ شریعت فطرت کے مطابق ہی نافذ کی گئی ہے، شرعی احکام کے سلسلہ میں عورتیں مردوں کے برابر نہیں ہیں، نہ ہی عبادات کے سلسلہ میں، نہ ہی شہادت کے سلسلہ میں اور نہ ہی میراث کے سلسلہ میں'' (۲۰۶)۔

مندرجہ بالا دونوں اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ جمال الدین افغانی اور علامہ محمد عبدہ دونوں ہی اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ عورتیں گھر سے نکل کر باہر کام کریں، لہذا یہ بات بدرجہ اولی سمجھ میں آتی ہے کہ یہ حضرات پارلیمنٹ اور مجلس شوری میں عورت کی شرکت کے تو بالکل بھی قائل نہیں ہوسکتے۔

شیخ احمد ابراہیم لکھتے ہیں: ''عمومی ولایت اور عمومی ملازمتوں کے تعلق سے عورت کا حکم یہ ہے کہ اسے اس سلسلہ میں کچھ بھی اختیار حاصل نہیں ہے، کیونکہ وہ ان کاموں کا بوجھ سنبھالنے کی اہلیت نہیں رکھتی ہے'' (۲۰۷)۔

---

(۲۰۵) جمال الدین افغانی، مجموعۃ الأعمال الکاملۃ، جمع وترتیب: محمد عمارۃ، الدار القومیۃ، ایڈیشن ۱۹۸۶ء، ص: ۵۲۵۔

(۲۰۶) محمد عبدہ، شرح نہج البلاغۃ، طباعۃ دار الشعب، قاہرہ (۲/ ۸۵)۔

(۲۰۷) احمد ابراہیم (بک)، أحکام المرأۃ فی الشریعۃ الإسلامیۃ، ص: ۱۷۱۔

اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ محمد المدنی تحریر کرتے ہیں: ''ابتداء میں جب عمومی امور میں مردوں کو ولایت کا حق دیا گیا تو یہ حق عورتوں کو نہیں دیا گیا۔ اس کا ایک بہت ہی واضح سبب ہے۔ درحقیقت اس کام کو انجام دینے کے لئے مردوں کے پاس زیادہ وقت ہوتا ہے اور اس کام کے تقاضوں کو پورا کرنے اور اس کی مشکلات کا مقابلہ کرنے پر وہ زیادہ قادر ہوتے ہیں۔

جس شخص کو عمومی ولایت حاصل ہوتی ہے وہ صبح وشام ہر لمحہ خطرات سے دوچار رہتا ہے، اسے ہنگامی اور ناگہانی حالات کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا پڑتا ہے، ایک عورت اس طرح کے بڑے کام کیسے انجام دے سکتی ہے، اگر اس کے سامنے اس طرح کے حالات آجائیں اور وہ اس وقت حاملہ ہو یا دردزہ میں مبتلا ہو یا بچہ کو دودھ پلا رہی ہو تو وہ ان کاموں کو انجام نہیں دے سکتی ہے''(۲۰۸)۔

شیخ محمد ابوزہرہ لکھتے ہیں: ''ہم عورت کو ایک مقتدر اور حاکم کی شکل میں دیکھنا نہیں چاہتے ہیں، بلکہ ہم تو اسے ایک محبت کرنے والی ماں کی شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ عورت کا حقیقی مقام یہ ہے کہ وہ گھر کی ملکہ ہو، وہ مرد وعورت کے درمیان تعاون کی ایک کڑی ہو، بایں طور کہ زندگی کے لئے دوڑ بھاگ مرد کرے اور گھر کی دیکھ بھال عورت کرے''(۲۰۹)۔

شیخ عطیہ صقر نے اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ''صحیح آراء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جدید دور کی عورت کے لئے انتخابات میں ووٹ ڈالنا اور خود کو بطور امیدوار کھڑا کرنا جائز نہیں ہے۔ حتی کہ دوسرے ادیان نے بھی عورت کو یہ حق نہیں دیا ہے''(۲۱۰)۔

---

(۲۰۸) محمد محمد المدنی، وسطیۃ الإسلام، المجلس الأعلی للشؤون الإسلامیۃ، ص:۶۵۔

(۲۰۹) محمد ابوزہرہ، مناقشات اللجنۃ التحضیریۃ، ص:۴۱۔ دیکھئے: عبدالحمید الشورابی، الحقوق السیاسیۃ للمرأۃ فی الإسلام، منشأۃ المعارف، اسکندریہ، ص:۵۶و۵۸۔

(۲۱۰) دیکھئے: عطیہ صقر، الاسرۃ تحت رعایۃ الإسلام، مؤسسۃ الصباح، کویت، ایڈیشن اول، ۱۴۰۰ھ، ۱۹۸۰ء(۲/۴۵۲)۔

جامع ازہر کی فتوی کمیٹی کا کہنا ہے: ''چونکہ مرد عورت پر قوام ہے اور وہ فطرت، عقل اور طاقت وقوت میں عورت سے بہتر ہے، اس لئے عورت کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ گھر میں ہی رہے، اجنبی مردوں کے ساتھ میل جول نہ کرے اور اپنے گھر کی نگہبانی کرے۔ اگر اس طرح کی ولایتیں اور ملازمتیں اس کے سپرد کر دی گئیں تو ان کی وجہ سے وہ ماں اور بیوی ہونے کے حقوق ادا نہیں کر سکتی ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی عورت کو ان ولایتوں اور ملازمتوں سے محروم رکھا گیا تھا۔ بہت سے احکام کے سلسلہ میں عورت مرد سے بالکل مختلف ہے، اور اس کی وجہ عورت کی اپنی فطرت اور اس کی جسمانی ونفسیاتی ساخت ہے، جن کی وجہ سے وہ ان ولایتوں اور ملازمتوں کو انجام دینے کی قدرت نہیں رکھتی ہے'' (۲۱۱)۔

پاکستانی عالم دین مولانا ابوالاعلی مودودی تحریر فرماتے ہیں: ''قرآن وحدیث سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے مختلف مناصب عورتوں کے سپرد نہیں کئے جاسکتے، خواہ ان کا تعلق صدارت سے ہو یا وزارت سے ہو یا مجلس شوری کی رکنیت سے ہو یا حکومت کے مختلف کاموں کے انتظام وانصرام سے ہو'' (۲۱۲)۔

مولانا مودودی اپنی کتاب ''اسلام کا نظریۂ سیاسی'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ مجلس شوری کی رکنیت کی اہلیت کے لئے بنیادی شرط ''مرد ہونا'' ہے، لہذا مجلس شوری کے لئے صرف ایسے مردوں کا ہی انتخاب کیا جاسکتا ہے جو دستور کی روشنی میں بااہل قرار پائیں۔

مولانا مودودی اپنی اس رائے پر استدلال کرتے ہوئے یہ آیت پیش کرتے ہیں: ''**الرجال قوامون على النساء**''، اسی طرح ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے: ''**لن يفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة**''۔

---

(۲۱۱) فتوی کمیٹی، جامع ازہر، مجلّہ رسالۃ الإسلام میں شائع شدہ، دار التقریب بین المذاہب، سال ۴، عدد ۳، شوال ۱۳۷۱ھ، جون ۱۹۵۲ء۔

(۲۱۲) ابوالاعلی مودودی، المرأۃ ومناصب الدولۃ، طبعۃ دار الفکر، بیروت، ص: ۸۴۔

مولانا مودودی نے اپنی کتاب ''پردہ'' میں یہ دلیل بھی دی ہے کہ اگر مجلس شوری میں عورت بھی شریک ہوتی ہے تو اس کے نتیجہ میں اسے مردوں سے ملنا جلنا پڑے گا اور اس طرح سے وہ اپنی حیا وشرم اور حجاب کی حفاظت نہ کر سکے گی، حالانکہ اسلام نے اسے ان دونوں چیزوں کی پابندی کا حکم دیا ہے۔

مولانا مودودی مزید تحریر فرماتے ہیں: ''حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دور کی مجلس شوری اور مماثل نام سے معروف دیگر مجلسوں کا کام صرف قانون سازی نہیں ہے، بلکہ عملاً ملک کی سیاست کی مکمل باگ ڈوران ہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے، یہی مجلسیں وزارتیں بناتی ہیں اور انہیں تحلیل کرتی ہیں، یہی وزارتوں کے لئے پالیسی بناتی ہیں، یہی مالیاتی ومعاشی امور ومسائل میں فیصلے کرتی ہیں، اور انہی کے ہاتھ میں جنگ وامن کی باگ ڈور ہوتی ہے۔ اس طرح سے اگر ہم دیکھیں تو ان مجلسوں کی حیثیت ایک ''فقیہ'' اور ''مفتی'' کی نہیں ہوتی، بلکہ پورے ملک کے تئیں ان کی حیثیت ''قوام'' کی ہوتی ہے''(۲۱۳)۔

ڈاکٹر محمد الطبطبائی (۲۱۴) لکھتے ہیں: ''پرنٹ والیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ، اخبارات ومجلّات میں مضامین لکھنے کے ذریعہ اور بحیثیت معلّمہ ایک عورت زندگی کے تمام میدانوں (بشمول سیاست) کے سلسلہ میں اسی طرح مشورہ دے سکتی ہے جس طرح ایک مرد دیتا ہے۔

...معاشرہ میں بہت سے ایسے گروہ ہیں جنہیں سیاست میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی گئی ہے، تاکہ ان کی اپنی عزت وتکریم اور اچھی شہرت کی حفاظت ہو سکے، کیونکہ انتخابی عمل اور پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے خود کو بطور امیدوار کھڑا کرنے کے عمل میں از ابتداء تا اعلان نتائج جو مشکلات سامنے آتی ہیں وہ ایک انسان کو انتخابی منافست کا شکار بنا دیتی ہیں۔ اس صورت حال

---

(۲۱۳) ابو الاعلی مودودی، نظریۃ الإسلام وہدیہ فی السیاسۃ والقانون والدستور، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء، ص: ۲۹۶ و ۲۹۷۔

(۲۱۴) کویت یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعۃ والدراسات الإسلامیۃ کے ڈین (موجودہ)۔

سے نہ ہی کوئی شخص غفلت برت سکتا ہے اور نہ ہی اس کا انکار کرسکتا ہے۔ لہذا عورت کی عزت وکرامت اور اس کی اچھی شہرت کی حفاظت کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ خود کو ان اکھاڑوں سے دور ہی رکھے۔

اگر اس دروازہ کو عورتوں کے لئے کھول دیا جائے تو اندیشہ ہے کہ ہمارا معاشرہ بھی ان پریشانیوں اور برائیوں کا شکار ہوجائے گا جس کا شکار دوسرے معاشرے ہوئے ہیں''۔ ڈاکٹر طبطبائی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ پارلیمنٹ کے انتخابات میں عورت کی کسی بھی طرح کی شرکت جائز نہیں ہے(۲۱۵)۔

موجودہ دور میں کویت میں بہت سے ایسے افراد ہیں جو پارلیمنٹ میں عورت کی شرکت کی مخالفت کرتے ہیں، ان میں سے کچھ نام یہ ہیں: ڈاکٹر عبدالرزاق الشایجی (۲۱۶)، ڈاکٹر ولید الطبطبائی (۲۱۷)، سید عبداللہ علی المطوع (۲۱۸) اور سید خالد السلطان (۲۱۹)۔

۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء میں کویت کی وزارت برائے اوقاف واسلامی امور نے بھی عدم جواز کا ہی فتوی دیا تھا، ذیل میں یہ فتوی پیش کیا جارہا ہے:

''تاریخ: ۲۱ شعبان ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۱/ ۵/ ۱۹۸۵ء

فتوی نمبر ۱ھ/ ۸۵

---

(۲۱۵) محمد سید عبدالرزاق الطبطبائی، مشارکۃ المرأۃ السیاسیۃ، کویت، ص: ۳۰۔

(۲۱۶) کویت یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعۃ والدراسات الإسلامیۃ میں حدیث کے استاذ۔ روزنامہ الوطن ۲/ ۶/ ۱۹۹۹ء، عدد ۸۳۶۷، کویت۔

(۲۱۷) کویت یونیورسٹی کے کلیۃ لشریعۃ والدراسات الإسلامیۃ کے سابق استاذ۔ رکن، کویت پارلیمنٹ۔ روزنامہ الوطن، ۱۹/ ۵/ ۱۹۹۹ء، کویت۔

(۲۱۸) صدر، بورڈ آف ڈائرکٹرس، جمعیۃ الإصلاح الاجتماعی فی دولۃ الکویت۔ روزنامہ الوطن ۱۷/ ۵/ ۱۹۹۹ء، کویت۔

(۲۱۹) سابق رکن، کویت پارلیمنٹ۔ روزنامہ الوطن ۱۸/ ۵/ ۱۹۹۹ء، کویت۔

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله، وعلى آله وصحبه ومن والاه، وبعد:

الهيئة العامة للفتوى کے پاس ایک استفسار بھیجا گیا اور اس میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ قانون نمبر ۳۵ سال ۱۹۶۲ء (قانون انتخابات) کے پہلے آرٹیکل میں تبدیلی کی جائے۔ یہ آرٹیکل پارلیمنٹ کے اراکین کے انتخاب میں عورت کی شرکت وحصہ داری سے متعلق ہے۔ الہیئۃ العامۃ للفتوی کو یہ بتایا گیا کہ ووٹ ڈالنے کے حق اور پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے خود کو بطور امیدوار کھڑا کرنے کے حق کے درمیان ایک ربط پایا جاتا ہے، بایں طور کہ دستور کے آرٹیکل ۸۲ کے مطابق جس کسی کو بھی انتخاب اور ووٹ دینے کا حق حاصل ہوتا ہے اسے پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے خود کو بطور امیدوار کھڑا کرنے کا حق بھی حاصل ہوتا ہے، لہذا استفسار دونوں ہی پہلوؤں پر مشتمل ہے۔

الهيئة العامة للفتوى نے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل جواب دیا:

۱- انتخابی عمل کا مزاج مردوں کی طاقت وقوت، ان کے تجربہ اور فطری اہلیت وصلاحیت سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ انتخابی عمل درحقیقت ایک ایسے عمل میں حصہ لینے کا نام ہے جس کا مقصد کسی کو عمومی امور کی ولایت دینا اور ایسے لوگوں کا انتخاب کرنا ہے جن کے سپرد عمومی امور کیا جاسکے۔ اس کام کے لئے بڑے تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لئے ان لوگوں کے تعلق سے مکمل معلومات ہونی بھی ضروری ہیں جن کو ان اہم کاموں اور ذمہ داریوں کا بوجھ دیا جارہا ہے۔ مردان ذمہ داریوں کو بہتر طریقہ سے انجام دینے پر زیادہ قادر ہوتے ہیں، لہذا یہ ذمہ داری انہی کے سپرد کی جاتی ہے اور وہی یہ ذمہ داری دوسرے مردوں کے سپرد کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔ انتخابی عمل پر تفصیلی نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل درحقیقت ایک مشورہ ہے جو کسی شخص کے عادل ہونے اور با اہل ہونے سے متعلق ہوتا ہے۔ اس قسم کے مشورہ کو فقہاء ''تزکیہ'' کہتے ہیں۔ تزکیہ درحقیقت شہادت کی اہلیت اور اس کے مثل عمومی ولایت کی دوسری

قسموں کا لازمہ ہے۔ تزکیہ کرنے والے کے لئے مطلوب صفات ان صفات سے کہیں زیادہ سخت ہیں جو شہادت کی اہلیت کے لئے لازمی ہیں، جبکہ دونوں کا تعلق ''ولایت'' سے ہی ہے۔ عورتوں کی شہادت کے تعلق سے جو کچھ بھی اصول وضوابط طے کئے گئے ہیں اس کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ اگر کسی کو شہادت کی اجازت حاصل ہے تو ضروری نہیں ہے کہ اسے تزکیہ کی بھی اجازت حاصل ہو (جیسا کہ علامہ العتبی اور علامہ ابن رشد جیسے جلیل القدر مالکی علماء کا خیال ہے)۔ ایک شخص صرف اسی کا تزکیہ کرسکتا ہے جس کے ساتھ اس کے معاملات رہے ہوں، جس کے ساتھ اس نے سفر کیا ہو اور جس کی مرافقت اسے حاصل رہی ہو (البیان والتحصیل، ابن رشد ۹/۴۶۱، ۱۰/۶۸)۔ جہاں تک عورت کی جانب سے تزکیہ کئے جانے کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں امام مالکؒ المدونۃ (۵/۱۶۱) میں فرماتے ہیں: ''عورت کسی بھی صورت میں تزکیہ نہیں کرسکتی ہے، نہ ہی ان مسائل ومعاملات میں جن میں اس کی شہادت معتبر ہے اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور مسائل ومعاملات میں۔ عورتوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ عورتوں یا مردوں کا تزکیہ کریں، عورتوں کے لئے تزکیہ کسی بھی شکل میں درست نہیں''۔ امام الحرمین فرماتے ہیں: ''ہمیں یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ امام کے انتخاب اور امامت میں عورتوں کا کچھ بھی عمل دخل نہیں ہے، عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ پردہ میں رہیں اور اپنے تمام امور ومعاملات کو مردوں کے حوالہ کردیں جو ان پر قوام ہیں'' (غیاث الأمم: ۶۲)۔

۲- سابقہ اسلامی عہود خصوصاً ابتدائی تین صدیوں میں (جن کے خیر القرون ہونے کی شہادت خود نبی کریم ﷺ نے دی ہے) اس بات پر سبھی کا اتفاق رہا ہے کہ عورت انتخابات میں شریک نہیں ہوسکتی۔ سابقہ عہود کے تمام ائمہ اور فقہاء کا اسی پر عمل رہا ہے۔ ہم ان جلیل القدر ائمہ سلف وفقہاء اور سابقہ نسلوں کے بارے میں یہ تصور نہیں کرسکتے کہ ان تمام لوگوں نے عورت کو اس کے ایک حق سے محروم کرکے شریعت کے حکم میں تبدیلی کی ہو۔

۳- انتخابات میں عورت کی شرکت سے جن مقاصد کا حصول مطلوب ہے انہیں حاصل

کرنے کے لئے دیگر جائز متبادل بھی موجود ہیں۔ ایک عورت بحیثیت ماں اور بیوی اپنی ذمہ داریاں ادا کر کے اور خاندان اور معاشرہ سے متعلق تعلقات کو بحسن وخوبی انجام دے کر بالواسطہ طریقہ سے اپنا موثر کردار ادا کرسکتی ہے۔ اس طرح سے مرد ان ممنوعات سے محفوظ رہے گا جو انتخاب میں عورت کی بلاواسطہ شرکت سے لازم آسکتے ہیں۔ عورت اپنا یہ کردار ابتدا ہی سے ادا کررہی ہے، اس حق کے استعمال کے لئے عورت کو کسی وجہ جواز کے تلاش کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ عورت کو اپنے اس حق کے استعمال سے باز رکھ سکے، کیونکہ یہ ایک فطری اور جائز حق ہے جسے عورت اپنی دوسری ذمہ داریوں کو متاثر کئے بغیر بسہولت انجام دے سکتی ہے۔ ...بہتر مشورہ دینا اور اللہ، اس کے رسول، مسلمانوں کے ائمہ اور عوام کے تئیں خیرخواہی کے جذبات رکھنا ایک اسلامی فریضہ ہے جو عورت پر بھی اسی طرح واجب ہے جس طرح مرد پر۔ عورت اس عظیم فریضہ کو اپنے خاندان اور معاشرہ کے توسط سے انجام دے سکتی ہے۔ خصوصاً تعلیم، طب اور اس طرح کے دیگر ایسے میدانوں سے وابستہ ہوکر وہ یہ کام انجام دے سکتی ہے جو میدان اس کی طبیعت وفطرت سے مناسبت رکھتے ہیں، علاوہ ازیں وہ میڈیا کے ذریعہ بھی اس کام کو انجام دے سکتی ہے۔

۴- اگر انتخابی عمل میں عورت کو بھی شریک کرلیا جائے تو اس سے دیگر شرعی تکالیف وواجبات متاثر ہوں گے۔ لہٰذا حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ عورتوں کو ان امور اور مسائل سے محفوظ رکھا جائے جو انہیں مشکلات سے دوچار کرسکتے ہیں مثلاً انتخابات اور انتخابی جنگیں۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ عورت کو انتخاب سے دور رکھنے کا مقصد اس کے مقام ومرتبہ کو کم کرنا نہیں ہے۔

۵- مختلف علاقوں کے تجربات سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت کے عمومی قواعد سے مخالفت رکھنے والے دروازوں کو کھولنے کے بڑے سنگین نتائج ہوتے ہیں، اس کی وجہ سے بسا اوقات شریعت کے منصوص اور صریح احکام (مثلاً میراث، شہادت اور قوامیت) میں تبدیلی بھی ہوجاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس فطرت میں بھی خلل واقع ہوتا ہے جس فطرت پر اللہ نے مرد اور عورت کو

پیدا کیا ہے۔

۶- اگر قانون میں تبدیلی کر کے عورت کو انتخاب (ووٹ ڈالنے) کا حق دے دیا جائے تو دستور کی رو سے اسے خود بخود پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے خود کو کھڑا کرنے کا اختیار حاصل ہوجائے گا، جبکہ عورت کے لئے یہ حق شرعاً ممنوع ہے۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں (چونکہ پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے خود کو کھڑا کرنے کا حق ووٹ ڈالنے کے حق سے مربوط ہے اس لئے ان دلائل کو انتخاب اور ووٹ ڈالنے کے سلسلہ میں عورت کے حق کی ممانعت کے سلسلہ میں اضافی دلائل سمجھا جائے):

الف- اسلامی شریعت نے عمومی ولایت کا حق صرف مردوں کو دیا ہے، بشرطیکہ ان میں متعین ومطلوب شرائط پائے جاتے ہوں۔ عہد نبوی سے لے کر آج تک مسلمانوں کا عمل اسی پر رہا ہے، حالانکہ اس دوران بہت سے ایسے دواعی ومحرکات پائے گئے ہیں جن کا تقاضا تھا کہ عورت کو عمومی ولایت میں شریک کیا جائے، لیکن چونکہ عمومی ولایت ہمیشہ سے عورت کے لئے ممنوع سمجھی گئی ہے اس لئے اسے کبھی بھی عمومی ولایت نہیں دی گئی۔ یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ پارلیمنٹ کی رکنیت عمومی ولایت ہی کی ایک شکل ہے، کیونکہ اس منصب پر قوانین سازی کرنی پڑتی ہے اور انتظامی وتنفیذی ادارہ کا محاسبہ کرنا پڑتا ہے۔

ب- تمام اسلامی عہود میں ہمیں اس کا ذکر نہیں ملتا کہ عورت نے عمومی ولایت میں شرکت کا مطالبہ کیا ہو، اگر یہ اس کا حق ہوتا تو اس نے ضرور اس کا مطالبہ کیا ہوتا، بلکہ خود مسلمانوں (خصوصاً ائمہ وحکمرانوں) نے آگے بڑھ کر عورتوں کو ان کا یہ حق دیا ہوتا اور عمومی احکام میں ان کے اس حق کا ذکر کیا ہوتا۔

ج- امام بخاری، امام احمد، امام نسائی اور امام ترمذی نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا کہ اہل فارس نے کسری کی بیٹی کو اپنا حکمراں بنالیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "لن يفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة"۔ شارحین حدیث کے مطابق اس حدیث میں

مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ غیر مسلموں کی طرح عورت کو کسی بھی طرح کی عمومی ولایت کا حق دیں۔ یہ حدیث گرچہ ایک خاص سبب اور پس منظر میں وارد ہوئی تھی لیکن علماء اصول فقہ کے مطابق لفظ کے عموم کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ کسی مخصوص سبب کا۔

د- گرچہ اسلامی شریعت کی اصل بنیاد یہ ہے کہ شرعی تکالیف، اہلیت اور تصرفات میں مرد وعورت یکساں ومساوی ہیں، لیکن پھر بھی اسلام میں بہت سے احکام صرف مردوں کے ساتھ مخصوص رکھے گئے ہیں اور بہت سے احکام صرف عورتوں کے ساتھ مخصوص رکھے گئے ہیں۔ ان احکامات اور شریعت کے دیگر عمومی قواعد کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ کام جس کی بنیاد باہم دگر ملنے اور باہر نکلنے پر ہو اور عام حالات میں اس کی ضرورت نہ ہوتی ہو وہ کام مردوں کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے، مثلاً فریضۂ جہاد وغیرہ۔ اسلام نے یہ اور اس طرح کے دیگر کاموں کو عورت پر واجب قرار نہیں دیا ہے، بلکہ ان کے ساتھ دیگر شرعی واجبات اور کاموں کو مخصوص کیا ہے جو ان کی فطرت وطبیعت سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔

- جہاں تک عورت کی اس بیعت کا تعلق ہے جس کا ذکر قرآن نے اس آیت میں کیا ہے: "**يا أيها النبى إذا جاءک المؤمنات يبايعنک على ألا يشرکن بالله شيئاً ولا يسرقن ولا يزنين ولا يقتلن أولادهن ولا يأتين ببهتان يفترينه بين أيديهن وأرجلهن ولا يعصينک فى معروف فبايعهن واستغفر لهن الله...**" تو درحقیقت اس آیت وبیعت کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ عورتیں اللہ کے رسول کی اطاعت کریں، معروف کام کریں اور منکر وگناہوں سے اجتناب کریں، اس بیعت کے مرکزی مضمون میں عمومی ولایت کے تعلق سے کوئی گفتگو نہیں کی گئی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مردوں سے تو جہاد اور حق دار سے اس کے حق کے سلسلہ میں جھگڑا نہ کرنے پر بیعت لی جاتی تھی، ایک حدیث میں ہے: "**بايعنا رسول الله ﷺ على السمع والطاعة فى المنشط والمكره وعلى أن لا ننازع الأمر**

أهله"۔

- بیعت عقبہ میں جو چند عورتیں شامل تھیں درحقیقت وہ خاص طور پر اس شرکت کا قصد وارادہ نہیں رکھتی تھیں۔ وہ بیعت دراصل دعوت اسلامی کی تبلیغ کی راہ میں نبی کریم ﷺ کی حمایت وحفاظت کا معاہدہ تھا، لہذا وہ بیعت امن وامان دینے اور پناہ دینے سے متعلق تھی، اور عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مختلف ذرائع اور وسائل کے ذریعہ کسی پناہ مانگنے والے کو پناہ اور امن وامان دے،...۔
- اسلامی تاریخ میں جو چند مثالیں اس کے مخالف مل جاتی ہیں ان کے حالات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ علماء نے ان کی مخالفت کی تھی۔ ان واقعات کو بطور حجت پیش نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ان میں شریعت کے حکم کا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔ اسی طرح موجودہ دور میں بعض ممالک میں اس سلسلہ کی جو مثالیں ملتی ہیں (خواہ ان کا تعلق ووٹ ڈالنے سے ہو یا پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے بطور امیدوار کھڑا ہونے سے) ان میں بھی شرعی رائے کا خیال نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ معاشی میدان میں بھی بعض ایسی مثالیں ملتی ہیں جن میں شرعی حکم اور رائے کا خیال نہیں رکھا گیا ہے، مثلاً کوآپریٹیو سوسائٹیز (جس کا تعلق درحقیقت تجارتی امور سے ہے)، یہ مثال اپنے مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے ''توکیل'' (وکیل بنانے) ہی کا ایک حصہ ہیں۔ اور عمومی ولایت وانتخابی عمل کے انجام دینے اور ''توکیل'' کے درمیان بہت فرق ہے،...۔
- اس اصول کے پیش نظر کہ کسی مسئلہ کے سلسلہ میں قرآن وسنت میں نصوص نہ ہوں تو یہ دیکھا جائے کہ اس سے مماثل مسائل کے سلسلہ میں عمومی یا خصوصی نصوص کیا ہیں، علاوہ ازیں شریعت کے عمومی قواعد کے پیش نظر اور عورتوں سے متعلق شرعی احکام کے تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے الهيئة العامة للفتوى کی رائے یہ ہے کہ انتخاب

میں عورت حصہ نہیں لے سکتی ہے، لہذا اس مسئلہ کو اسی حالت پر برقرار رکھا جائے جیسا کہ اب تک ہوتا آیا ہے، **واللہ اعلم وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔**

ڈائریکٹر، فتوی آفس
مشعل مبارک الصباح

اس موضوع سے متعلق ایک دیگر استفسار کا جواب دیتے ہوئے وزارت برائے اوقاف واسلامی امور نے ۲۳ رمضان ۱۴۲۵ھ کو ایک فتوی صادر کیا، جس کا نص ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

''تاریخ: ۲۳ رمضان ۱۴۲۵ھ مطابق ۶/ ۱۱/ ۲۰۰۴ء

فتوی نمبر ۴۳ھ/ ۲۰۰۴

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ، وعلی آلہ وصحبہ ومن والاہ، وبعد:

۶ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۸/ ۱۲/ ۲۰۰۴ء (بروز سنیچر) میں منعقد ہونے والی **ھیئۃ الفتوی** کی میٹنگ میں ایک استفتاء سامنے رکھا گیا، جس کے مستفتی رکن پارلیمنٹ محترم بدر شیخان الفارسی تھے، انہوں نے لکھا تھا:

براہ کرم مجھے پارلیمنٹ کی رکنیت کے سلسلہ میں فتوی سے آگاہ کیا جائے، اسے دین اسلام میں عمومی ولایت شمار کیا جائے گا یا خصوصی ولایت؟

ھیئۃ الفتوی نے اس کا مندرجہ ذیل جواب دیا:

اس طرح کے ایک دیگر سوال کا جواب **ھیئۃ الفتوی** نے اپنے فتوی نمبر (۱ھ/ ۸۵) میں دیا ہے، اس میں یہ بات تحریر ہے کہ:

پارلیمنٹ کی رکنیت عمومی ولایت ہے، کیونکہ اس منصب پر قوانین سازی کرنی پڑتی ہے اور انتظامی وتنفیذی ادارہ کا محاسبہ کرنا پڑتا ہے۔ **والله تعالى أعلم وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم۔**

ڈائریکٹر، شعبہ افتاء

عیسی احمد العبیدلی''

دوسرے قول کے دلائل:

پارلیمنٹ اور مجلس شوری میں عورت کی شرکت کو حرام قرار دینے والوں کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**ولا تتمنوا ما فضل الله به بعضكم على بعض للرجال نصيب مما اكتسبوا وللنساء نصيب مما اكتسبن**''(۲۲۰)(اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ دیا ہے، اس کی تمنا نہ کرو۔ جو کچھ مردوں نے کمایا اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ)۔

سورہ نساء میں ایک دوسری جگہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما أنفقوا من أموالهم**''(۲۲۱)(مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں)۔

سورہ بقرہ میں اللہ کا ارشاد ہے: ''**ولهن مثل الذى عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة**''(۲۲۲) عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق

(۲۲۰) النساء:۳۲۔

(۲۲۱) النساء:۳۴۔

(۲۲۲) البقرہ:۲۲۸۔

ہیں، جیسے مردوں کے حقوق ان پر، البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے)۔

سورہ احزاب میں اللہ تعالی فرماتا ہے: "**وإذا سألتموهن متاعاً فاسألوهن من وراء حجاب**" (۲۲۳) (نبی ﷺ کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو)۔

یہ وہ آیات ہیں جن سے مندرجہ بالا رائے کے مؤیدین استدلال کرتے ہیں، ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق دو مسئلوں سے ہے، اول: قوامیت، دوم: گھروں میں ٹک کر رہنا۔

۱-قوامیت:

"**الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما أنفقوا من أموالهم**" (۲۲۴)۔

"**الصالحات قانتات حافظات للغيب**" (۲۲۵)۔

پاکستانی عالم دین مولانا ابو الاعلی مودودیؒ مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں تحریر فرماتے ہیں: آپ ان آیات میں دیکھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالی نے صراحت کے ساتھ مرد کو ''قوام'' ہونے کا درجہ عطا فرمایا ہے، اور نیک وصالح خواتین کی دو صفات بیان کی ہیں: اول: وہ بہت مطیع وفرمانبردار ہوتی ہیں، دوم: شوہر کی عدم موجودگی میں اس کی امانتوں کی محافظ ہوتی ہیں (۲۲۶)۔

---

(۲۲۳) الاحزاب: ۵۳۔

(۲۲۴) النساء: ۳۴۔

(۲۲۵) النساء: ۳۴۔

(۲۲۶) ابوالاعلی مودودی، تدوین الدستور الاسلامی، ص: ۱۷۔

۲-گھروں میں ٹک کر رہنا:

"وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى"(۲۲۷)۔

مندرجہ بالا آیت میں بتایا گیا ہے کہ عورت کا حقیقی مقام اور جگہ اس کا گھر ہے۔عورت کے لئے سب سے باعزت کام گھر کا نگہبان ہونا ہے،عورت نئی نسلوں کی تربیت کرنے والی ہوتی ہے،وہی ان کو صحیح راہ دکھاتی ہے(۲۲۸)۔

مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں مولانا سید ابوالاعلی مودودی فرماتے ہیں:''اسلام نے جو مختلف تدابیر اختیار کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے گھر سے باہر کے کاموں کی ذمہ داری مردوں کے سپرد کرنے کے بعد عورت کو یہ حکم دیا کہ وہ بغیر کسی ضرورت گھر سے باہر نہ نکلے، اسی لئے گھر سے باہر کے کاموں کی ذمہ داریاں اس پر نہیں ڈالی گئی ہیں،تاکہ وہ گھر کے کاموں کو بحسن وخوبی انجام دے سکے۔

البتہ ضرورت کے وقت عورت کو باہر نکلنے کی اجازت دی گئی ہے۔شریعت تو یہ چاہتی ہے کہ عورت کے فرائض اور کاموں کا حقیقی دائرہ اس کا گھر ہو،اگر اسے گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت بھی پڑے تو وہ سج دھج کے نہ نکلے۔اس طرح اسلام کی یہ کوشش ہے کہ عورت میں حیاء کا عنصر قائم رہے اور اس تک منکرات کی رسائی نہ ہو کیونکہ منکرات انسان کو اباحیت اور اخلاقی زوال سے دوچار کر دیتے ہیں''(۲۲۹)۔

مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں چند علماء کرام کا یہ کہنا ہے کہ عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ووٹ ڈالے یا انتخابات میں بطور امیدوار کھڑی ہو،کیونکہ مندرجہ بالا آیات میں عورت کو اپنے گھر میں ٹک کر رہنے اور اپنے بچوں کی پرورش اور تربیت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

---

(۲۲۷) الاحزاب:۳۳۔

(۲۲۸) غزالی،رکائز الایمان،دارالاعتصام،قاہرہ،ایڈیشن ۴،۱۹۷۶ء،ص:۳۹۔

(۲۲۹) ابوالاعلی مودودی،مبادئ الإسلام،دارالأنصار،قاہرہ،۱۹۷۷ء،ص:۱۴۳۔

دوم: حدیث نبوی:

عدم جواز کے قائلین کا کہنا ہے کہ احادیث میں بھی عورتوں کو عمومی ولایت کے اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ جب نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا کہ اہل فارس نے کسری کی بیٹی کو اپنا حکمراں بنالیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''**لن يفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة**''(۲۳۰)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب شریر لوگ تمہارے حکمراں بن جائیں، بخیل لوگ مالدار ہوجائیں اور تمہارے معاملات عورتوں کے ہاتھ میں چلے جائیں تو (سمجھ لو کہ) زمین کا اندرونی حصہ تمہارے لئے اس کے باہری حصہ سے زیادہ بہتر ہے''(۲۳۱)۔

یہ دونوں احادیث درحقیقت ''**الرجال قوامون على النساء**'' کی بالکل صحیح تفسیر ہیں(۲۳۲)۔

مذکورہ بالا احادیث کے پیش نظر ازہر کی فتوی کمیٹی نے مندرجہ ذیل بات لکھی ہے:

''ان احادیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ بتایا ہے کہ امت کے لئے کیا جائز ہے اور کیا جائز نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے عورت کو کسی بھی طرح کی عمومی ولایت سپرد کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ بات نبی کریم ﷺ نے ایک ایسے اسلوب اور انداز میں بیان کی ہے کہ اس پر عمل

(۲۳۰) بخاری، کتاب الفتن، باب الفتنۃ تموج کموج البحر (۱۳/ ۶۷) حدیث ۷۰۹۹۔ شیبانی، تیسیر الوصول إلی جامع الاصول من حدیث الرسول، باب ماجاء فی کراہیۃ الإمارۃ (۲/ ۳۲) حدیث ۱۔

(۲۳۱) ترمذی، ابواب الفتن، باب ائمۃ تعرفون عنہم وتنکرون (۷/ ۴۳ و ۴۴) حدیث ۲۲۶۷، اس حدیث میں امام ترمذی کا تفرد پایا جاتا ہے، ان کا کہنا ہے: **هذا حديث غريب ما نعرفه إلا من حديث صالح المرى، وصالح فى حديثه غرائب ينفرد بها لا يتابع عليها وهو رجل صالح۔** دیکھئے: محمد الخضری الحسین، موقف الشریعۃ الإسلامیۃ من المرأۃ، یہ مقالہ مصری روزنامہ الاہرام میں ۲۷/۱/ ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا تھا۔

(۲۳۲) ابوالاعلی مودودی، تدوین الدستور الإسلامی، مطبعۃ دار الفکر، بیروت، ص: ۸۸۔

کرنا لازم ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پوری قطعیت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اگر عورت کو کسی بھی طرح کے معاملہ کی ولایت سپرد کی گئی تو ناکامی ونامرادی یقینی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی زمانہ کی کسی بھی عورت کو کسی بھی طرح کی عمومی ولایت سپرد نہیں کی جاسکتی ہے۔ حدیث کے اسلوب سے اس عموم کا علم ہوتا ہے'' (۲۳۳)۔

یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ عورت کے کاموں کا دائرہ کیا ہے۔ اس کا جواب عدم جواز کے قائلین اس طرح دیتے ہیں کہ اس کا صحیح طور پر علم نبی کریم ﷺ کی احادیث سے ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے، اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

مذکورہ بالا حدیث اس آیت کی بالکل صحیح تفسیر ہے، ''**وقرن فی بیوتکن**''۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بہت سی وہ احادیث ذکر کی جاتی ہیں جن میں عورتوں کو گھر کے باہر مختلف کاموں سے جو کہ سیاست وحکومت جیسے اہم کاموں سے بھی کمتر ہیں دور رکھا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جمعہ تمام مسلمانوں پر جماعت کے ساتھ واجب ہے، اس سے چار قسم کے لوگ مستثنی ہیں: غلام، عورت، بچہ اور مریض'' (۲۳۴)۔

حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں: ''ہم عورتوں کو جنازہ کے پیچھے چلنے سے منع کیا گیا ہے'' (۲۳۵)۔

معلوم ہوا کہ عورت کا گھر سے باہر نکل کر عمومی زندگی کا حصہ بننا مردوں کے لئے فتنہ کا باعث ہے۔ درحقیقت عورتوں کی عقل ناقص ہوتی ہے اور ان کے دین میں بھی نقص پایا جاتا ہے۔

(۲۳۳) فتوی کمیٹی، ازہر، رسالۃ الإسلام میگزین، سال چہارم، عدد ۳، جون ۱۹۵۲ء۔

(۲۳۴) ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ للملوک والمرأۃ، ص: ۱۳۰۲۔ الحاکم، المستدرک، کتاب الجمعۃ ۲۸۸/۱۔

(۲۳۵) مسند احمد (۵۵۸/۷) حدیث ۲۶۷۶۴۔ الاوسط، کتاب الجنائز، ذکر نہی النساء عن اتباع الجنائز، ۳۸۸/۵، حدیث ۳۰۵۴۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''میں نے تم عورتوں سے بڑھ کر عقل و دین میں نقص والی کوئی ایسی شخصیت نہیں دیکھی جو ایک دانشمند مرد کی عقل و دانش کو بھی سلب کر لیتی ہو'' (۲۳۶)۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تم عورتوں سے بڑھ کر عقل و دین میں نقص والی کوئی ایسی شخصیت نہیں دیکھی جو ایک دانشمند مرد کی عقل و دانش پر بھی غالب آجاتی ہو۔ ایک عورت نے سوال کیا: ہماری عقل اور دین کا نقص کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جہاں تک عقل میں نقص کی بات ہے تو (تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ) دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے۔ اور جہاں تک دین میں نقص کی بات ہے تو (تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ) تم رمضان کے روزہ نہیں بھی رکھتی ہو اور کچھ دن ایسے بھی آتے ہیں جن میں تم نماز نہیں پڑھتی ہو'' (۲۳۷)۔

اسی طرح عورت کو مردوں کی مجلسوں میں اٹھنے بیٹھنے سے بھی منع کیا گیا ہے، اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''جب کبھی بھی کوئی مرد اور کوئی عورت خلوت و تنہائی میں ہوتے ہیں تو وہاں پر تیسرا شیطان ہوتا ہے'' (۲۳۸)۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''تم لوگ عورتوں کے سلسلہ میں میری خیر کی وصیت قبول کرو۔ درحقیقت عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے، پسلی میں سب سے زیادہ ٹیڑھا پن اس کے بالائی حصہ میں ہوتا ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو اسے توڑ دوگے، اور اگر اسے چھوڑ دوگے تو وہ اپنی حالت پر ٹیڑھا ہی رہے گا، لہذا تم لوگ عورتوں کے سلسلہ میں میری خیر کی

---

(۲۳۶) بخاری، کتاب الحیض، باب ترک الحائض الصوم، ص: ۲۶، حدیث: ۳۰۴۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب نقصان الإیمان بنقص الطاعات، ص: ۶۹۲، حدیث ۲۴۱۔

(۲۳۷) بخاری، کتاب النکاح، باب ما یتقی فی شؤم المرأۃ، ص: ۴۴۱، حدیث: ۴۴۱۔ مسلم، کتاب الرقائق، باب أکثر أہل الفقراء وأکثر أہل النار النساء وبیان الفتنۃ، ص: ۱۱۵۲، حدیث: ۶۹۳۔

(۲۳۸) ترمذی، ابواب الرضاع، باب ما جاء فی کراہیۃ الدخول علی المغیبات، ص: ۶۶۲، حدیث: ۱۱۷۱۔

وصیت قبول کرو'(۲۳۹)۔

نبی کریم ﷺ نے عورت کی منجملہ صفات میں یہ بیان کیا ہے کہ اس میں تخلیقی طور پر ٹیڑھا پن (کجی) ہوتا ہے، عورت اس حقیقت کا انکار نہیں کرسکتی۔ عورت انتہائی درجہ جذباتی ہوتی ہے، وہ انجام کے بارے میں نہیں سوچتی ہے اور نہ ہی اپنے معاملات میں عقل کا استعمال کرتی ہے(۲۴۰)۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ کے پاس چند خواتین آئیں اور انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ، راہ خدا میں جہاد کر کے مرد حضرات نے سارا فضل سمیٹ لیا ہے، ہم کون سا ایسا کام کریں کہ اس کے ذریعہ ہمیں مجاہدین کے عمل کا درجہ مل جائے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے گھر پر کام کرنا تمہارا ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ تم مجاہدین کے عمل کی برابری کرسکتی ہو''(۲۴۱)۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''عورت چھپانے والی چیز ہے، جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو اس کے پیچھے شیطان لگ جاتا ہے''(۲۴۲)۔

انہی وجوہات کی بنیاد پر اسلام نے مرد وعورت کے اختلاط پر بہت سختی کے ساتھ پابندی عائد کر رکھی ہے، اسلامی تہذیب کا اصول یہ ہے کہ دونوں جنسوں کے درمیان علاحدگی ہو۔

---

(۲۳۹) بخاری، کتاب النکاح، باب الوصاۃ بالنساء، ص:۴۴۸، حدیث: ۵۱۸۵۔ مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء، ص:۹۲۶، حدیث: ۳۶۴۳۔

(۲۴۰) دیکھئے: حافظ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، طبعۃ عیسی الحلبی، قاہرہ (۳/ ۴۸۲)۔

(۲۴۱) بیہقی، شعب الإیمان، باب فی حقوق الأولاد والأہلین (۶/ ۴۰۲)، حدیث: ۸۷۴۲۔

(۲۴۲) ترمذی، کتاب الرضاع، باب ۱۸ (۳/ ۴۷۶) حدیث: ۱۱۷۳، انہوں نے اس حدیث کو ''حسن صحیح غریب'' قرار دیا ہے۔ صحیح ابن خزیمہ، کتاب الإمامۃ فی الصلاۃ، باب اختیار صلاۃ المرأۃ فی بیتہا علی صلاتہا فی المسجد (۳/ ۹۳) حدیث: ۱۶۸۵ و ۱۶۸۶۔ علامہ البانی نے الارواء میں لکھا ہے: وہذا إسناد صحیح (۱/ ۳۰۳) حدیث: ۲۷۳۔

عدم جواز کے قائلین کا کہنا ہے کہ ان فطری اوصاف وجوہات کی وجہ سے ہی عورت کو احکام کی ولایت نہیں سونپی گئی ہے(۲۴۳)۔

سوم: عملی تواتر:

عدم جواز کے قائلین کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عہد میں کسی بھی خاتون کو کسی بھی طرح کی عمومی ولایت نہیں سونپی گئی۔

ازہر کی فتوی کمیٹی لکھتی ہے:

''اسلام کے عہد اول میں بہت ساری باعلم اور صاحب فضل وکمال خواتین موجود تھیں، بلکہ بعض خواتین تو مردوں پر بھی فوقیت رکھتی تھیں مثلاً امہات المؤمنین، اس کے باوجود اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے کہ ان خواتین کو کسی بھی طرح کی عمومی ولایت سپرد کی گئی ہو، نہ ہی تنہا اور نہ ہی کسی اور کی معیت میں، حالانکہ اس بات کے بہت سارے دواعی اور محرکات تھے کہ عمومی کاموں میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی شریک کیا جائے۔ نہ ہی خود عورت نے اس شرکت کا مطالبہ کیا اور نہ ہی اس سے یہ مطالبہ کیا گیا،....''(۲۴۴)۔

اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ ابن قدامہ اپنی کتاب المغنی میں تحریر فرماتے ہیں:

''...حضرت عمر بن خطابؓ کے عہد میں کسی بھی عورت کو کسی بھی طرح کی حکومتی ذمہ داری نہیں دی گئی، نہ ہی اسے کسی اقلیم کی ذمہ داری دی گئی، نہ ہی قضا کا عہدہ سونپا گیا اور نہ ہی کسی فوج کی قیادت وسربراہی سے نوازا گیا۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کو نبی کریم ﷺ اور ان کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اختیار کیا تھا۔

---

(۲۴۳) دیکھئے: عبدالحمید الشورابی، الحقوق السیاسیۃ للمرأۃ فی الإسلام، ص: ۶۳ و ۶۴۔

(۲۴۴) فتوی کمیٹی، جامع ازہر، رسالۃ الإسلام میگزین میں شائع، سال چہارم، عدد ۳، دار التقریب بین المذاہب، شوال ۱۳۷۱ھ، ۱۹۵۲ء۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے عہد کی عورتوں کو حکومت کے امور میں مداخلت سے بہت سختی کے ساتھ دور رکھا'' (۲۴۵)۔

ابن قدامہؒ لکھتے ہیں: ''عورت امامت عظمی اور ملکوں کی سربراہی کے لائق نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ، خلفاء راشدین اور ان کے بعد کے لوگوں نے عورت کو کسی بھی طرح کے قضا اور ولایت کی ذمہ داری نہیں سونپی'' (۲۴۶)۔

جو حضرات عورت کو سیاسی حقوق دینے کے سلسلہ میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے خون کے مطالبہ کے لئے حضرت عائشہؓ گھر سے باہر نکلی تھیں اور انہوں نے حضرت علیؓ سے جنگ کی تھی، ان حضرات کو جواب دیتے ہوئے مولانا ابوالاعلی مودودی کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو بطور دلیل پیش کرنا درست نہیں ہے۔ ایک ایسے واقعہ کو بطور دلیل کیسے پیش کیا جاسکتا ہے جسے اس وقت کے جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے غلط قرار دیا تھا اور جس پر خود حضرت عائشہؓ بعد میں بہت نادم رہتی تھیں؟ جب حضرت ام سلمہؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ سے جنگ کے لئے نکلی ہیں تو انہوں نے حضرت عائشہؓ کو ایک تحریر لکھی: قرآن نے آپ کے دامن کو باندھ رکھا ہے، آپ اسے پھیلایئے نہیں، آپ بھول گئیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کو دین میں افراط کرنے سے روکا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: حضرت عائشہؓ کا گھر ان کے ہودہ سے زیادہ بہتر ہے۔ بخاری میں حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ واقعہ جمل کے فتنہ سے مجھے اللہ کے نبی کے ایک قول نے محفوظ رکھا کہ "**لن يفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة**"۔ اور پھر یہ بات بھی ثابت ہے کہ بعد میں خود ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اپنے اس فعل پر ہمیشہ نادم رہا کرتی تھیں'' (۲۴۷)۔

---

(۲۴۵) سلیمان العشماوی الطحاوی، عمر بن الخطاب، دار الفکر العربی، ۱۹۷۹ء، ص: ۴۵۴۔

(۲۴۶) ابن قدامہ، المغنی، تحقیق: عبدالوہاب فاید، طبعۃ المنار، سال ۱۳۴۸ھ، ۱۱/۳۸۰۔

(۲۴۷) ابوالاعلی مودودی، المرأۃ ومناصب الدولۃ، دار الفکر، بیروت، ص: ۹۰ و ۹۱۔

چہارم: عقلی دلیل اور مقاصد شریعت:

عدم جواز کے قائلین کا خیال ہے کہ مرد وعورت کے درمیان پائے جانے والے فطری فرق کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی شریعت نے عورت کو عمومی ولایت سے دور رکھا ہے۔

تخلیقی اور فطری طور پر عورت کی طبیعت اور اس کا مزاج ایسا بنایا گیا ہے کہ وہ ان کاموں کے لئے مناسب رہے جن کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے، یعنی ماں ہونے سے متعلق ذمہ داریاں، بچوں کی پرورش و پرداخت اور تربیت کی ذمہ داریاں۔ اسی لئے اس کے اندر جذباتیت پائی جاتی ہے۔ ساتھ ہی عورت بہت سے فطری عوارض کا بھی شکار رہتی ہے، جس سے اسے ہر ماہ اور ہر سال الجھنا پڑتا ہے، اس کی وجہ سے اس کی معنوی قوت وطاقت کمزور ہو جاتی ہے، رائے قائم کرنے اور اسے مضبوطی سے پکڑے رہنے کی قوت کمزور ہو جاتی ہے اور وہ جدوجہد کے قابل نہیں رہ جاتی۔

اس مسئلہ میں اگر ہم ''قیاس'' کا سہارا لیں تو لازمی طور پر یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ عورت کو عمومی ولایت اور عمومی ملازمتوں سے محروم رکھا جائے۔

عورت پر ''قوامیت'' مرد کو دی گئی ہے۔ طلاق کا حق بھی صرف مرد کو دیا گیا ہے۔ شریعت نے عورت کو بغیر محرم، شوہر یا کسی مامون رفیق کے تنہا سفر کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، خواہ یہ سفر حج کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔

مرد وعورت کے درمیان پائے جانے والے فطری فرق کی وجہ سے جب اسلام نے مذکورہ بالا احکام میں دونوں کے درمیان تفریق کر رکھی ہے جبکہ ان احکام کا تعلق عمومی امور سے نہیں ہے، تو یہ بات بدرجہ اولی سمجھ میں آتی ہے کہ اس فطری فرق کی وجہ سے عمومی ولایت میں بھی دونوں کے درمیان تفریق کی جائے۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ بہت سے احکام ایسے ہیں کہ جن کے ذریعہ سے عورتوں کو گھر سے باہر ایسے امور کے انجام دینے سے بھی معاف رکھا گیا ہے جو سیاست

اورحکومت سے کم درجہ کے ہیں(۲۴۸)۔

پنجم: مصلحت:

عدم جواز کے قائلین کا کہنا ہے کہ شریعت اسلامی کا یہ اصول ہے کہ منافع کے حصول سے زیادہ اہم اورضروری مفاسد کا روک تھام ہے(۲۴۹)۔اسی وجہ سے عورت کو سیاسی حقوق کی انجام دہی سے باز رکھا گیا ہے۔عمومی ولایت اور ملازمتوں کی بنیاد یہ ہے کہ انسان کے اندراس کی اہلیت وصلاحیت موجود ہواور یہ صلاحیت واہلیت دوام کے ساتھ پائی جائے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ عورت کے چند جسمانی ونفسیاتی عوارض ایسے ہیں جو اسے رتبہ میں مردوں سے کم کردیتے ہیں اوراس کی صلاحیت واہلیت میں کمی پیدا کردیتے ہیں۔

انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ چونکہ فطرت نے عورت پر بہت سارے بوجھ ڈال رکھے ہیں لہذا اس پر ہلکے اورخفیف کاموں کا بوجھ رکھا جائے(۲۵۰)۔

اسلامی ریاست کے ولی امر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں اور احکام سے عدول اختیار کرے۔ اسلام کا حکم یہ ہے کہ عزت وشرف اور کرامت میں مرد وعورت مساوی ہیں، آخرت کے جزاء وسزا کے لحاظ سے دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، لیکن سیاست اورحکومت سے متعلق کاموں کا تعلق صرف مردوں سے ہے، اگرعورت ان میدانوں میں بھی کود پڑتی ہے تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ خاندانی زندگی درہم برہم ہوجائے گی، کیونکہ خاندانی زندگی سے متعلق زیادہ تر ذمہ داریاں عورت ہی نبھاتی ہے، اوراس طرح وہ اپنے فطری فرائض انجام دیتی ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اسلام اصولی طور پر مرد وعورت کے مخلوط ماحول کا مخالف ہے،

(۲۴۸) ابوالاعلی مودودی، المرأۃ ومناصب الدولۃ، دارالفکر، بیروت، ص:۹۰و۹۱۔

(۲۴۹) دیکھئے: ابن نجیم، الاشباہ والنظائر ۱/ ۱۰۵۔

(۲۵۰) ابوالاعلی مودودی، الحجاب، ترجمہ: محمد کاظم، دارالفکرالإسلامی، دمشق، ۱۹۵۹ء، ص ۲۶۲۔

اسلام اس کی ہمت افزائی نہیں کرتا مخلوط ماحول کی وجہ سے یوروپی معاشرہ میں بڑے بھیانک اور سنگین نتائج مرتب ہوئے ہیں (۲۵۱)۔

کچھ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو چند عمومی کاموں کے کرنے کا مکلّف بنایا ہے، مثلاً جنگ میں زخمیوں کی خدمت کرنا، لیکن اس سے یہ مفہوم اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام نے عورتوں کو علی الاطلاق ان کاموں اور دیگر سیاسی کاموں کو انجام دینے کی اجازت دے دی ہے۔

اگر عورت مرد کے دائرہ کار میں قدم رکھتی ہے تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اس کام کو صحیح طور پر انجام دے سکے، کیونکہ اللہ تعالی نے فطری طور پر اسے ان کاموں کی انجام دہی کے لئے پیدا ہی نہیں کیا ہے، ان کاموں کو انجام دینے کے لئے تو اللہ نے مرد ہی کو عقلی وجسمانی صلاحیت وطاقت دی ہے۔

فرض کر لیجئے کہ اگر عورت مصنوعی مردانگی اختیار کر کے مردوں والی صفات اپنے اندر پیدا کر بھی لے تو خود اس کی ذات اور معاشرہ پر اس کے بڑے سنگین نتائج مرتب ہوں گے۔ خود عورت کا نقصان یہ ہوگا کہ وہ نہ ہی پورے طور پر انوثت سے باہر آ سکے گی اور نہ پورے طور پر مردانگی ورجولت میں داخل ہو سکے گی، اور اس طرح وہ اس بنیادی کام کو بھی انجام نہیں دے سکے گی جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے۔

معاشرہ کا نقصان یہ ہوگا کہ عورت معاشرہ کے کاموں کو صحیح طور پر انجام نہیں دے سکے گی کیونکہ انہیں انجام دینے کی مکمل صلاحیت اس کے اندر پائی ہی نہیں جاتی ہے، ساتھ ہی ان کاموں کو انجام دینے کی وجہ سے اس کی اپنی نسوانی خصوصیات بھی ختم ہو جائیں گی (۲۵۲)۔

---

(۲۵۱) ابو الاعلی مودودی، الإسلام فی مواجہۃ التحدیات المعاصرۃ، دار العلم، کویت، ایڈیشن ۲، ۱۹۷۴ء، ص: ۲۹۲۔

(۲۵۲) دیکھئے: ابو الاعلی مودودی، الإسلام فی مواجہۃ التحدیات المعاصرۃ، ص: ۲۶۲۔

اس سلسلہ میں تاریخ میں جن چند عظیم الشان خواتین کا نام آتا ہے ان کی وجہ سے صورت حال تبدیل نہیں ہوسکتی، کیونکہ اصل اعتبار من حیث المجموع عورت کی طبیعت وفطرت کا ہوتا ہے(۲۵۳)۔

لہذا مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ عمومی ولایت کی ذمہ داری عورت کے سپرد نہ کی جائے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة**'' (۲۵۴) (اور بچو اس فتنہ سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی، جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو)۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

''اللہ کے اس قول کا مفہوم یہ ہے کہ منکرین تمہارے درمیان جگہ نہ بنانے پائیں، ورنہ تم سب پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تفسیر اپنی اس حدیث کے ذریعہ کی ہے: اللہ تعالی چند خاص لوگوں کے عمل کی وجہ سے تمام عام لوگوں کو بھی اسی وقت عذاب دیتا ہے، جب لوگ اپنے سامنے گناہ ومنکر ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اس کے روکنے پر قادر ہوتے ہوئے بھی اسے روکتے نہیں ہیں (۲۵۵)، ایسی صورتحال میں اللہ تعالی عام وخاص تمام لوگوں پر عذاب نازل کردیتا ہے(۲۵۶)۔ اگر عورت بغیر کسی ضرورت کے گھر سے باہر نکلتی ہے تو یہ ایک فتنہ ہی ہے۔

درحقیقت اسلام لوگوں میں حیاء کا وصف پیدا کرنا چاہتا ہے۔ حیاء تو ایمان کا ایک جزء ہے۔ اسلام نہیں چاہتا کہ لوگوں کے درمیان فواحش ومنکرات اور فتنہ پھیلے(۲۵۷)۔

(۲۵۳) سابق مرجع، ص: ۲۶۲۔

(۲۵۴) الانفال: ۲۵۔

(۲۵۵) دیکھئے: القرطبی، الجامع لأحکام القرآن (۷/۳۹۱ و ۳۹۳)۔

(۲۵۶) مسند احمد، مسند الشامیین، ص: ۱۲۶۴ حدیث ۱۷۸۷۲۔

(۲۵۷) ابوالاعلی مودودی، نحن والحضارۃ الغربیۃ، مطبوعہ دار الفکر، ص: ۲۲۷۔

عورت درحقیقت بہت ذکی الحس، جذباتی اور سریع الانفعال ہوتی ہے۔اس کے اندر یہ سارے اوصاف مانوس و مالوف حد سے زیادہ پائے جاتے ہیں، جن کی وجہ سے زندگی کے مختلف گوشوں پر وہ کامل تسلط اور کنٹرول نہیں رکھ پاتی ہے۔عورت کے انہی اوصاف اور طبیعت ومزاج کی وجہ سے مرد کو اس پر قوام بنایا گیا ہے، تاکہ وہ اپنی بنیادی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دے سکے۔عورت کی بنیادی ذمہ داریاں بحیثیت ماں کام کرنا اور بچوں کی پرورش وپرداخت کرنا ہے۔اس کے لئے عقل وفہم سے زیادہ ذکاوت حس اور جذبات کی ضرورت ہوتی ہے۔معلوم ہوا کہ مصلحت کا یہ تقاضہ ہے کہ عمومی ولایت سے متعلق ذمہ داریاں عورت کے سپرد نہ کی جائیں (۲۵۸)۔

راجح قول:

پہلا قول جس میں شرعی اصول وقوانین کی رعایت کرتے ہوئے عورت کو پارلیمنٹ کی رکنیت کے امیدوار کے حق میں ووٹ ڈالنے اور خود بطور امیدوار کھڑے ہونے کی اجازت دی گئی ہے، میرا خیال ہے کہ وہی قول راجح ہے۔کیونکہ اس قول کے حاملین کے دلائل زیادہ مضبوط اور پختہ ہیں۔

جو لوگ اس مسئلہ کو عورت کے لئے حرام قرار دیتے ہیں، انہوں نے اس سلسلہ میں قرآن وحدیث اور تواتر وغیرہ سے جس قدر بھی دلائل دیئے ہیں درحقیقت ان کے استدلالات درست نہیں ہیں، ذیل میں ہم ان دلائل پر گفتگو کریں گے:

اول: قرآن کریم:

عدم جواز کے قائلین جن آیات سے استدلال کرتے ہیں ان میں سے اہم آیات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

(۲۵۸) محمد الہبی، الدین والحضارۃ الإنسانیۃ، مکتبۃ الشرکۃ الجزائریۃ، ص: ۱۳۰۔

"ولهن مثل الذى عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة"(۲۵۹)۔

"الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض، وبما أنفقوا من أموالهم"(۲۶۰)۔

"وقرن فى بيوتكن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الأولى"(۲۶۱)۔

جو حضرات عورتوں کے سیاسی حقوق کے قائل ہیں وہ ان آیات کی تفسیر اس طرح بیان کرتے ہیں:

"وللرجال عليهن درجة" کی تفسیر:

عورتوں کے سیاسی حقوق کے قائلین کہتے ہیں: یہ آیت ان آیات کے درمیان وارد ہوئی ہے جو طلاق اور ازدواجی زندگی کے دیگر امور سے متعلق ہیں۔ ان حضرات کا کہنا ہے: جس طرح با اہل و باصلاحیت عورت کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے، اسی طرح اسے پارلیمنٹ کی رکنیت کا حق بھی حاصل ہے۔ کیونکہ پارلیمنٹ کا بنیادی کام انتظامی ادارہ یعنی حکومت کی نگرانی اور قوانین سازی و منصوبہ سازی ہے، اور بلاشبہ نگرانی کے مفہوم میں یہ بتانا بھی شامل ہے کہ کیا صحیح ہے، کیا غلط ہے اور کہاں کمی رہ گئی ہے۔ اسلامی اصطلاح میں "نگرانی" کا مفہوم "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کے ذریعہ بیان کیا جاسکتا ہے اور اس کام میں اللہ تعالی نے عورت کا بھی حق رکھا ہے، بلکہ اس پر واجب قرار دیا ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: "والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر"(۲۶۲)۔ اسی طرح "پارلیمنٹ کی رکنیت" کے حق کے مفہوم میں "مسلمانوں کے امور سے دلچسپی" بھی شامل ہے، نبی

---

(۲۵۹) البقرہ:۲۲۸۔

(۲۶۰) النساء:۳۴۔

(۲۶۱) الاحزاب:۳۳۔

(۲۶۲) التوبہ:۷۱۔

کریم ﷺ نے اس معاملہ کو مسلمانوں کی جماعت سے وابستگی کی ایک علامت قرار دیا ہے، اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "من لم یهتم بأمر المسلمین فلیس منهم" (۲۶۳)۔ جہاں تک قانون سازی کا مسئلہ ہے تو بلا شبہ قانون سازی کے بہت سے پہلو ایسے ہیں جو صرف عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ قانون سازی کے لئے سب سے پہلے علم کی ضرورت ہوتی ہے اور عورتیں اپنے امور و معاملات میں مردوں سے زیادہ علم رکھتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو پارلیمنٹ کی رکنیت کا حق دینا چاہئے۔

ساتھ ہی عورتوں کو خصوصی ولایت سے متعلق ذمہ داریاں دینا بھی درست ہے، مثلاً اسکول، ہاسپیٹل، اور معاشرتی و معاشی اداروں کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری۔ حضرت عمر بن خطابؓ کے تعلق سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک خاتون حضرت شفاؓ کو بازار کی ذمہ داری سونپی تھی (۲۶۴)۔

دوم: حدیث نبوی:

عدم جواز کے قائلین کی ایک دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: "لن یفلح قوم ولوا أمرهم امرأة"۔ اس مسئلہ کے جواز کے قائلین کا اس حدیث کے تعلق سے کہنا ہے کہ یہ حدیث عمومی ولایت یعنی ریاست کی صدارت کے ساتھ مخصوص ہے، اس حدیث میں خصوصی ولایت کے تعلق سے گفتگو نہیں کی گئی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ اہل فارس نے کسری کی بیٹی کو اپنا حکمراں بنالیا ہے۔

---

(۲۶۳) طبرانی، المعجم الصغیر، تقدیم: کمال الحوت (۲/ ۳۲۸) حدیث ۴۷۴۔

(۲۶۴) ابن حزم، المحلی، تحقیق: عبد الغفار سلیمان البندار ی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۸، ۸/ ۵۲۷ و ۵۲۸۔ ابن عبد البر، الاستیعاب، مطبوع بہامش کتاب الإصابۃ لابن حجر العسقلانی، قاہرہ: ایڈیشن اول، ۱۳۲۸ھ (۴/ ۳۴۰ و ۳۴۱)۔

حاکم (۲۶۵) اور ابن حبان (۲۶۶) کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ذی یزن کے بادشاہ کے انتقال کے بعد وہاں کے لوگوں نے ایک عورت کو اپنا حکمراں بنالیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو صرف خلافت عظمیٰ یعنی ریاست کی قیادت وسیادت سے روکا گیا ہے۔

سوم: عملی تواتر:

عدم جواز کے قائلین نے ''عملی تواتر'' کے ذریعہ بھی استدلال کیا ہے، ان حضرات نے اس سلسلہ میں مختلف واقعات کا ذکر کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے عہد سے لے کر آج تک عورت کو ''عمومی ولایت'' میں شریک نہیں کیا گیا ہے۔ پارلیمنٹ اور مجلس شوریٰ کو یہ حضرات عمومی ولایت کا ہی ایک ایک حصہ شمار کرتے ہیں۔

حالانکہ حقیقی بات یہ ہے کہ اگر کوئی واقعہ کبھی وقوع پذیر ہوا ہی نہ ہو اور تواتر کے ساتھ ہم تک نہ پہنچا ہو تو اس کا لازمی مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ حرام اور ناجائز ہے۔ موجودہ زمانہ میں بہت سے ایسے فقہی نوازل ہیں جن کے سلسلہ میں زمانہ قدیم میں کوئی فتویٰ نہیں دیا گیا تھا، جدید دور کے علماء نے ان جدید مسائل کے بارے میں فتویٰ دیا ہے، ان مسائل کے حکم کو جاننے کے لئے جدید دور میں اجتہاد کیا گیا ہے۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ فقہی قاعدہ کی رو سے تمام چیزیں درحقیقت مباح اور جائز ہیں، تا آنکہ کسی چیز کی حرمت کسی دلیل سے ثابت نہ ہو جائے۔

چہارم: عقلی دلیل اور مقاصد شریعت:

مرد وعورت کے درمیان پائے جانے والے نفسیاتی وفطری فرق پر قیاس کرتے ہوئے

---

(۲۶۵) حاکم، مستدرک، کتاب معرفۃ الصحابۃ ۳/ ۱۱۸ و ۱۱۹۔

(۲۶۶) ابن حبان، کتاب السیر، باب ذکر الاخبار عن نفی الفلاح عن أقوام تکون أمورہم منوطۃ بالنساء، ۱۰/ ۴۵۷، حدیث ۴۵۱۶۔

اس مسئلہ کے عدم جواز کی بات کہنا بھی درست نہیں ہے، کیونکہ قیاس میں حکم لگانے کے لئے ایک واضح علت کا پایا جانا ضروری ہے، عدم جواز کے قائلین کے یہاں اس سلسلہ کی کوئی واضح علت نہیں پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالی نے مرد وعورت ہر ایک کو چند صفات کے ساتھ پیدا کیا ہے جو صفات ہر ایک کو اس کی زندگی گزارنے کے قابل اور اہل بناتے ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ووٹ دینا اور انتخاب میں حصہ لینا مشکل ترین کام ہیں اور اس لئے وہ صرف مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

پنجم: مصلحت:

عدم جواز کے قائلین یہ کہتے ہیں کہ شریعت کے نزدیک منافع کے حصول سے زیادہ اہم اور ضروری مفاسد کی روک تھام کو قرار دیا گیا ہے۔ مصلحت کے اس مسئلہ میں، میں ان حضرات کے ساتھ ہوں۔ درحقیقت یہ شریعت اسلامی کا ایک نہایت ہی اہم اور بنیادی قاعدہ کلیہ ہے، اس قاعدہ پر بہت سے احکام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اگر ولی امر (ریاست کے حکمراں) کو اندیشہ ہو کہ ووٹ دینے اور بطور امیدوار کھڑے ہونے کی اجازت دینے سے سنگین ضرر لاحق ہوسکتا ہے یا اس عمل میں معاشرہ کی مصلحت نظر نہ آرہی ہو تو اس کی اجازت نہ دینا ہی بہتر ہے، خصوصاً اس صورت حال میں جبکہ معاشرہ میں اسلامی وشرعی اصول وضوابط کی پابندی کی امید نہ ہو۔

مبحث چہارم:

افتاء کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق عورت کا حق

افتاء کی تعریف:

الف- افتاء کی لغوی تعریف:

شرعی وقانونی مسائل کا جواب دینے کو الفتوی کہا جاتا ہے، اس کی جمع فتاوٍ اور فتاویٰ ہے۔ دار الفتوی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں مفتی ہوتا ہے، الفتوی کا ہم معنی لفظ الفتیا بھی ہے۔

مفتی (المفتی) اسے کہتے ہیں جو لوگوں کو فتوی دیتا ہے، یہ شخص وہ فقیہ ہوتا ہے جسے مشکل شرعی مسائل کا جواب دینے کے لئے حکومت متعین کرتی ہے۔ اس کی جمع مفتون ہے (۲۶۷)۔

ب- افتاء کی اصطلاحی تعریف:

مفتی اس شخص کو کہتے ہیں جو تمام شرعی احکام سے بخوبی واقف ہو، مستفتی وہ ہوتا ہے جو تمام شرعی احکام سے واقف نہیں ہوتا ہے۔ مفتی سے فتوی طلب کرنے کو افتاء کہتے ہیں (۲۶۸)۔

افتاء کی مشروعیت اور اس کی اہمیت:

بلاشبہ ہر مسلمان سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ شریعت کے احکام پر عمل کرے، اور شریعت کے احکام پر اس وقت تک عمل نہیں کیا جا سکتا جب تک ان کا علم نہ ہو، لیکن چونکہ شریعت کے ہر حکم کو ہر شخص براہ راست دلائل سے سمجھ نہیں سکتا ہے، اس لئے مشکل مسائل کو سمجھنے کے لئے

(۲۶۷) دیکھئے: القاموس المحیط، ص: ۱۷۰۲۔ المعجم الوجیز، ص: ۴۵۶۔

(۲۶۸) دیکھئے: زرکشی، البحر المحیط فی أصول الفقہ، تحریر: عبد الستار ابو غدہ، ۶/ ۳۰۶۔

کسی ایک شخص کی ضرورت پڑتی ہے جو ان مسائل کے احکام بتا سکے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر افتاء کی مشروعیت عمل میں آئی ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون**'' (۲۶۹) (تم لوگ اگر علم نہیں رکھتے تو اہل کتاب سے پوچھ لو)۔

سب سے پہلے مفتی نبی کریم ﷺ تھے، جو بھی آپ ﷺ سے فتوی پوچھتا آپ ﷺ اسے فتوی دیتے، آپ ﷺ کے بعد فتوی دینے کی یہ ذمہ داری صحابہ کرامؓ کے سپرد ہوگئی (۲۷۰)۔

عورت کے لئے فتوی دینے کی مشروعیت:

عورتوں کے لئے اجتہاد اور فتوی ممنوع عمل نہیں ہیں، عورت مجتہد بھی ہوسکتی ہے اور مفتی بھی۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ اجتہاد اور افتاء کا موضوع ہر چیز پر مشتمل ہے، خواہ ایسے امور ومعاملات ہوں جن کا تعلق عورت سے ہو یا ایسے امور ومعاملات ہوں جن کا تعلق اس سے نہ ہو، یا ان امور ومعاملات کا تعلق حکومت وسلطنت سے ہو، ان تمام ہی امور میں وہ اجتہاد کرسکتی ہے اور ان امور کے سلسلہ میں حاکم کو مشورہ دے سکتی ہے۔ تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ مفتی کے لئے ''مرد ہونا'' شرط نہیں ہے، نہ ہی اس کے لئے ''آزادی'' شرط ہے (۲۷۱)۔

(۲۶۹) الانبیاء: ۷۔

(۲۷۰) دیکھئے: ابن قیم الجوزی، إعلام الموقعین، تحقیق: محمد عبد السلام ابراہیم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۱ء ۱/ ۱۰۲۹۔ حافظ محمد انور، ولایۃ المرأۃ فی الفقہ الاسلامی، ص ۳۱۳ و ۳۱۴۔

(۲۷۱) دیکھئے: زرکشی، البحر المحیط فی أصول الفقہ، تحریر: عبد الستار ابوغدہ ۶/ ۳۰۶۔ عبد الکریم زیدان، المفصل فی أحکام المرأۃ، ۳/ ۳۳۶۔ محمد ابوفارس، القضاء فی الإسلام، مکتبۃ الأقصی، عمان، ایڈیشن اول، ۱۳۹۸ھ، ص ۱۶۔ ابوعمرو بن الصلاح الشہرزوری، أدب الفتوی وشروط المفتی وصفۃ المستفتی وأحکامہ، تحقیق: رفعت فوزی، مکتبۃ الخانجی، قاہرہ، ایڈیشن اول، ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۲ء، ص ۵۶۔

علامہ حصکفی تحریر فرماتے ہیں: ''بعض لوگوں نے مفتی کے لئے ''بیدار ہونے'' کی شرط لگائی ہے، اس کے لئے آزادی، مرد ہونے، یا بولنے کی شرط نہیں لگائی ہے (۲۷۲)۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں: ''سابقہ شرائط کے ساتھ مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ایسی تمام باتوں سے دور ہو جن سے اس کی مروءت کو ٹھیس پہنچتی ہو۔ وہ فقیہ النفس ہو، صاف ستھرے ذہن والا ہو، پختہ فکر والا ہو اور اچھی طرح سے استنباط کر لیتا ہو۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ آزاد ہے یا غلام، نابینا ہے یا گونگا، بشرطیکہ وہ لکھ سکتا ہو اور اپنے اشارے سمجھا سکتا ہو'' (۲۷۳)۔

ابن مفلح لکھتے ہیں: ''صحیح بات یہی ہے کہ مستور الحال بھی فتوی دے سکتا ہے، خواہ وہ غلام یا عورت ہی کیوں نہ ہو'' (۲۷۴)۔

ابن حزم الظاہری لکھتے ہیں: ''اگر کوئی عورت دینی علوم میں تفقہ پیدا کر لے تو ہمیں اس کی اس حیثیت کو قبول کرنا چاہئے۔ گزشتہ زمانہ میں ایسا ہی تھا۔ نبی کریم ﷺ کی ازواجؓ اور دیگر صحابیاتؓ سے دین کے بہت سے احکام منقول ہیں۔ ان خواتین سے منقول احکام کو بطور حجت استعمال کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارے افراد کے درمیان کسی طرح کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ازواج کے علاوہ اس سلسلہ میں حضرت ام سلیمؓ، ام حرامؓ اور ام عطیہؓ کا نام آتا ہے...'' (۲۷۵)۔

ابن قیمؒ کہتے ہیں: ''فتوی'' شہادت سے زیادہ وسیع چیز ہے، لہذا غلام، آزاد، عورت، مرد، قریب، بعید اور اجنبی میں سے ہر شخص فتوی دے سکتا ہے...'' (۲۷۶)۔

---

(۲۷۲) الدر المختار، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ایڈیشن دوم، ۱۳۸۶ھ، ۱۹۶۶ء، ۳/۱۷۶۔

(۲۷۳) روضۃ الطالبین، مطبعۃ مصطفیٰ البابی، مصر، ایڈیشن دوم، ۱۳۸۶ھ، ۱۹۹۶ء، ۱۱/۱۰۹۔

(۲۷۴) ابن مفلح، المبدع، ۱۰/۲۵۔

(۲۷۵) ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام، مطبعۃ السعادۃ، قاہرہ، ۱۳۴۶ھ، ۳/۳۲۴۔

(۲۷۶) ابن قیم الجوزی، اعلام الموقعین، تحقیق: محمد عبد السلام، ۴/۱۶۹۔

علامہ ابن قیمؒ نے مفتی کی کئی قسمیں بیان کی ہیں: مثلاً بہت زیادہ فتوی دینے والے، متوسط درجہ کے فتوی دینے والے، اور کم فتوی دینے والے۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ کا شمار بہت زیادہ فتوی دینے والوں میں کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ انفرادی طور پر فتوی دیا کرتی تھیں، نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ اس عظیم منصب پر فائز ہوئیں، تمام سوال کرنے والے آپ ہی سے رجوع کیا کرتے تھے، آپ اپنی وفات تک اس عظیم منصب پر فائز رہیں (۲۷۷)۔

الطبقات الکبری میں ابن سعد لکھتے ہیں: ''حضرت عائشہؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں فتوی دیا کرتی تھیں، یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ جیسے اکابر صحابہ کرامؓ ان سے نبی کریم ﷺ کی سنتوں اور احادیث کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے'' (۲۷۸)۔

نہ ہی بہت زیادہ اور نہ ہی بہت کم فتوی دینے والوں میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت انس بن مالکؓ، اور حضرت ام سلمہؓ کا شمار ہوتا ہے۔ اور کم فتوی دینے والوں میں حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ، حضرت ام عطیہؓ، ام المؤمنین حضرت صفیہؓ، ام المؤمنین حضرت حفصہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ کا شمار ہوتا ہے (۲۷۹)۔

اسلام نے عورت کو فتوی دینے اور فقہی مسائل میں اپنی رائے کا اظہار کرنے کا حق دیا ہے۔ اس میں امہات المؤمنین اور صحابیات کے اسوہ کی پیروی بھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں عورت کا مقام بہت بلند رہا ہے۔ بسا اوقات عورت مرد سے زیادہ تفقہ اور سمجھ رکھتی ہے۔

---

(۲۷۷) دیکھئے: اعلام الموقعین ۱/ ۱۰ و ۱۱۔ سید سلیمان ندوی، سیرۃ السیدۃ عائشۃ أم المومنین، تحقیق: محمد رحمت اللہ حافظ ندوی، دار القلم، دمشق، ایڈیشن اول، ۱۴۲۴ھ، ۲۰۰۳ء، ص: ۳۲۷۔

(۲۷۸) ابن سعد، الطبقات الکبری، دار صادر، بیروت، ۲/ ۳۷۵۔

(۲۷۹) دیکھئے: اعلام الموقعین، ۱/ ۱۰ و ۱۱۔

مبحث پنجم:

منصب وزارت سنبھالنے سے متعلق عورت کا حق

وزارت کی تعریف:

لغوی اعتبار سے لفظ "**الوزارة**" لفظ "**الوِزْر**" سے ماخوذ ہے، الوزر کسی بھاری بوجھ کو کہتے ہیں، اس لفظ کے معنی گناہ کے بھی ہیں، لفظ "**الوزر**" کی جمع "**أوزار**" ہے۔ "**وضعت الحرب أوزارها**" کے معنی یہ ہیں کہ جنگ کا معاملہ ختم ہوگیا، جنگ نے اپنا بوجھ ہلکا کردیا، لہذا اب جنگ باقی نہیں رہی۔

لفظ "**الوَزَر**" کے معنی ملجا وماوی اور حفاظت کرنے والے کے ہیں، اسی سے لفظ "**الوزیر**" ماخوذ ہے۔

وزیر حکومت کے اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کا انتخاب سربراہ مملکت نے کیا ہو، تاکہ وہ حکومت وسلطنت کے انتظام وانصرام کے کسی ایک خاص شعبہ میں اس کی معاونت کرے، مثلاً وزیر عدل، وزیر برائے مالیاتی امور (۲۸۰)۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**واجعل لی وزیراً من أهلی، هارون أخی، اشدد به أزری، وأشرکه فی أمری**" (۲۸۱) (اور میرے لئے میرے اپنے کنبہ سے ایک وزیر مقرر کردے، ہارون، جو میرا بھائی ہے۔ اس کے ذریعہ سے میرا ہاتھ مضبوط کر اور اس کو میرے کام میں شریک کردے)۔

---

(۲۸۰) المعجم الوجیز ص: ۵۶۰۔

(۲۸۱) طہ: ۲۹-۳۲۔

وزارت ایک عمومی منصب (یا ایک عمومی ولایت) ہے، جس کے تحت ایک وزیر زندگی کے کسی ایک خاص گوشہ سے متعلق حکومت کے امور ومعاملات کے انتظام وانصرام کا ذمہ دار ہوتا ہے، اور اگر کوئی ''وزیر مختار'' ہوتا ہے تو وہ ریاست کے صدر کی نیابت میں حکومت کے معاملات کے انتظام وانصرام کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

ابن عربی نے وزارت کی تعریف اس طرح کی ہے: ''یہ ایک شرعی ولایت ہے، اس میں خلیفہ ایک موثوق ومعتمد شخص سے مختلف امور ومعاملات میں مشورہ کرتا ہے'' (۲۸۲)۔

وزارت کی قسمیں:

وزارت کی دو قسمیں ہیں: وزارت مختار (تفویض) اور وزارت تنفیذ۔

وزارت مختار کا مفہوم یہ ہے کہ امام یا خلیفہ یا اسلامی ریاست کا صدر یا اسلامی ریاست کے کسی اقلیم کا حاکم کسی شخص کو وزیر بنائے، اور اسے یہ ذمہ داری سونپے کہ وہ اپنی رائے کے ذریعہ مختلف امور کی تدبیر کرے گا، اپنے اجتہاد سے تمام امور ومعاملات کو انجام دے گا اور اپنے اوپر عائد تمام تر ذمہ داریوں کو انجام دے گا۔ اس وزیر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس مسلمان سے بھی چاہے، معاونت طلب کرے اور نااہل حکام اور والیوں کو معزول کرے۔ تاکہ وہ اپنی مطلوبہ ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دے سکے، بندوں کی منفعت اور مصلحت کو پورا کر سکے، ملک کے مختلف امور ومعاملات کی نگہبانی کر سکے، سرحدوں کی حفاظت کر سکے، حدود قائم کر سکے، اور جنگیں کر سکے (۲۸۳)۔

---

(۲۸۲) ابن عربی، أحکام القرآن، تحقیق: محمد علی البجاوی، دار الفکر، بیروت، ۴/ ۱۴۶۲۔

(۲۸۳) دیکھئے: الماوردی، الاحکام السلطانیۃ، مکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، قاہرہ، ایڈیشن ۲، ۱۳۸۶ھ، ۱۹۶۶، ص: ۲۲۔ الفراء، الأحکام السلطانیۃ، مکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، قاہرہ، ایڈیشن ۲، ۱۳۸۶ھ، ۱۹۶۶، ص: ۲۹۔ محمد عبد القادر ابو فارس، حقوق المرأۃ المدنیۃ والسیاسیۃ فی الإسلام، دار الفرقان، عمان، ایڈیشن اول، ۱۴۲۰ھ، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۸۵ و ۱۸۶۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: علی عبد القادر مصطفیٰ، الوزارۃ فی

وزارت مختار کی دو قسمیں ہیں:

الف-عمومی وزارت مختار: اس وزارت کے تحت وزیر کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اسلامی ریاست کے تمام علاقوں میں مختلف امور و معاملات کا انتظام و انصرام کرے۔

ب- علاقائی وزارت مختار: اس وزارت کے تحت وزیر کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اس علاقہ کے مختلف امور و معاملات کا انتظام و انصرام کرے جس کی ذمہ داری اسے علاقہ کے حکمراں نے دے رکھی ہے۔

وزارت تنفیذ ایک عمومی ولایت ہے، جس میں ایک وزیر عام امت اور امراء و حکمراں یا قاضیوں سے متعلق ان پالیسیوں اور فیصلوں کو نافذ کرتا ہے جنہیں ریاست کا صدر جاری کرتا ہے(۲۸۴)۔

اس وزارت تنفیذ کے تعلق سے الماوردی نے لکھا ہے: ''یہ وزارت کسی عورت کو سونپی نہیں جاسکتی ہے، خواہ اس کی شہرت اچھی ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس میں اس ولایت کا مفہوم آتا ہے جس سے عورتوں کو منع کیا گیا ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''**ما أفلح قوم أسندوا أمرهم إلى امرأة**''۔ علاوہ ازیں اس وزارت میں پختہ رائے اور ثابت قدمی کی ضرورت پڑتی ہے اور عورت اس سلسلہ میں کمزور واقع ہوئی ہے۔ اسی طرح اس وزارت کے تحت کام کرتے ہوئے باہر نکلنا پڑتا ہے اور لوگوں کے سامنے آنا پڑتا ہے اور یہ بات عورتوں کے لئے ممنوع قرار دی گئی ہے''(۲۸۵)۔

امام الفراء نے امام الماوردی کا مذکورہ بالا قول نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے(۲۸۶)۔

النظام الإسلامی وفی النظم الدستوریۃ المعاصرۃ، ایڈیشن اول، ۱۴۰۱ھ، ۱۹۸۱۔

(۲۸۴) دیکھئے: الفراء، الأحکام السلطانیۃ، ص ۳۱۔

(۲۸۵) الماوردی، الأحکام السلطانیۃ، ص: ۲۷۔

(۲۸۶) دیکھئے: الفراء، الأحکام السلطانیہ، ص: ۳۳۔

لہذا ان دونوں حضرات نے اس وزارت کے منصب کو سنبھالنے کے لئے ''مرد ہونا'' بطور بنیادی شرط بیان کیا ہے، لہذا یہ منصب کسی عورت کے سپرد نہیں کیا جاسکتا۔

عورت، منصب وزارت اور اسلامی سیاسی نظام کے بارے میں بحث وتحقیق کرنے والوں کے اس ضمن میں اقوال:

جو لوگ ہمارے زمانہ میں اسلامی سیاسی نظام کے تعلق سے بحث وتحقیق کر رہے ہیں، ان کے یہاں اس سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا عورت منصب وزارت پر سرفراز ہوسکتی ہے یا نہیں۔ اس سلسلہ میں دو اقوال پائے جاتے ہیں:

پہلا قول: ان حضرات کا کہنا ہے کہ عورت وزارت کے منصب پر سرفراز ہوسکتی ہے، کیونکہ وزارت کا تعلق ولایت کبری سے نہیں ہے جو کہ عورتوں کے لئے جائز نہیں ہے۔ بلکہ وزارت میں عورت کی شرکت ایسی ہے جیسے دیگر معاشرتی امور ومعاملات میں اس کی شرکت، اور معاشرتی امور میں عورت کو شرکت کی اجازت دی گئی ہے (۲۸۷)۔

دوسرا قول: ان حضرات کا خیال ہے کہ عورت منصب وزارت پر سرفراز نہیں ہوسکتی ہے، کیونکہ ایسی صورت میں اسلامی احکام کی مخالفت لازم آتی ہے، شریعت نے عمومی ولایت کا حق صرف مردوں کو ہی دیا ہے (۲۸۸)۔

---

(۲۸۷) دیکھئے: زینب الغزالی، ھموم المرأۃ المسلمۃ والداعیۃ، ابن الہاشمی، دار الاعتصام، قاہرہ، ص: ۲۴۲۔ حافظ محمد انور، ولایۃ المرأۃ، ص: ۱۶۷ و ۱۶۸۔ عبد الحمید الشورابی، الحقوق السیاسیۃ للمرأۃ فی الإسلام، ص ۶۰۔ المرأۃ بین الشرع والقانون، ص: ۳۴ و ۳۵۔ عبد الحمید الأنصاری، الشوری وأثرہ فی الدیمقراطیۃ، ص ۳۲۰۔

(۲۸۸) دیکھئے: محمد عبد القادر ابو فارس، حقوق المرأۃ المدنیۃ والسیاسیۃ فی الإسلام، ص: ۱۸۹ و ۱۹۰۔ فتوی لجنۃ الأزہر، ص: ۲۴، مطبوعہ حکم الإسلام فی ترشیح انتخاب المرأۃ۔ محمد ضیاء الدین الریس، النظریات السیاسیۃ فی الإسلام، دار التراث، قاہرہ، ایڈیشن ۷، ۱۹۷۹ء، ص ۲۴۵ و ۲۵۳۔ حمد الکبیسی، رأی الإسلام فی

راجح قول:

وزارت کا مفہوم موجودہ دور میں تبدیل ہو چکا ہے۔ زمانہ ماضی میں وزارت کا مفہوم کچھ اور تھا۔ موجودہ دور میں مختلف اور متعدد وزارتیں پائی جاتی ہیں۔ ہر وزارت کا تعلق کسی ایک مخصوص شعبہ اور گوشہ سے ہوتا ہے، دوسری وزارتیں اس وزارت سے مختلف ہوتی ہیں، لہذا وزارت کی نوعیت کے پیش نظر اس سلسلہ میں حکم لگایا جائے گا۔ اگر کوئی وزارت ایسی ہو جو عورت کی طبیعت اور مزاج سے مطابقت رکھتی ہو تو ایسی وزارت عورت کے سپرد کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ اس منصب وزارت کے سنبھالنے میں اسلامی وشرعی اصول وضوابط کی خلاف ورزی نہ ہو رہی ہو۔

مثال کے طور پر ہم وزارت برائے تعلیم اور وزارت برائے معاشرتی امور کو لے لیں، ان دونوں ہی وزارتوں کا تعلق مرد سے زیادہ عورت سے ہوتا ہے۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ اس بات کا فیصلہ ولی امر اور حکمراں ہی کرے گا۔ ان وزارتوں کو عورتوں کے سپرد کرنے کی صورت میں اگر اسے ملک کی بھلائی وخیر خواہی نظر آرہی ہو اور تعلیم کا مستقبل بہتر نظر آرہا ہو تو وہ ایسا فیصلہ لے سکتا ہے۔ البتہ جو وزارتیں داخلی وخارجی سیاست، فوجی اور عدالتی امور سے متعلق ہیں اور جن میں از حد دانشمندی، مشقتوں کو برداشت کرنے کی قوت اور مختلف امور کا جائزہ لینے کی ضرورت رہتی ہے، انہیں خواتین کے سپرد نہیں کیا جاسکتا ہے۔

إشراک المرأة فی مؤسسات الشوری، الحضارة الإسلامیة میگزین، عمان، ۱۴۰۷ھ، ۱۹۸۶ء، ص ۴۰۔
الفراء، الأحکام السلطانیة، تعلیق: محمد حامد الفقی، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء ص: ۳۱۔

مبحث ششم:

قضاء کا عہدہ سنبھالنے سے متعلق عورت کا حق

قضاء کی تعریف:

قضاء کی لغوی تعریف:

زہری لکھتے ہیں: کسی چیز کے منقطع ہوجانے اور ختم ہوجانے کو لغت میں قضاء کہتے ہیں۔اس لفظ کا استعمال ''فیصلہ کرنے'' کے معنی میں بھی کیا جاتا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:''**ولو لا كلمة سبقت من ربک إلى أجل مسمى لقضى بينهم**''(۲۸۹)۔کہا جاتا ہے: **قضى القاضي بين الخصوم**،یعنی قاضی نے مخالفین کے درمیان فیصلہ کردیا(۲۹۰)۔

قضاء کی اصطلاحی تعریف:

معاصر عالم دین ڈاکٹر مسعود آل دریب نے قضاء کی تعریف اس طرح کی ہے:

''جن دنیاوی امور میں نزاع ہوگیا ہو ان میں (خصوصی طور پر) کسی ایسے شخص کی جانب سے شرعی حکم کا اظہار کرنا جسے ولایت حاصل ہو، مثلاً چند لوگوں کے درمیان اتفاق کرانا یا جھگڑے کا قطعی فیصلہ سنانا(۲۹۱)۔

علامہ جرجانی اپنی کتاب التعریفات میں لکھتے ہیں:''... **القضاء على الغير** کے

---

(۲۸۹) الشوری:۱۲۔

(۲۹۰) دیکھئے:لسان العرب،۱۱/۲۰۹و۲۱۰۔

(۲۹۱) دیکھئے:سعود آل دریب،التنظیم القضائی فی المملکۃ العربیۃ السعودیۃ فی ضوء الشریعۃ الإسلامیۃ ونظام السلطۃ القضائیۃ،ڈاکٹریٹ،امام محمد بن سعود یونیورسٹی،ریاض،۱۴۰۲ھ،ص ۵۴و۶۳۔

معنی ہیں: کسی پر ایسی بات لازم قرار دینا جو پہلے سے لازم نہیں تھی۔ اسی طرح **القضاء فی الخصومة** کے معنی ہیں: لڑائی جھگڑے میں اُس بات کا اظہار کرنا جو ثابت ہو'' (۲۹۲)۔

مجید محمود ابو حجیر نے قضاء کے تعلق سے مختلف فقہاء کی تعریف کو نقل کرنے کے بعد خود اس کی تعریف اس طرح کی ہے (۲۹۳): ''...میرا خیال ہے کہ لفظ قضاء اس مفہوم کے گرد گردش کرتا ہے: جس شخص کو دو یا دو سے زائد جھگڑا کرنے والوں کے درمیان شرعی احکام کی روشنی میں حکم صادر کرنے کا اختیار حاصل ہو، اس کی جانب سے جھگڑے کا فیصلہ کیا جانا'' (۲۹۴)۔

عورت اور قضاء کا عہدہ سنبھالنے کے تعلق سے فقہاء کے اقوال:

عورت قضاء کا عہدہ سنبھال سکتی ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں تین طرح کے اقوال ملتے ہیں:

پہلا قول:

یہ قول مذہب مالکی (۲۹۵)، مذہب شافعی (۲۹۶) اور مذہب حنبلی (۲۹۷) کے جمہور

---

(۲۹۲) الجرجانی، التعریفات، ص ۱۸۵۔

(۲۹۳) دیکھئے: الکاسانی، بدائع الصنائع، ۷/۲۔ حاشیة الدسوقی، ۴/۱۲۹ و ۱۳۰۔ مغنی المحتاج ۴/۲۷۳۔ ابن مفلح، المبدع ۱۰/۳۔

(۲۹۴) مجید محمود ابو حجیر، المرأة والحقوق السیاسیة فی الإسلام، مکتبة الرشد، ریاض، ایڈیشن اول، ۱۴۱۷ھ، ۱۹۷۷ء ص: ۳۳۱۔

(۲۹۵) ابن فرحون، تبصرة الحکام، دار الکتب العلمیة، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۳۰۱ھ، ۱/۱۸۔ الحطاب، مواہب الجلیل، مکتبة النجاح، طرابلس، ۶/۸۷ و ۸۸۔ حاشیة الدسوقی، ۴/۱۱۵۔

(۲۹۶) الہیثمی، تحفة المحتاج ۱۰/۱۰۶۔ النووی، المجموع، مطبعة دار الفکر، ۲۰/۱۲۷۔

(۲۹۷) ابن قدامہ، الکافی، ۴/۴۳۳۔ ابن قدامہ، المغنی ۱۱/۳۸۰۔ ابن مفلح، الفروع، عالم الکتب، ایڈیشن ۴، ۱۴۰۵ھ، ۶/۴۲۱۔

فقہاء اور مذہب حنفی کے امام زفر (۲۹۸) کا ہے۔

ان حضرات کا کہنا ہے کہ عورت کو قضاء کے عہدہ پر نہیں بٹھایا جاسکتا ہے۔ ان لوگوں کے یہاں منصب قضاء کے لئے بنیادی شرط ''مرد ہونا'' ہے، کیونکہ یہ حضرات منصب قضاء کو امامت عظمی کے مثل مانتے ہیں۔ اگر عورت کو یہ منصب دے دیا جائے تو منصب دینے والا گنہگار ہوگا، عورت کی یہ ولایت باطل ہوگی اور اس کے احکام نافذ نہیں کئے جائیں گے۔

جمہور فقہاء کے دلائل:

اس سلسلہ میں جمہور فقہاء نے قرآن، حدیث، اجماع، اور قیاس سے دلائل دیئے ہیں:

۱-قرآن کریم:

الف- اللہ کا ارشاد ہے: ''**الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما أنفقوا من أموالهم**'' (۲۹۹) (مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بناء پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں)۔

وجہ استدلال:

مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قوامیت صرف مردوں ہی کو حاصل ہے۔ اس آیت میں حصر کے معنی پائے جارہے ہیں۔ عربی زبان کے قواعد کی رو سے جب مبتدا ''الف لام جنس'' کے ذریعہ معرفہ بنایا گیا ہو تو اس کی خبر میں حصر کے معنی پیدا ہوجاتے ہیں، البتہ اس میں

---

(۲۹۸) الموصلی، الاختیار، ۲/ ۸۴۔ المرصفاوی، نظام القضاء فی الإسلام، إدارۃ الثقافۃ والنشر، امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی، ریاض، ۱۴۰۴ھ، ص ۲۴۔

(۲۹۹) النساء: ۳۴۔

اضافی حصر ہے، یعنی یہ حصر عورتوں کے تعلق سے ہے، یعنی قوامیت صرف مردوں ہی کو عورتوں پر حاصل ہے، اس کے برعکس عورتوں کو مرد پر قوامیت حاصل نہیں ہے(۳۰۰)۔

ب- اللہ کا ارشاد ہے: "وللرجال علیھن درجة" (۳۰۱) (البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے)۔

وجہ استدلال:

اللہ تعالی نے مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ زیادہ عطا کیا ہے، اگر عورت کو قضاء کا عہدہ دیا جائے تو اس آیت کی مخالفت لازم آئے گی، کیونکہ قاضی کو جو ایک درجہ بلندی حاصل ہوتی ہے، وہ اسی درجہ کا استعمال کر کے دو جھگڑا کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے، اس طرح قاضی قضاء کے میدان میں دیگر مردوں وعورتوں سے بڑھ کر ہوتا ہے(۳۰۲)۔

لیکن میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں صراحتاً یا کنایتاً کسی بھی طرح سے عورت کی جانب سے قضاء کا عہدہ سنبھالنے کا کوئی حکم بیان نہیں کیا گیا ہے، البتہ جو لوگ عورت کو قضاء کا عہدہ سنبھالنے سے منع کرتے ہیں وہ ان آیات سے حکم مستنبط کرتے ہیں۔

۲- حدیث نبوی:

پہلے قول کے قائلین احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں، اس سلسلہ کی سب سے مشہور حدیث جو بطور دلیل پیش کی جاتی ہے، یہ ہے: حضرت ابوبکرہؓ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا کہ اہل فارس نے کسری کی بیٹی کو اپنا حکمراں بنالیا ہے تو آپ ﷺ نے

---

(۳۰۰) دیکھئے: المرصفاوی، نظام القضاء فی الإسلام، ص: ۲۷۔

(۳۰۱) البقرہ: ۲۲۸۔

(۳۰۲) الکبیسی، رأی الإسلام فی إشراک المرأة فی موسسة الشوری، الحضارة الإسلامیة میگزین، ص: ۴۲-۴۳۔

فرمایا:"لن یفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة"(۳۰۳)۔

وجہ استدلال:

اس مسئلہ میں یہ حدیث بہت اہم ہے۔فقہاء نے عورتوں سے متعلق بہت سے احکام کی بنیاد اسی حدیث پر رکھی ہے،ان حضرات کا خیال ہے کہ اگر عورت کو قضاء کا عہدہ دیا گیا تو یہ ناکامی کا باعث ہوگا،وہ قوم کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتی جو کسی عورت کو قضاء کے عہدہ پر بٹھاتی ہے۔

حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں،دو قسم کے قاضی جہنم میں جائیں گے اور ایک قسم کا قاضی جنت میں جائے گا،جو مرد فیصلہ کرنے میں ظلم کرے گا وہ جہنم میں جائے گا''(۳۰۴)۔

وجہ استدلال:

اللہ کے رسول ﷺ نے قضاء کو مردوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے،مذکورہ بالا حدیث میں آپ ﷺ نے عورتوں کا ذکر نہیں کیا ہے،اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قضاء کے لئے لازمی شرط''مرد ہونا'' ہے،اگر عورتوں کے لئے منصب قضاء جائز ہوتا تو آپ ﷺ نے

(۳۰۳) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب کتاب النبی ﷺ إلی کسری وقیصر،ص: ۳۶۳،حدیث: ۴۴۲۵، باب الفتن نمبر (۱۸)، حدیث: ۷۰۹۹۔ جامع الترمذی، کتاب الفتن، باب ۶۴، ۵۴۱/۶،حدیث:۲۳۶۵۔

(۳۰۴) ابن ماجہ، کتاب الأحکام، باب یجتہد فیصیب الحق، ۹۳/۳، حدیث ۲۳۱۵/ ۲۔ ابوداؤد، کتاب الأقضیۃ،(۲) باب القاضی یخطئ، ۱۵۴۶/۳، حدیث ۳۵۷۳، ابوداؤد نے حدیث بریدہ کے تعلق سے لکھا ہے: وہذا أصح شیئ فیہ''۔ علامہ البانی نے الارواء میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، ۲۳۵/۸،حدیث ۲۶۱۴۔

اسے ضرور بیان فرمایا ہوتا۔

۳-اجماع:

فقہاء کے درمیان اس سلسلہ میں اجماع پایا جاتا ہے کہ عورت کو قضاء کا عہدہ نہیں دیا جاسکتا ہے۔جن چند فقہاء نے اس سے اختلاف کیا ہے،ان کا اعتبار نہیں ہے۔الماوردی نے اپنی کتاب الاحکام السلطانیۃ میں تحریر کیا ہے:''ابن جریر طبری نے اس سلسلہ میں اختلاف کرتے ہوئے عورت کو قضاء کا عہدہ دینے کی اجازت دی ہے۔یہ بات ملحوظ رہے کہ اگر کوئی قول اجماع کے خلاف ہو تو اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے''(۳۰۵)۔

لیکن میرا یہ خیال ہے کہ کسی ایسے مسئلہ میں اجماع کا حکم نہیں لگایا جاسکتا جس میں اختلاف پایا جاتا ہو،اس مسئلہ میں ابن جریر نے اختلاف کیا ہے،احناف کے یہاں بھی اس طرح کا قول موجود ہے۔

۴-قیاس:

جس طرح عورت کے لئے امامت عظمی جائز نہیں ہے،اسی طرح اس کے لئے قضاء بھی جائز نہیں ہے،کیونکہ دونوں ہی''ولایت''ہیں۔عورت اپنی انوثت،عقل میں نقص اور رائے کی کمزوری کے سبب امامت عظمی کا عہدہ نہیں سنبھال سکتی ہے،بالکل اسی طرح انہی علتوں کے سبب ایک عورت قضاء کا عہدہ بھی نہیں سنبھال سکتی(۳۰۶)۔

---

(۳۰۵) الاحکام السلطانیۃ،ص:۵۶۔

(۳۰۶) الماوردی،أدب القاضی،تحقیق:محیی ہلال السرحان،مطبعۃ الإرشاد،احیاء التراث الإسلامی،بغداد، ۱۳۹۱ھ،۱۹۷۱ء ۱/۶۲۸۔ابن رشد،بدایۃ المجتہد ۲/۵۳۱۔حافظ محمد انور،ولایۃ المرأۃ فی الفقہ الإسلامی،ص:۲۳۷۔

دوسرا قول:

یہ قول ابن حزم الظاہری (۳۰۷) اور ابن جریر الطبری (۳۰۸) کا ہے۔

ان حضرات کا خیال ہے کہ منصب قضاء کے لئے ''مرد ہونا'' شرط نہیں ہے۔ ابن حزم لکھتے ہیں: ''عورت کو فیصلہ کرنے کی ولایت سونپنا جائز ہے، یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ کے تعلق سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کی ایک خاتون حضرت شفاؓ کو بازار کی ذمہ داری سونپی تھی'' (۳۰۹)۔

ان حضرات کے دلائل:

ان حضرات کے دلائل ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں:

۱- شرعی اصول یہ ہے کہ اصلاً ساری چیزیں مباح ہیں، تا آنکہ کسی چیز کی ممانعت کے سلسلہ میں کوئی دلیل قائم ہو جائے، لہذا جو شخص بھی لوگوں کے درمیان فیصلہ کر سکتا ہے، اس کا حکم جائز ہے اور وہ قضاء کے عہدہ پر متمکن ہو سکتا ہے (۳۱۰)۔ چونکہ عورت نزاعات میں فیصلہ سنانے پر قدرت رکھتی ہے، لہذا وہ قضاء کا عہدہ سنبھال سکتی ہے، دلائل کو سمجھنے اور حکم صادر کرنے میں اس کی انوثت حائل نہیں ہو سکتی (۳۱۱)۔

۲- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ

---

(۳۰۷) ابن حزم، المحلی بالآثار، ۸/ ۵۲۸۔

(۳۰۸) دیکھئے: الماوردی، أدب القاضی، تحقیق: محیی ہلال السرحان، ۱/ ۶۲۶۔ ابن قدامہ، المغنی، ۱۱/ ۳۸۰۔

(۳۰۹) ابن حزم، المحلی بالآثار، ۸/ ۵۲۷ و ۵۲۸۔

(۳۱۰) دیکھئے: ابن رشد، بدایۃ المجتہد ۲/ ۵۳۱۔ حافظ محمد انور، ولایۃ المرأۃ فی الفقہ الإسلامی، ص: ۴۱۔

(۳۱۱) دیکھئے: المرصفاوی، نظام القضاء فی الإسلام، ص: ۳۲۔

کہتے ہوئے سنا: ''تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا، امام نگہبان ہے، اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے، اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے، اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ خادم اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا'' (۳۱۲)۔

وجہ استدلال:

نبی کریم ﷺ نے مذکورہ بالا حدیث میں یہ کہا ہے کہ عورت اپنی رعیت کی ذمہ دار ہے۔ چونکہ عورت اپنے شوہر اور گھر کی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دے سکتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قاضی بھی بن سکتی ہے۔ اس جگہ درحقیقت عمومی ولایت کو خصوصی ولایت پر قیاس کیا گیا ہے (۳۱۳)، اور میرا خیال ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے اور یہ درست نہیں ہے۔

۳- قیاس: یہ حضرات قضاء کو افتاء پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب عورت مفتی بن سکتی ہے تو وہ قاضی بھی بن سکتی ہے (۳۱۴)، کیونکہ قضاء اور افتاء دونوں ہی میں حکم کی خبر دی جاتی ہے۔

ہم ان حضرات سے کہتے ہیں: یہ قیاس مع الفارق ہے، افتاء کسی بھی شکل میں قضاء پر منطبق نہیں ہوتا ہے۔

علامہ ابن جریر طبریؒ کی جانب منسوب قول کی تردید کرتے ہوئے قاضی ابوبکر ابن عربی

---

(۳۱۲) بخاری، کتاب الجمعۃ، باب الجمعۃ فی القری والمدن، ص: ۷۰، حدیث ۸۹۳۔ مسلم، کتاب الإمارۃ، باب فضیلۃ الإمام العادل وعقوبۃ الجائر، ص: ۱۰۰۵، حدیث ۴۷۲۴۔

(۳۱۳) دیکھئے: شوکت علیان، السلسلۃ القضائیۃ، ص: ۱۱۸۔

(۳۱۴) دیکھئے: ابن قدامۃ، المغنی ۱۱/ ۳۸۰۔ الماوردی، ادب القاضی، ۱/ ۶۲۶۔ شوکت علیان، السلسلۃ القضائیۃ، دار الرشید، ریاض، ایڈیشن اول، ۱۴۰۲ھ، ۱۹۸۲ء، ص ۱۱۹۔

لکھتے ہیں:

''محمد بن جریر طبری کے تعلق سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ وہ عورت کو قاضی بننے کی اجازت دیتے ہیں، حالانکہ یہ بات ان کی طرف منسوب کرنا درست نہیں ہے۔ شاید یہ بات ان کی طرف اسی طرح منسوب ہے جس طرح امام ابوحنیفہؒ کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ عورت جن امور میں شہادت دے سکتی ہے وہ ان میں قضاء کی ذمہ داری بھی نبھا سکتی ہے۔ وہ علی الاطلاق قاضی نہیں ہوسکتی ہے۔ نہ ہی کسی عورت کے لئے یہ منشور لکھا جاسکتا ہے کہ وہ حکم صادر کرے گی، اس کا طریقہ تو تحکیم اور ''ایک ہی مسئلہ میں وضاحت'' ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور علامہ ابن جریرؒ کے بارے میں یہی خیال کیا جاسکتا ہے'' (۳۱۵)۔

تیسرا قول:

یہ قول امام زفر کے علاوہ دیگر احناف (۳۱۶) اور بعض مالکی حضرات (۳۱۷) کا ہے۔

ان حضرات کا کہنا ہے کہ جن امور و معاملات میں عورت کی شہادت معتبر ہے وہ ان امور و معاملات میں قضاء کی ذمہ داری بھی نبھا سکتی ہے۔ احناف کے یہاں عورت کی شہادت حدود اور قصاص کے علاوہ تمام دیگر امور و معاملات میں معتبر ہے۔ مالکی حضرات کے یہاں عورت کی شہادت اموال اور ان امور و معاملات میں معتبر ہے جن سے مرد واقف نہیں ہوتا مثلاً ولادت اور عورتوں کے باطنی عیوب وغیرہ، لہذا مالکی حضرات کے یہاں عورت صرف ان ہی امور میں

(۳۱۵) ابن عربی، احکام القرآن، تحقیق: علی محمد البجاوی، مطبعۃ عیسی البابی الحلبی، قاہرہ، ایڈیشن ۲، ۱۳۸۷ھ، ۳/ ۱۴۴۴۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن ۱۳/ ۱۸۳۔

(۳۱۶) دیکھئے: الکاسانی، بدائع الصنائع، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۷/ ۲ و ۳۔ المرغینانی، الہدایۃ، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۳/ ۱۰۷۔ ابن ہمام، شرح فتح القدیر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ایڈیشن اول، ۱۳۸۹ھ، ۱۹۷۰ء، ۷/ ۱۰۷۔

(۳۱۷) الحطاب نے مواہب الجلیل میں بیان کیا ہے کہ یہ مالکی فقیہ ابن قاسم ہیں ۶/ ۸۷۔

قضاء کی ذمہ داری ادا کرسکتی ہے۔

علامہ الماوردی لکھتے ہیں: ''امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے: عورت ان امور ومعاملات میں قضاء کی ذمہ داری ادا کرسکتی ہے جن امور ومعاملات میں اس کی شہادت معتبر ہے، البتہ جن امور ومعاملات میں اس کی شہادت معتبر نہیں ہے ان امور میں وہ قضاء کی ذمہ داری ادا نہیں کرسکتی ہے''(۳۱۸)۔

علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: ''امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ جن امور میں عورت کی شہادت معتبر ہے وہ ان امور میں حکم صادر کرسکتی ہے''(۳۱۹)۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: ''امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ عورت حدود کے علاوہ دیگر امور میں قاضی ہوسکتی ہے''(۳۲۰)۔

ان علماء کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کے یہاں قاضی ہونے کے لئے ''مرد ہونا'' شرط نہیں ہے، ان حضرات نے یہ بات حنفی کتابوں کی بعض عبارتوں سے اخذ کیا ہے(۳۲۱)۔

علامہ کاسانی اپنی کتاب بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں: ''تقلید کے جواز کے لئے ''مرد ہونا'' شرط نہیں ہے، کیونکہ عورت منجملہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی شہادت معتبر ہے، البتہ حدود اور قصاص کے سلسلہ میں وہ فیصلہ نہیں کرسکتی ہے، کیونکہ ان دونوں مسائل میں اس کی شہادت معتبر نہیں ہے، اور قضاء کی اہلیت شہادت کی اہلیت کے گرد گردش کرتی ہے''(۳۲۲)۔

شرح فتح القدیر میں مذکور ہے: ''مرد ہونا'' صرف حدود اور قصاص میں قضاء (فیصلہ)

---

(۳۱۸) الماوردی، الأحکام السلطانیۃ، ص ۶۵۔ ادب القاضی، تحقیق: محیی ہلال السرحان، ۱/ ۶۲۶۔

(۳۱۹) فتح الباری ۷/ ۳۵۷۔

(۳۲۰) ابن قدامۃ، المغنی ۱۱/ ۳۸۰۔

(۳۲۱) حافظ محمد انور، ولایۃ المرأۃ فی الفقہ الإسلامی، ص: ۲۲۳۔

(۳۲۲) کاسانی، بدائع الصنائع ۷/ ۳۲۲۔

کرنے کے لئے لازمی شرط ہے، عورت ان دونوں امور کے علاوہ بقیہ تمام امور میں قضاء کی ذمہ داری ادا کرسکتی ہے'' (۳۲۳)۔

ان حضرات کے دلائل:

حدود اور قصاص کے علاوہ دیگر امور میں عورت کو قضاء کی ذمہ داری ادا کرنے کی اجازت دینے کے سلسلہ میں احناف مندرجہ ذیل دلائل دیتے ہیں:

۱- چونکہ عورت حدود اور قصاص کے علاوہ دیگر امور میں شہادت دے سکتی ہے، لہذا وہ ان دونوں امور کے علاوہ دیگر امور میں قضاء کی ذمہ داری بھی ادا کرسکتی ہے۔ حصکفی لکھتے ہیں: ''جو لوگ شہادت کے اہل ہیں وہ قضاء کے بھی اہل ہیں۔ قضاء کی اہلیت کے لئے وہی شرائط ہیں جو شہادت کی اہلیت کے لئے ہیں۔ دونوں ہی کا تعلق ''ولایت'' سے ہے۔ یہ بات ملحوظ رہے کہ شہادت زیادہ قوی ہے، کیونکہ شہادت قاضی کو پابند بناتا ہے جبکہ قضاء نزاع سے متعلق افراد کو پابند بناتا ہے'' (۳۲۴)۔

اس دلیل پر گفتگو کرتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے کہ شہادت کی ولایت قضاء کی ولایت سے مختلف ہے۔ جزئی امور میں شہادت ''خصوصی ولایت'' کے زمرہ میں آتی ہے۔ جبکہ عمومی امور میں قضاء ''عمومی ولایت'' کے زمرہ میں آتا ہے۔ شہادت ''حق ظاہر کرنے'' کو کہتے ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک کی اہلیت دوسرے کی اہلیت سے مختلف ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک عام جاہل انسان جس کی شہادت معتبر ہوتی ہے، قضاء کا بھی اہل قرار پاجاتا'' (۳۲۵)۔

---

(۳۲۳) کمال بن ہمام، شرح فتح القدیر، ۷/ ۲۵۳۔

(۳۲۴) الدر المختار مع حاشیۃ ابن عابدین ۵/ ۳۵۴ و ۳۵۵۔

(۳۲۵) دیکھئے: المرصفاوی، نظام القضاء فی الإسلام، ص ۲۳۴۔ الطریفی، القضاء فی عہد عمر، ایڈیشن اول، ۱۴۰۶ھ، ۱۹۸۶ء، ۱/ ۲۲۳۔

مسلک حنفی کا خلاصہ:

مذکورہ بالا مسئلہ کے سلسلہ میں مسلک حنفی کا خلاصہ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

۱- احناف نے قضاء کی اہلیت کے لئے وہی شرائط بیان کئے ہیں جو شہادت کی اہلیت کے لئے ہیں۔ چونکہ عورت حدود اور قصاص کے علاوہ دیگر امور میں شہادت دے سکتی ہے، لہذا وہ ان دونوں امور کے علاوہ دیگر امور میں قضاء کی ذمہ داری بھی ادا کرسکتی ہے۔ اس طرح انہوں نے ایک جگہ اس مسئلہ کو مطلق چھوڑ دیا ہے، اور دوسری جگہ مقید کردیا ہے۔ لہذا عورت کی قضاء کو جائز کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر اسے ولایت مل جاتی ہے یا دو لوگ اپنے جھگڑے میں اسے حکم بنالیتے ہیں تو اس وقت اس کا حکم نافذ کیا جائے گا، لیکن درحقیقت اسے منصب قضاء کی ذمہ داری دینا درست نہیں ہے، اسے منصب قضاء پر بٹھانے والا گنہگار ہوگا۔

۲- احناف کے یہاں اس سلسلہ میں جو نصوص مطلق ہیں، انہیں مقید پر محمول کیا جائے گا۔ جب احناف عورت کے قضاء کے جواز کی بات کہتے ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ مسئلہ اس وقت جائز ہے جب عورت کو ولی امر یہ ذمہ داری سونپے، حالانکہ وہ اس سلسلہ میں گنہگار ہوگا، اب اگر یہ عورت حدود وقصاص کے علاوہ کسی اور مسئلہ میں قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ کرتی ہے تو اس کا حکم نافذ کیا جائے گا، صرف اطلاق کی جانب دیکھ کر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ احناف نے عورت کو منصب قضاء کی ذمہ داری سنبھالنے کی اجازت دی ہے۔

۳- اسی طرح احناف نے قضاء اور تولیت کے درمیان فرق کیا ہے، انہوں نے اس مسئلہ کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

قضاء اور تولیت: احناف نے ایک کو دوسرے سے مختلف قرار دیا ہے، لہذا وہ اس بات کی اجازت تو دیتے ہیں کہ عورت قضاء کی ذمہ داری نبھائے، لیکن وہ تولیت (یعنی کسی منصب وعہدہ سے سرفراز کرنا) کی اجازت نہیں دیتے ہیں، لہذا قضاء کی اجازت دینے سے تولیت کا جواز لازم نہیں آتا ہے۔

۴- احناف نے ''مرد ہونے'' کی شرط کو ''شرط جواز'' قرار دیا ہے، نہ کہ ''شرط صحت''۔ لہذا قضاء کا منصب تو صرف ایک مرد ہی سنبھال سکتا ہے، لیکن اگر کوئی عورت حدود اور قصاص کے علاوہ کسی مسئلہ میں فیصلہ کرتی ہے، تو اس کا فیصلہ درست ہوگا اور اس کے حکم کو نافذ کیا جائے گا۔

۵- اس طرح عورت کو قضاء کی ذمہ داری دینے کو ممنوع قرار دینے کے سلسلہ میں احناف جمہور فقہاء کے ساتھ ہیں، البتہ انہوں نے عورت کے حکم کے نفاذ کے سلسلہ میں جمہور امت سے مخالفت کی ہے، کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ اگر عورت قاضی بنا دی جاتی ہے اور وہ حدود وقصاص کے علاوہ کسی اور مسئلہ میں فیصلہ سناتی ہے تو اس کا حکم نافذ کیا جائے گا، البتہ عورت کو یہ منصب دینے والا گنہگار ہوگا'' (۳۲۶)۔

راجح قول:

فقہاء کی آراء اور ان کے دلائل کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو قضاء کا عہدہ دینے کا مسئلہ زمانہ قدیم سے ہی اختلافی رہا ہے۔ بعض فقہاء نے حدود وقصاص کے علاوہ دیگر امور میں عورت کو قاضی بننے کی اجازت دی ہے۔ یہ بات ہمارے زمانہ کے لحاظ سے بہت مناسب ہے۔ کیونکہ اس دور میں معاشرتی مسائل ومشکلات میں بہت اضافہ ہوگیا ہے، ان میں سے بہت سے مسائل شخصی احوال سے متعلق ہوتے ہیں جن کے بارے میں معلومات مرد سے زیادہ عورت کے پاس ہوتی ہیں۔ اسلامی شریعت نے عورت کو دینی امور (جن کی بنیاد حلال وحرام پر ہوتی ہے) میں فتوی دینے کی اجازت دی ہے، تو ہم اسے بندوں کے معاملات میں قضاء کی ذمہ داری ادا کرنے کی اجازت کیوں نہ دیں، خصوصاً اس وقت جبکہ ولی امر کو معلوم ہو کہ عورت اس کام کے کرنے پر قادر ہے۔ البتہ حدود وقصاص سے متعلق مسائل کے لئے مرد

(۳۲۶) حافظ محمد انور، ولایۃ المرأۃ فی الفقہ الإسلامی، ص: ۲۲۸و۲۲۹۔

قاضیوں کا انتخاب کرنا چاہئے، کیونکہ ان میں ثبات قدمی، دانشمندی اور قوت کی ضرورت پڑتی ہے، جبکہ عورت فطری طور پر رقیق القلب اور جذبات سے متصف ہوتی ہے۔عورتوں کے تعلق سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اے عورتوں! تم لوگ صدقہ کیا کرو اور کثرت سے استغفار کیا کرو، میں نے جہنم میں سب سے زیادہ تعداد تم لوگوں ہی کی دیکھی ہے، ان میں سے ایک عورت نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ، جہنم میں ہماری تعداد زیادہ کیوں ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیونکہ تم لوگ بہت زیادہ طعن وتشنیع کرتی ہو اور شوہر کی نافرمانی کرتی ہو، میں نے تم عورتوں سے بڑھ کر عقل ودین میں نقص والی کوئی ایسی شخصیت نہیں دیکھی جو ایک دانشمند مرد کی عقل ودانش پر بھی غالب آجاتی ہو۔ایک عورت نے سوال کیا: ہماری عقل اور دین کا نقص کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جہاں تک عقل میں نقص کی بات ہے تو (تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ) دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے، یہ تو ہوا عقل کا نقص۔ اسی طرح کئی دن گزر جاتے ہیں اور تم نماز نہیں پڑھتی ہو اور رمضان میں روزہ نہیں رکھتی ہو، یہ ہے تمہارے دین کا نقص'' (۳۲۷)۔

مذکورہ بالا حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک عورت اپنے جذبات واحساسات اور محبت کے ذریعہ مرد کی عقل ودانش کو سلب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔عورت تو مردوں کے دلوں کو اپنی جانب مائل کرنے پر قدرت رکھتی ہے، اس طرح عورت ''جذبات واحساسات کی ماں'' ہے۔اس وصف کو بیان کرکے درحقیقت نبی کریم ﷺ نے عورت کی تعریف کی ہے نہ کہ مذمت، جیسا کہ بعض عورتیں سمجھتی ہیں یا بعض مرد اس کا حوالہ دے کر عورتوں کو عار دلاتے ہیں۔اس حدیث میں تو صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت کو کسی بھی ایسی چیز کا مکلّف نہیں بنایا گیا ہے جو اس کے انسانی جذبات سے متعارض ہو، منصب قضاء میں درحقیقت بہت

(۳۲۷) بخاری، کتاب الزکوۃ، باب الزکوۃ علی الاقارب، ص ۱۵، حدیث ۱۴۶۲۔مسلم، کتاب الإیمان، باب نقصان الإیمان بنقص الطاعات، ص: ۶۹۲، حدیث ۲۴۱۔

شدت اور سختی کی ضرورت ہوتی ہے، اور عورت اگر چہ ضعیف العقل نہیں ہے، مگر اس پر جذبات بہت جلد حاوی ہو جاتے ہیں، خصوصاً جب معاملہ قتل وغیرہ جیسے جرائم کا ہو۔

شیخ عبدالعزیز بن بازؒ نے اس ضمن میں جو کچھ تحریر کیا ہے، وہ مجھے بہت پسند آیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''...اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ عورت ہر چیز میں مرد سے کمتر ہے اور مرد ہر چیز میں عورت سے بہتر ہے، البتہ مرد بحیثیت جنس عورتوں سے بحیثیت جنس بہتر ہیں، اور اس کے بھی چند اسباب ہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما أنفقوا من أموالهم**'' (۳۲۸)۔ لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عورت مرد سے بہت سی چیزوں اور باتوں میں بہتر ہوتی ہے، کتنی ہی ایسی عورتیں ہیں جو عقل، دین اور ضبط میں مردوں سے کہیں بہتر اور آگے ہیں۔

بسا اوقات عورتیں بہت کثرت کے ساتھ نیک اعمال کرتی ہیں اور اس طرح عمل صالح، تقوی اور آخرت میں مقام کے لحاظ سے وہ بہت سے مردوں سے کہیں بہتر ہوتی ہیں۔ بعض امور و معاملات سے انہیں خاص دلچسپی ہوتی ہے اور ان میں ان کا ضبط مردوں کے ضبط سے بہت بہتر ہوتا ہے، اور اس طرح اسلامی تاریخ میں ان کو ایک مرجع کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ جو شخص بھی نبی کریم ﷺ اور ان کے بعد کے عہد کی عورتوں کے بارے میں مطالعہ کرے گا اسے یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آجائے گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا یہ نقص روایت اور شہادت میں اس پر اعتماد کرنے کے سلسلہ میں مانع نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی عورت دین پر اچھی طرح سے قائم ہے تو یہ نقص اسے اللہ کی نیک ترین بندیوں کی صف میں شامل ہونے سے روک نہیں سکتا۔ لہذا مومنین کو یہ نہیں کہنا چاہئے کہ عورتوں کی ہر چیز اور ہر بات میں نقص ہے، ان کے دین کا نقص ایک خاص قسم کا نقص ہے، اسی طرح ان کی عقل کا نقص ضبط شہادت سے متعلق

(۳۲۸) النساء: ۳۴۔

ہے۔لہذا عورتوں کے ساتھ انصاف سے کام لینا چاہئے ،اور نبی کریم ﷺ کی حدیث کا اچھا اور بہتر مفہوم مراد لینا چاہئے۔

اسی وجہ سے اسلام نے عورتوں کو ان جگہوں اور مقامات سے محفوظ رکھنا چاہا ہے جہاں اس بات کا امکان ہے کہ وہ ثابت قدم نہ رہ سکیں گی، وہاں کے حالات کو نہ جھیل سکیں گی اور حق و باطل میں تمیز نہ کر سکیں گی، واللہ تعالیٰ أعلم۔

ضمیمه

کویتی خاتون کے سیاسی حقوق کا تاریخی جائزہ

۱-اس ضمن میں سب سے پہلی کوشش اس وقت سامنے آئی جب سماجی کارکن اور تاریخ داں نوریہ السدانی نے **لجنة یوم المرأة العربیة** (کویت) کے صدر کی حیثیت سے پارلیمنٹ میں ایک میمورنڈم پیش کیا۔ ۳؍جنوری ۱۹۷۱ء میں پارلیمنٹ کے صدر نے اس میمورنڈم کو **لجنة الشکاوی والعرائض** کے حوالہ کردیا۔ اس کمیٹی نے میمورنڈم کی تجاویز سے اتفاق کرتے ہوئے اسے پارلیمنٹ میں پیش کردیا۔ تین میٹنگوں اور طویل بحث ومناقشہ کے بعد پارلیمنٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ووٹ دینے اور پارلیمنٹ کی رکنیت کے امیدوار ہونے سے متعلق عورت کے حق کو تسلیم نہیں کرتا ہے۔

۲-دوسری کوشش اس وقت سامنے آئی جب ڈیموکریٹک رکن پارلیمنٹ سالم المرزوق نے ایک ایسا قانون بنانے کی تجویز پیش کی جس کے تحت پڑھی لکھی کویتی خواتین کو ووٹ دینے کا حق دیا جائے، یہ واقعہ ۱۱؍دسمبر ۱۹۷۲ء کا ہے۔

۳-۱۹۷۵ء میں ارکان پارلیمنٹ جاسم القطامی اور راشد الفرحان نے ایسا پہلا تفصیلی مسودہ قانون پیش کیا، جس میں کویتی خاتون کو مکمل سیاسی حقوق دیئے گئے تھے، یعنی ووٹ دینے کا حق اور انتخابات میں بطور امیدوار کھڑے ہونے کا حق۔

۴-۱۹۸۲ء میں رکن پارلیمنٹ احمد اللطیم نے ''قانون انتخابات'' کے پہلے آرٹیکل میں تبدیلی کرنے اور عورت کے حق کا اعتراف کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس تجویز پر پارلیمنٹ میں ۱۹؍جنوری ۱۹۸۲ء میں بحث ہوئی، ۷؍اراکین پارلیمنٹ نے اس تجویز کی تائید کی، جبکہ ۲۷؍اراکین نے اس کی مخالفت کی۔

۵-۱۹۸۵ء میں ''قانون انتخابات'' کے پہلے آرٹیکل میں تبدیلی کے موضوع کو دوبارہ سے کھولا گیا۔ پارلیمنٹ کے صدر احمد السعدون نے اس موضوع کو وزارت اوقاف کے ادارہ ہیئۃ الفتوی کے حوالہ کیا۔ هيئة الفتوى نے یہ جواب دیا کہ عورت کا ووٹ دینا اور انتخابات میں خود کو بطور امیدوار پیش کرنا جائز نہیں ہے۔

۶-۱۹۸۶ء میں رکن پارلیمنٹ عبدالرحمٰن الغنیم نے عورت کو ووٹ ڈالنے کا حق دینے کی تجویز پیش کی، لیکن لجنة الشؤون الداخلية نے اس تجویز کو رد کر دیا۔

۷-۱۹۹۲ء میں رکن پارلیمنٹ حمد الجوعان نے عورت کو سیاسی حقوق دینے سے متعلق ایک مسودۂ قانون پیش کیا۔

۸-۱۹۹۴ء میں اراکین پارلیمنٹ علی البغلی، عبدالمحسن جمال، جاسم الصقر اور عبداللہ النیباری نے ایک ایسے قانون کی تجویز پیش کی، جس کے تحت عورت کو انتخابات میں ووٹ ڈالنے اور بطور امیدوار کھڑے ہونے کا حق دینے کی حمایت کی گئی تھی۔

۹-۱۹۹۶ء میں اراکین پارلیمنٹ سامی المنیس اور حسن جوہر نے ایک ایسا قانون بنانے کی تجویز پیش کی جس کے تحت عورتوں کو سیاسی حقوق عطا کئے جائیں۔

۱۰-۱۹۹۷ء میں اراکین پارلیمنٹ صلاح خورشید اور عباس الخضاری نے عورتوں کو سیاسی حقوق دینے کی تجویز پیش کی۔

۱۱-۱۶ رمئی ۱۹۹۹ء (بروز اتوار) کویت کی زندگی کا تاریخی دن ہے، اس دن امیر مملکت مرحوم شیخ جابر احمد الصباحؒ نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ ۲۰۰۳ء کے انتخابات سے پارلیمنٹ کے انتخابات میں ووٹ ڈالنے اور بطور امیدوار کھڑے ہونے سے متعلق عورت کے سیاسی حقوق کو تسلیم کر لیا جائے۔ امیر مملکت کی خواہش کے پیش نظر پارلیمنٹ نے عورت کے کامل حقوق سے متعلق قانون کا ایک مسودہ تیار کیا، لیکن جب پارلیمنٹ میں اس مسودہ قانون پر ووٹنگ کرائی گئی تو اسے زیادہ ووٹ نہ مل سکے۔

۱۲- چھ سال کے بعد ۱۶ رمئی ۲۰۰۵ء میں حکومت کی جانب سے پیش کردہ قانون کی تجویز کی بناپر پارلیمنٹ نے عورتوں کے سیاسی حقوق کو تسلیم کرلیا، اس تبدیلی کے بعد پہلا آرٹیکل کچھ یوں ہوگیا:

''ہر کویتی جس کی عمر مکمل اکیس سال ہو، کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے۔ اس حکم سے قومیت حاصل کرنے والا وہ شخص مستثنی ہے جس کو قومیت حاصل کئے ہوئے ابھی بیس سال نہ ہوئے ہوں، جیسا کہ امیری فرمان نمبر ۱۵ سال ۱۹۵۹ء (جو کہ کویتی قومیت حاصل کرنے سے متعلق قانون ہے) کے آرٹیکل نمبر ۶ میں لکھا ہے۔ عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ انتخابات میں ووٹ ڈالنے اور بطور امیدوار کھڑے ہونے کے عمل کے دوران شریعت اسلامی کے اصول وضوابط اور قواعد کی پابندی کرے'' (۳۲۹)۔

(۳۲۹) دیکھئے: روزنامہ القبس، ۹ ربیع الآخر ۱۴۲۶ھ، ۱۷ رمئی ۲۰۰۵ء، سال ۳۴، عدد ۱۱۷۲، کویت، عنوان: الحقوق الکاملۃ للمرأۃ إنجاز تاریخی لحکومۃ الشیخ صباح۔

خاتمہ

نحمد الله تعالى أن من علينا معرفة شرائع دينه، ونصلي ونسلم على قرة عيني وحبيبي محمد بن عبد الله عليه أفضل الصلاة والسلام، أما بعد!

اس موضوع پر گفتگو کر کے میں ایک فقہی اختلافی مسئلہ کو سامنے لانا چاہتی ہوں، اس کتاب میں اس موضوع کے مؤیدین ومخالفین دونوں ہی کی آراء کو پیش کیا گیا ہے، کتاب کے اختتام میں مندرجہ ذیل اہم نتائج تک میں پہنچی ہوں:

اول: اسلام نے عورت کو وہ مقام ومرتبہ عطا کیا جو اسے سابقہ شریعتوں میں نہیں مل سکا تھا۔ اسلام نے اسے بحیثیت بیٹی، بیوی اور ماں عزت واحترام سے نوازا، اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ ہمیشہ اچھا اور بہتر معاملہ کریں۔

دوم: عورتوں کے بھی اسی طرح حقوق وواجبات ہیں جس طرح مردوں کے حقوق اور واجبات ہیں۔ دونوں ہی حقوق اور واجبات میں مساوی ہیں، الا یہ کہ نسوانی طبیعت وفطرت کے تقاضہ کے تحت چند حقوق اور واجبات میں دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوں، اور یہ بات عورتوں کے لئے عیب اور نقص کی وجہ نہیں ہے بلکہ ان کے لئے باعث شرف ہے۔

سوم: جمہور اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت کو امامت عظمی کا عہدہ نہیں دیا جاسکتا ہے، البتہ بعض حضرات اس کے قائل ہیں کہ عورت خواتین کی نماز باجماعت کی امامت کرسکتی ہے۔

چہارم: بعض فقہاء نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ عورت حمل اور ولادت سے متعلق مسائل (جسے ہم شخصی احوال سے متعلق مسائل بھی کہتے ہیں) میں قضاء کی ذمہ داری ادا

کرسکتی ہے۔ البتہ میں سمجھتی ہوں کہ حدود اور قصاص سے متعلق مسائل میں عورت قاضی نہیں ہوسکتی ہے، کیونکہ اس میں فطرت الٰہی کی مخالفت لازم آئے گی۔ عورت فطری طور پر جذبات سے پُر، محبت کرنے والی اور نیک طبیعت والی واقع ہوئی ہے، لہذا وہ ایسے مسائل میں قاضی نہیں ہوسکتی جو سختی اور شدت کے متقاضی ہوتے ہیں۔

پنجم: حضرت عائشہؓ کا صحابہ کرامؓ کو فتوی دینا اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ عورت مفتی بن سکتی ہے، تاریخ بھی اس بات کی شاہد ہے۔

ششم: عورت ان وزارتوں کا عہدہ سنبھال سکتی ہے جن کا تعلق خارجی امور، ضبط، پولیس اور عالمی و بین الاقوامی سیاست سے نہ ہو۔

ہفتم: بعض فقہاء عورت کو انتخابات میں ووٹ ڈالنے اور بطور امیدوار کھڑے ہونے کی اجازت دیتے ہیں۔ میں ان فقہاء کی رائے سے متفق ہوں۔ البتہ میں نے چند شرعی ضوابط بیان کئے ہیں جن کی پاسداری نہ صرف پارلیمنٹ اور مجلس شوری میں ضروری ہے، بلکہ تمام ملازمتوں میں ضروری ہے، یہ شرعی ضوابط مندرجہ ذیل ہیں:

۱-شرعی لباس کی پابندی۔

۲-مردوں کے ساتھ تنہائی میں نہ ہونا۔

۳-محرم کے بغیر سفر نہ کرنا۔

۴-ملازمت کی وجہ سے عورت کے بنیادی کاموں میں کسی طرح کا خلل واقع نہ ہونا، یہ بنیادی کام ہیں: بچوں کی تربیت، شوہر اور گھر کے امور کا خیال۔

۵-اسلامی اخلاق کی پابندی کرنا اور بہتر انداز سے گفتگو کرنا۔

دیگر لوگوں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عورت کو اپنی طعن وتشنیع کا نشانہ نہ بنائیں، حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے: ''**فإن دمائكم وأموالكم وأعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا فى بلدكم هذا وفى شهركم**

هذا''(۳۳۰)۔

اخیر میں اللہ تعالی سے دعا گوں ہوں کہ وہ میری اس کوشش کو قبول فرمائے، یہ ایک بہت حقیرسی کوشش ہے، اللہ تعالی نیتوں سے بہتر واقف ہے، اور وہی سیدھا راستہ دکھانے والا ہے۔

☆ ☆ ☆

(۳۳۰) مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ، ص:۷۲۶، حدیث ۱۲۱۸۔

مصادر اور مراجع کی فہرست

(۱) الآمدی، الإحکام فی أصول الأحکام، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء۔

(۲) آمنہ فتنت مسیکہ برّ، واقع المرأۃ الحضاری فی ظل الإسلام، الشرکۃ العالمیۃ للکتاب، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۹۹۶ء۔

(۳) ابراہیم رزق اللہ ایوب، التاریخ الرومانی، الشرکۃ العالمیۃ للکتاب، لبنان، ۱۹۹۶ء۔

(۴) ابن ابی شیبہ، المصنف، تحقیق: سعید اللحام، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ، ۱۹۹۴ء۔

(۵) ابن تیمیہ، فتاوی ابن تیمیہ، مطبعۃ فرج اللہ کردی۔

(۶) ابن حجر، تقریب التہذیب، تحقیق: محمد عوامہ، دار الرشید، شام، ایڈیشن ۲، ۱۴۰۸ھ۔

(۷) ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، تحقیق: عبد العزیز بن باز، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹۷ء۔

(۸) ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ایڈیشن ۴، ۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۸ء۔

(۹) ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، دار الریان للتراث، ابواب کی ترتیب: محمد فؤاد عبد الباقی، تصحیح واخراج: محبّ الدین الطیب، مراجعہ: قصی الدین الطیب، قاہرہ، ایڈیشن اول، ۱۴۰۷ھ، ۱۹۸۷ء۔

(۱۰) ابن حزم، المحلی بالآثار، تحقیق: عبد الغفار البندار ی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۸ء۔

(۱۱) ابن حزم الظاہری، الإحکام فی أصول الأحکام، مطبعۃ السعادۃ، قاہرہ، ایڈیشن اول، ۱۳۴۶ھ۔

(۱۲) ابن خزیمہ، صحیح ابن خزیمہ، تحقیق: محمد مصطفیٰ الأعظمی، المکتب الإسلامی، ۱۳۹۵ھ، ۱۹۷۵ء۔

(۱۳) ابن خلکان، وفیات الاعیان، تحقیق: احسان عباس، دار صادر، بیروت۔

(۱۴) ابن رشد، بدایۃ المجتہد، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر۔

(۱۵) ابن سعد، الطبقات الکبری، دار صادر، بیروت۔

(۱۶) ابن عبد البر، الاستیعاب فی أسماء الأصحاب، بہامش الإصابۃ لابن حجر، مطبعۃ السعادۃ، مصر، ایڈیشن اول، ۱۳۲۸ھ۔

(۱۷) ابن عابدین، الدر المختار، دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۹ھ، ۱۹۷۹ء۔

(۱۸) ابن عابدین، شرح تنویر الأبصار، حاشیہ ابن عابدین کے ساتھ شائع شدہ، شرکۃ مطبعۃ ومکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ایڈیشن دوم، ۱۳۸۶ھ، ۱۹۶۶ء۔

(۱۹) ابن عبد البر، الکافی، تحقیق: محمد احمد، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، ریاض، ایڈیشن اول، ۱۳۹۸ھ، ۱۹۷۸ء۔

(۲۰) ابن العربی، أحکام القرآن، تحقیق: علی محمد البجاوی، دار الفکر، بیروت۔

(۲۱) ابن فارس، معجم مقاییس اللغۃ، تحقیق: عبد السلام ہارون، مکتبۃ الخانجی، قاہرہ، ایڈیشن ۳، ۱۴۰۲ھ۔

(۲۲) ابن فرحون، تبصرۃ الأحکام فی أصول الأقضیۃ ومناہج الحکام، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۳۰۱ھ۔

(۲۳) ابن قدامۃ المقدسی، روضۃ الناظر وجنۃ المناظر، مراجعہ: سیف الدین الکاتب، دار الکتاب العربی، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۰۱ھ، ۱۹۸۱ء۔

(۲۴) ابن قدامہ المقدسی، المغنی، تحقیق: عبد الوہاب فاید، طبعۃ المنار، سال ۱۳۴۸ھ۔

(۲۵) ابن قدامہ المقدسی، المغنی، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء۔

(۲۶) ابن قدامہ المقدسی، المقنع، حاشیہ: شیخ سلیمان (شیخ محمد بن عبدالوہاب کے پوتے)، ایڈیشن سوم، قطر، ۱۳۹۳ھ۔
(۲۷) ابن قیم الجوزی، اِعلام الموقعین، تحقیق: محمد عبد السلام، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۱ء۔
(۲۸) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: محمد البنا و دیگر، دار الحدیث، قاہرہ، ایڈیشن اول، ۱۴۰۸ھ، ۱۹۸۸ء۔
(۲۹) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: محمد البنا و دیگر، دار الشعب، مصر۔
(۳۰) ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، تحقیق: خلیل مامون شیحا، دار المعرفۃ، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۶ء۔
(۳۱) ابن مفلح، المبدع، المکتب الإسلامی، ۱۴۰۰ھ، ۱۹۸۰ء۔
(۳۲) ابن المنذر النیسا پوری، الاوسط فی السنن والإجماع والاختلاف، تحقیق: ابوحماد صغیر، دار طیبہ، ریاض، ایڈیشن اول، ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۳ء۔
(۳۳) ابن منظور، لسان العرب، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۳۱۶ھ، ۱۹۹۵ء۔
(۳۴) ابن منظور، لسان العرب، دار بیروت، ۱۳۸۸ھ۔
(۳۵) ابن نجیم، الاشباہ والنظائر مع شرح الحموی، مطبوعہ ادارہ قرآن، کراچی۔
(۳۶) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، تحقیق: سہیل زکار، دار الفکر، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۱۲ھ، ۱۹۹۲ء۔
(۳۷) ابوالاعلی مودودی، تدوین الدستور الإسلامی، مطبعۃ دار الفکر، بیروت۔
(۳۸) ابوالحسین محمد بن علی الطیب المعتزلی، اُصول الفقہ، تقدیم: خلیل المیس، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

(۳۹) ابو داؤد السجستانی، سنن ابی داؤد، تحقیق: عبد القادر عبد الخیر، دار الحدیث، قاہرہ، ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹ء۔
(۴۰) ابو داؤد الطیالسی، مسند ابی داؤد الطیالسی، ایڈیشن اول، دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدرآباد، دکن، ہندوستان، ایڈیشن اول، ۱۳۲۱ھ۔
(۴۱) ابوعمرو عثمان بن الصلاح الشہر زوری، أدب الفتوی وشروط المفتی وصفۃ المستفتی وأحکامہ، تحقیق: رفعت فوزی، مکتبۃ الخانجی، قاہرہ، ایڈیشن اول، ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۲ء۔
(۴۲) ابوعبدالرحمٰن عبدالمجید الجزائری، القواعد الفقہیۃ المستخرجۃ من کتاب إعلام الموقعین، دار ابن عفان للنشر والتوزیع، جیزہ، مصر، ۱۴۲۱ھ۔
(۴۳) ابوالقاسم، التفریع، تحقیق: حسن الدہمانی، دار الغرب الإسلامی، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۰۸ھ۔
(۴۴) ابو الوفاء علی بن عقیل البغدادی الحنبلی، الواضح فی أصول الفقہ، تحقیق: عبد اللہ الترکی، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹ء۔
(۴۵) احمد بن حنبل، مسند احمد، دار الکتاب الحدیث، ایڈیشن اول، ۱۴۱۹ھ، ۱۹۹۵ء۔
(۴۶) احمد بن حنبل، مسند احمد، دار احیاء التراث الإسلامی، بیروت، ۱۴۱۲ھ، ۱۹۹۱ء۔
(۴۷) احمد بن حنبل، مسند احمد، بیت الأفکار الدولیۃ، ریاض، ۱۴۱۹ھ، ۱۹۹۸ء۔
(۴۸) احمد ابراہیم (بک)، احکام المرأۃ فی الشریعۃ الإسلامیۃ، قاہرہ۔
(۴۹) احمد ابراہیم بک، أحکام الوقف والمواریث، المطبعۃ السلفیۃ، قاہرہ، ۱۳۵۵ھ، ۱۹۳۷ء۔
(۵۰) احمد ابراہیم مہنا، الإنسان فی القرآن الکریم، مطبوعات مجمع البحوث الإسلامیۃ۔
(۵۱) احمد الغندور، الأحوال الشخصیۃ فی التشریع الإسلامی، مکتبۃ الفلاح، کویت، ایڈیشن اول، ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۳ء۔

(۵۳) الالبانی، إرواء الغلیل، المکتب الإسلامی، بیروت، ایڈیشن ۲، ۱۴۰۵ھ، ۱۹۸۵ء۔
(۵۴) الألبانی، سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ، المکتب الإسلامی، ایڈیشن ۵، ۱۴۰۵ھ۔
(۵۵) الأمین الحاج محمد احمد، حکم تولی المرأۃ الإمامۃ الکبری والقضاء أو أن تکون قدیرۃ، دار المطبوعات الحدیثۃ، جدہ، ایڈیشن اول، ۱۴۱۰ھ، ۱۹۸۹ء۔
(۵۶) ا.ی.ونسنک، المعجم المفہرس لألفاظ الحدیث، مکتبۃ بریل فی مدینۃ لیدن، ۱۹۳۶ء۔
(۵۷) بخاری، صحیح البخاری، مراجعہ: محمد علی قطب اور ہشام البخاری، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۷ء۔
(۵۸) بدر الدین الزرکشی، الإجابۃ لإیراد ما استدرکتہ عائشۃ علی الصحابۃ، تحقیق: سعید الأفغانی، المکتب الإسلامی، بیروت، ایڈیشن ۴، ۱۹۸۵ء۔
(۵۹) بدر الدین الزرکشی، المنشور فی القواعد، تحقیق: تیسیر فائق محمود، مطبعۃ الأنبیاء، کویت، ایڈیشن ۲، ۱۴۰۵ھ، ۱۹۸۵ء۔
(۶۰) البغدادی، الفرق بین الفرق، تحقیق: محمد محی الدین عبد الحمید، دار المعرفہ، بیروت۔
(۶۱) البغوی، شرح السنۃ، تحقیق: شعیب الأرناؤوط، المکتب الإسلامی، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء۔
(۶۲) البہی الخولی، المرأۃ بین البیت والمجتمع، قاہرہ، د.ن.د.ت۔
(۶۳) تحفۃ المحتاج، شرح المنہاج، ابن حجر الہیثمی، دار صادر، بیروت۔
(۶۴) ترمذی، سنن الترمذی، تعلیق واشراف: عزت عبید الدعاس، مطابع الفجر الحدیثۃ، حمص، ایڈیشن اول، ۱۳۸۷ھ، ۱۹۶۷ء۔
(۶۵) تہذیب التہذیب، مجلۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، ہندوستان، ایڈیشن اول، د.ت۔
(۶۶) جاوید جمال، حکومۃ المرأۃ فی الإسلام، جنگ، لاہور، ایڈیشن اول، ۱۹۹۱ء۔

(٦٧) جمال الدین افغانی، مجموعۃ الأعمال الکاملۃ، جمع وترتیب: محمد عمارۃ، الدار القومیۃ، ایڈیشن، ١٩٨٦ء۔

(٦٨) جمال صادق المرصفاوی، نظام القضاء فی الإسلام، إدارۃ الثقافۃ والنشر، امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی، ریاض، ١٤٠٤ھ۔

(٦٩) الجوینی، غیاث الأمم فی التیاث الظلم، تحقیق: فؤاد عبد المنعم اور مصطفیٰ حلمی، دار الدعوۃ، اسکندریہ، د.ت۔

(٧٠) حافظ محمد انور، ولایۃ المرأۃ فی الفقہ الإسلامی، دار بلنسیۃ للنشر والتوزیع، ریاض، ایڈیشن اول، ١٤٢٠ھ۔

(٧١) الخرشی، حاشیۃ الخرشی وبالہامش حاشیہ العدوی، دار صادر، بیروت۔

(٧٢) الخطیب، أسمی الرسالات، دار الکتاب العربی، مصر، د.ت۔

(٧٣) الدار قطنی، سنن الدار قطنی، تصحیح: عبد اللہ المدنی، دار المحاسن، قاہرہ، ١٣٨٦ھ، ١٩٦٦ء۔

(٧٤) داؤد الباز، الشوری والدیمقراطیۃ النیابیۃ: دراسۃ تحلیلیۃ وتأصیلیۃ لجوہر النظام النیابی ''البرلمان'' مقارنۃ بالشریعۃ الإسلامیۃ، دار النہضۃ العربیۃ۔

(٧٥) الدردیر، الشرح الصغیر مع بلغۃ السالک، شرکۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ١٣٧٢ھ۔

(٧٦) الدسوقی، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، المکتبۃ التجاریۃ الکبری، قاہرہ۔

(٧٧) الرازی، التفسیر الکبیر، دار الکتب العلمیۃ، طہران، ایڈیشن دوم۔

(٧٨) الراغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، تحقیق: محمد سید کیلانی، دار المعرفہ، بیروت۔

(٧٩) رفیع اللہ شہاب، منصب الحکومۃ والمرأۃ المسلمۃ، ایڈیشن لاہور، ١٩٨٩ء۔

(۸۰) الزبیدی، تاج العروس، تحقیق: عبدالعلیم الطحاوی، مطبعۃ حکومۃ الکویت، ایڈیشن دوم، ۱۴۰۷ھ، ۱۹۸۷ء۔
(۸۱) الزرقا، المدخل الفقہی العام، مطبعۃ طربین، دمشق، ایڈیشن ۱۰، ۱۹۸۷ء، ۱۹۶۸ء۔
(۸۲) الزرکشی، البحر المحیط فی أصول الفقہ، تحریر: عبدالقادر العانی، وزارت برائے اوقاف واسلامی امور، کویت، ایڈیشن دوم، ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۲ء۔
(۸۳) زینب الغزالی، ہموم المرأۃ المسلمۃ والداعیۃ، مطبعۃ الاعتصام، قاہرہ۔
(۸۴) سعاد ابراہیم صالح، أحکام عبادات المرأۃ فی الشریعۃ الإسلامیۃ: دراسۃ فقہیۃ مقارنۃ، ایڈیشن ۴، ۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۰ء۔
(۸۵) سعاد ابراہیم صالح، حقوق المرأۃ فی الإسلام، وزارت برائے اوقاف، مصر، ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹۸ء۔
(۸۶) سعید حوی، الإسلام، مکتبۃ وہبہ، قاہرہ، د۔ت۔
(۸۷) سلیمان العشماوی الطحاوی، عمر بن الخطاب، دار الفکر العربی، ۱۹۷۹ء۔
(۸۸) سید سابق، فقہ السنۃ، دار الکتاب العربی، بیروت، ایڈیشن ۲، ۱۳۹۲ھ۔
(۸۹) سید سلیمان ندوی، سیرۃ السیدۃ عائشۃ أم المؤمنین، تحقیق: محمد رحمت اللہ حافظ ندوی، دار القلم، دمشق، ایڈیشن اول، ۱۴۲۴ھ، ۲۰۰۳ء۔
(۹۰) السیوطی، الأشباہ والنظائر، تحقیق: محمد المعتصم باللہ البغدادی، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۰۷ھ۔
(۹۱) السیوطی، اللآلی المصنوعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۶ء۔
(۹۲) الشاطبی، الموافقات، ضبط: محمد عبداللہ دراز، دار المعرفۃ، بیروت۔
(۹۳) الشافعی، الأم، تصحیح: محمد النجار، دار المعرفۃ، بیروت۔

(۹۴) الشوکانی، السیل الجرار، تحقیق: محمود ابراہیم زاید، دار الکتب العلمیۃ، ایڈیشن اول، ۱۴۰۵ھ، ۱۹۸۵ء۔
(۹۵) الشوکانی، فتح القدیر، دارالفکر، بیروت، ۱۴۰۳ھ۔
(۹۶) الشوکانی، نیل الأوطار، انصار السنۃ المحمدیۃ، لاہور۔
(۹۷) شوکت محمد علیان، السلطۃ القضائیۃ فی الإسلام، دار الرشید، ریاض، ایڈیشن اول، ۱۴۰۲ھ، ۱۹۸۲ء۔
(۹۸) صاحب عبید الفتلاوی، تأریخ القانون، مکتبۃ دار الثقافۃ للنشر والتوزیع، عمان، ۱۹۹۸ء۔
(۹۹) صالح الجبوری، الولایۃ علی النفس فی الشریعۃ الإسلامیۃ والقانون، مؤسسۃ الرسالۃ، بغداد یونیورسٹی، عراق، ایڈیشن اول، ۱۳۹۶ھ، ۱۹۷۶ء۔
(۱۰۰) صالح السدلان، القواعد الفقہیۃ الکبری وما تفرع عنہا، دار بلنسیۃ للنشر والتوزیع، ریاض، ایڈیشن دوم، ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹ء۔
(۱۰۱) صالح بن عبد العزیز آل الشیخ، اشراف ومراجعہ: موسوعۃ الحدیث الشریف، الکتب الستۃ، دارالسلام، ریاض، ایڈیشن اول، ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹ء۔
(۱۰۲) صلاح عبد الغنی محمد، الحقوق العامۃ للمرأۃ، الدار العربیۃ للکتاب، نصر سٹی، ایڈیشن اول، شوال ۱۴۱۸ھ، فروری ۱۹۹۸ء۔
(۱۰۳) طبرانی، المعجم الصغیر، تقدیم: کمال الحوت، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۰۶ھ، ۱۹۹۷ء۔
(۱۰۴) طبری، تأریخ الأمم والملوک، قاہرہ ایڈیشن، ۱۳۵۷ھ۔
(۱۰۵) طبری، تاریخ الطبری، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم، دار المعارف، مصر، ایڈیشن ۳۔
(۱۰۶) طبری، تفسیر الطبری، تعلیق: محمود شاکر، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ایڈیشن اول،

۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۱ء۔
(۱۰۷) الطحطاوی، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۹۵ھ۔
(۱۰۸) ظافر القاسمی، نظام الحکم فی الشریعۃ والتأریخ، دار النفائس، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۳۹۴ھ، ۱۹۷۴ء۔
(۱۰۹) عارف علی عارف، تولی المرأۃ منصب القضاء بین تراثنا الفقہی والواقع المعاصر، دار النفائس، عمان، ایڈیشن اول، ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹ء۔
(۱۱۰) عباس العقاد، المرأۃ فی القرآن، مطبوعات دار الہلال، د.ت۔
(۱۱۱) عباس العقاد، عبقریۃ الإمام، دار المعارف بمصر، ایڈیشن ۴، کتاب نمبر ۱۱۳ھ، سلسلۃ ''إقرأ''۔
(۱۱۲) عبد الحلیم ابوشقۃ، تحریر المرأۃ فی عصر الرسالۃ، دار القلم، کویت۔
(۱۱۳) عبد الحمید الأنصاری، الشوری وأثرہا فی الدیمقراطیۃ، منشورات المکتبۃ العصریۃ، صیدا، بیروت، ایڈیشن ۳۔
(۱۱۴) عبد الحمید الشورابی، الحقوق السیاسیۃ للمرأۃ فی الإسلام، منشأۃ المعارف، اسکندریہ، د.ت۔
(۱۱۵) عبد الحمید المتولی، مبادئ نظام الحکم فی الإسلام، منشأۃ المعارف، اسکندریہ، ایڈیشن ۴، دسمبر ۱۹۷۸ء۔
(۱۱۶) عبد الحمید محمد ابراہیم اور محمود عبد المجید محمد، حقوق المرأۃ بین الإسلام والدیانات الأخری، دار النشر الکویتیۃ، کویت، ایڈیشن اول، ۱۴۰۶ھ، ۱۹۸۶ء۔
(۱۱۷) عبد الرحمٰن الجویلی، دراسات إسلامیۃ، ایڈیشن ۲، ۱۹۶۲ء۔
(۱۱۸) عبد الرحمٰن بن علی الشیبانی، تیسیر الوصول إلی جامع الأصول من حدیث الرسول، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی وأولادہ، مصر، د.ت۔

(۱۱۹) عبد الرزاق السنہوری، فقہ الخلافۃ وتطورہا لتصبح عصبۃ أمم شرقیۃ، موسسۃ الرسالۃ، دمشق، ایڈیشن اول، ۱۴۲۲ھ، ۲۰۰۱ء۔

(۱۲۰) عبد الرزاق، المصنف، تحقیق: حبیب الرحمٰن اعظمی، المکتب الإسلامی، بیروت، ایڈیشن ۲، ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء۔

(۱۲۱) عبدالرزاق، المصنف، تحقیق: حبیب الرحمٰن اعظمی، منشورات المجلس العلمی، ایڈیشن اول، ۱۳۹۰ھ، ۱۹۷۱ء۔

(۱۲۲) عبدالسلام الترمانینی، الوسیط فی تاریخ القانون والنظم القانونیہ، مطبعۃ ذات السلاسل، کویت، ایڈیشن ۳، ۱۴۰۲ھ، ۱۹۸۲ء۔

(۱۲۴) عبدالغنی محمود، حقوق المرأۃ فی القانون الدولی العام والشریعۃ الإسلامیۃ، دار النہضۃ العربیۃ، قاہرہ، ایڈیشن اول، ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۹ء۔

(۱۲۵) عبد الکریم زیدان، المفصل فی أحکام المرأۃ، مؤسسۃ الرسالہ، ایڈیشن اول، ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۳ء۔

(۱۲۶) عز الدین عبد اللہ، القانون الدولی الخاص، مطابع الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، قاہرہ، ایڈیشن ۱۱، ۱۹۸۶ء۔

(۱۲۷) عطیۃ صقر، الأسرۃ تحت رعایۃ الإسلام، مؤسسۃ الصباح، کویت، ایڈیشن اول، ۱۴۰۰ھ، ۱۹۸۰ء۔

(۱۲۸) علی الخفیف، أحکام المعاملات الشرعیۃ، دار الفکر العربی، قاہرہ، ایڈیشن اول، ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۶ء۔

(۱۲۹) علی عبد القادر مصطفیٰ، الوزارۃ فی النظام الإسلامی وفی النظم الدستوریۃ المعاصرۃ، ایڈیشن اول، ۱۴۰۱ھ، ۱۹۸۱ء۔

(۱۳۰) علی بن محمد الجرجانی، التعریفات، تصحیح: علماء کی ایک جماعت، اشراف: دار الکتاب

العلمیۃ، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء۔
(۱۳۱) عماد محمد لیس، حرکۃ تحریر المرأۃ فی میزان الإسلام، دار القبلتین للنشر والتوزیع، ریاض۔
(۱۳۲) الفراء، الأحکام السلطانیۃ، تعلیق: محمد حامد الفقی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء۔
(۱۳۳) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، د.ت۔
(۱۳۴) القرطبی، الجامع لأحکام القرآن، دار الحدیث، قاہرہ، ایڈیشن دوم، ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۶ء۔
(۱۳۵) القرطبی، مختار تفسیر القرطبی، ایڈیشن الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۱۹۷۷ء۔
(۱۳۶) القلقشندی، مآثر الأنافۃ فی معالم الخلافۃ، تحقیق: عبد الستار فراج، عالم الکتب، بیروت، د.ت۔
(۱۳۷) الکاسانی، بدائع الصنائع، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، د.ت۔
(۱۳۸) کوثر محمد المنیاری، حقوق المرأۃ فی الإسلام، مطبعۃ سفیر، ریاض، ایڈیشن دوم، ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۳ء۔
(۱۳۹) ماجد راغب الحلو، الاستفتاء الشعبی بین الأنظمۃ الوضعیۃ والشریعۃ الإسلامیۃ، مکتبۃ المنار الإسلامیۃ، کویت، ایڈیشن اول، ۱۴۰۰ھ، ۱۹۸۰ء۔
(۱۴۰) الماوردی، أدب القاضی، تحقیق: محیی ہلال السرحان، مطبعۃ الإرشاد، إحیاء التراث الإسلامی، بغداد، ۱۳۹۱ھ، ۱۹۷۱ء۔
(۱۴۱) مؤلفین کی جماعت، المعجم الوسیط، مجمع اللغہ، قاہرہ، د.ت۔
(۱۴۲) مجید محمود ابو حجیر، المرأۃ والحقوق السیاسیۃ فی الإسلام، مکتبۃ الرشد، ریاض، ایڈیشن اول، ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۷ء۔
(۱۴۳) محمد ابو فارس، القضاء فی الإسلام، مکتبۃ الأقصی، عمان، ایڈیشن اول، ۱۳۹۸ھ۔
(۱۴۴) محمد بلتاجی، مکانۃ المرأۃ فی القرآن الکریم والسنۃ الصحیحۃ، دار السلام للطباعۃ والتوزیع،

قاہرہ، ایڈیشن اول، ۱۴۲۰ھ، ۲۰۰۰ء۔
(۱۴۵) محمد بن علی الشوکانی، الفوائد المجموعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ، تحقیق: عبدالرحمٰن الیمانی، بیروت، ایڈیشن دوم، ۱۳۹۲ھ۔
(۱۴۶) محمد البہی، الدین والحضارۃ الإنسانیۃ، مکتبۃ الشرکۃ الجزائریۃ، د.ت۔
(۱۴۷) محمد رشید رضا، تفسیر القرآن الحکیم، تفسیر المنار، دار المعرفۃ، بیروت، ایڈیشن دوم، د.ت۔
(۱۴۸) محمد رشید رضا، نداء الجنس اللطیف، طبعۃ المنار، ۱۹۶۷ء۔
(۱۴۹) محمد رضا کحالہ، أعلام النساوی، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ایڈیشن ۱۰، ۱۴۱۲ھ، ۱۹۹۱ء۔
(۱۵۰) محمد رواس قلعہ جی، موسوعۃ فقہ أبی بکر الصدیق، دار الفکر، دمشق، ایڈیشن اول، ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء۔
(۱۵۱) محمد طعمۃ القضاۃ، الولایۃ العامۃ للمرأۃ فی الفقہ الإسلامی، اشراف: مصطفیٰ الزرقا، دار النفائس، اردن، ایڈیشن اول، ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹۸ء۔
(۱۵۲) محمد عبدالرزاق الطبطبائی، مشارکۃ المرأۃ السیاسیۃ، کویت۔
(۱۵۳) محمد عبدالعلیم مرسی، الإسلام ومکانۃ المرأۃ، مکتبۃ العبیکان، ریاض، ایڈیشن اول، ۱۴۱۸ھ، ۱۹۹۷ء۔
(۱۵۴) محمد عبدالمنعم بدرو دیگر، مبادئ القانون الرومانی، مطبعۃ جامعۃ فؤاد الأول، ۱۹۴۹ء۔
(۱۵۵) محمد عبدہ، شرح نہج البلاغۃ، دار الشعب، قاہرہ، د.ت۔
(۱۵۶) محمد علیش، شرح منح الجلیل علی مختصر خلیل، قاہرہ، د.ت۔
(۱۵۷) محمد الغزالی، السنۃ النبویۃ بین أہل الفقہ وأہل الحدیث، دار الشروق، ایڈیشن ۴، ۱۹۸۹ء۔
(۱۵۸) محمد الغزالی، حقوق الإنسان بین تعالیم وإعلان الأمم المتحدۃ، دار الدعوۃ، اسکندریہ،

ایڈیشن اول، ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۳ء۔
(۱۵۹) محمد فؤاد عبد الباقی، المعجم المفہرس لألفاظ القرآن الکریم، دار الحدیث، ایڈیشن سوم، ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۱ء۔
(۱۶۰) محمد فریحہ، حقوق المرأۃ المسلمۃ فی القرآن والسنۃ، المکتب الإسلامی، بیروت، ایڈیشن اول، ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۶ء۔
(۱۶۱) محمد محمد المدنی، وسطیۃ الإسلام، المجلس الأعلی للشؤون الإسلامیۃ، د.ت۔
(۱۶۲) محمود شلتوت، الإسلام عقیدۃ وشریعۃ، مطبوعات الإدارۃ العامۃ للثقافۃ الإسلامیۃ، ازہر، ۱۹۵۹ء۔
(۱۶۳) محمود شلتوت، القرآن والمرأۃ، الأمانۃ العامۃ لمجتمع البحوث الإسلامیۃ، ایڈیشن ۶۳۔
(۱۶۴) محمود شلتوت، من توجیہات الإسلام، دار القلم، قاہرہ، ۱۹۶۶ء۔
(۱۶۵) محمود عبد الحمید محمد، حقوق المرأۃ بین الإسلام والدیانات الأخری، مکتبۃ مدبولی، قاہرہ، ایڈیشن اول، ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۰ء۔
(۱۶۶) محمد عمارہ، المرأۃ والإسلام فی رأی الإمام محمد عبدہ، القاہرۃ للثقافۃ العربیۃ، ۱۹۷۵ء۔
(۱۶۷) المستدرک علی الصحیحین، حاکم نیسابوری، دار الکتاب العربی، بیروت۔
(۱۶۸) المسعودی، مروج الذہب ومعادن الجوہر، د.ن.ط.، ۱۹۷۷ء۔
(۱۶۹) مصطفیٰ اسماعیل بغدادی، حقوق المرأۃ المسلمۃ فی المجتمع المسلم، المنظمۃ الإسلامیۃ للتربیۃ والعلوم والثقافۃ، مراکش، ایڈیشن اول، ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۰ء۔
(۱۷۰) مصطفیٰ السباعی، المرأۃ بین الفقہ والقانون، المکتب الإسلامی، بیروت، ایڈیشن ۶، ۱۴۰۴ھ، ۱۹۸۴ء۔
(۱۷۱) المودودی، الإسلام فی مواجہۃ التحدیات المعاصرۃ، دار العلم، کویت، ایڈیشن ۲، ۱۹۷۴ء۔

(۱۷۲) المودودی، الحجاب، ترجمہ: محمد کاظم، دارالفکر الإسلامی، دمشق، ۱۹۵۹ء۔
(۱۷۳) المودودی، المرأۃ ومناصب الدولۃ، دارالفکر، بیروت، د.ت۔
(۱۷۴) المودودی، نظریۃ الإسلام وہدیہ فی السیاسۃ والقانون والدستور، د.ن، د.ت۔
(۱۷۵) المودودی، نحن والحضارۃ الغربیۃ، دارالفکر، د.ت۔
(۱۷۶) الموصلی، الاختیار لتعلیل المختار، تحقیق: طہ المزینی اور محمد خفاجی، ایڈیشن اول، المطبعۃ المنیریۃ، ۱۳۷۶ھ۔
(۱۷۷) ناصر الطریفی، نظام القضاء فی الإسلام، ایڈیشن اول، ۱۴۰۶ھ، ۱۹۸۶ء۔
(۱۷۸) النسائی، سنن النسائی، دارسحنون، تیونس، ۱۹۹۲ء۔
(۱۷۹) النووی، روضۃ الطالبین، المکتب الإسلامی، بیروت، ایڈیشن دوم، ۱۴۰۵ھ، ۱۹۸۵ء۔
(۱۸۰) النووی، صحیح مسلم بشرح النووی، دارالحدیث، قاہرہ، ایڈیشن اول، ۱۴۱۵ھ، ۱۹۹۴ء۔
(۱۸۱) ہبۃ عبد الرؤوف، المرأۃ والعمل السیاسی، المعہد العالمی للفکر الإسلامی، واشنگٹن، ایڈیشن اول، ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۵ء۔
(۱۸۲) ول دیورانت، قصۃ الحضارۃ، ترجمہ: زکی حبیب محمود، عرب لیگ، الإدارۃ الثقافیۃ، قاہرہ، ایڈیشن ۳، ۱۹۶۵ء۔
(۱۸۳) ول دیورانت، قصۃ الحضارۃ، حیاۃ الیونان، ترجمہ: محمد بدران، عرب لیگ، الإدارۃ الثقافیۃ، قاہرہ، ۱۹۷۲ء۔

ڈاکٹریٹس:

(۱) سعود آل دریب، التنظیم القضائی فی المملکۃ العربیۃ السعودیۃ فی ضوء الشریعۃ الإسلامیۃ ونظام السلطۃ القضائیۃ، ڈاکٹریٹ، امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی،

ریاض، ۱۴۰۲ھ۔
(۲) عبد الحکیم حسین محمد، الحریات العامۃ فی الفکر السیاسی فی الإسلام: دراسۃ مقارنۃ، ڈاکٹریٹ، عین شمس یونیورسٹی، قاہرہ۔

روزنامے ومجلّات:

(۱) جریدۃ الاہرام، مصر، ۲۷/۱/۱۹۶۳ء۔
(۲) جریدۃ الأہرام، مصر، ۲۷/۶/۱۹۵۳ء، محمد الخضر حسین، موقف الشریعۃ الإسلامیۃ من المرأۃ۔
(۳) جریدۃ القبس، کویت، ۱۹/۵/۱۹۹۹ء۔
(۴) جریدۃ القبس، کویت، ۱۷/۵/۱۹۹۹ء۔
(۵) جریدۃ الوطن، کویت، ۱۷/۵/۱۹۹۹ء۔
(۶) جریدۃ الوطن، کویت، ۱۸/۵/۱۹۹۹ء۔
(۷) جریدۃ الوطن، کویت، ۲۹/۱۱/۱۹۹۹ء۔
(۸) جریدۃ الوطن، کویت، ۲۹/۱۱/۱۹۹۹ء۔
(۹) مجلۃ التوعیۃ الإسلامیۃ فی الحج، عدد ۱۱، ۱۶/۱۲/۱۳۹۸ھ، دار طیبہ، ابن باز، خطر مشارکۃ المرأۃ للرجل فی میدان عملہ۔
(۱۰) مجلۃ الحضارۃ الإسلامیۃ، المجمع الملکی لبحوث الحضارۃ الإسلامیۃ، عمان، ۱۴۰۷ھ، ۱۹۸۶ء، محمد الکبیسی، رأی الإسلام فی إشراک المرأۃ فی موسسات الشوری۔
(۱۱) مجلۃ رسالۃ الإسلام، سال چہارم، عدد سوم، جون ۱۹۵۲ء۔
(۱۲) مجلۃ منبر الإسلام، محمد زکریا البردیسی، الإسلام والولایۃ العامۃ للمرأۃ، ۱۹۶۳ء۔

کانفرنس:

(۱) محمد سعید البوطی، ردود علی أوہام حول حقوق المرأۃ فی الإسلام، یہ مقالہ کلیۃ الشریعۃ والدراسات الإسلامیۃ کے نویں کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا، اس کانفرنس کا عنوان ''إشکالیۃ المرأۃ المعاصرۃ فی المجتمعات العربیۃ الإسلامیۃ'' تھا، جو کہ کویت میں ۱۷-۲۱/ ۳/ ۲۰۰۱ء کے درمیان منعقد ہوئی تھی۔